ماہنامہ
قلندر شعور
جنوری سنہ ۲۰۲۰ء
امر الٰہی
ارادہ
شے
ہو جا
ظہور شے
سُکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور رُوح کے عرفان کے بغیر سُکون نہیں مِلتا

جلد 7 شمارہ 12 | جنوری 2020ء | جمادی الاوّل ـ جمادی الثانی 1441ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ قلندر شعور کراچی

قلندر شعور

Neutral Thinking

(اردو ـ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

بااہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ـــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس،
ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 80 روپے.....سالانہ ہدیہ 1080 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 70 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 6912020 213(0) 92+

۳۸ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ ــــــــ بابا گرو نانکؒ 10

نعت رسول مقبول ﷺ ــــــــ محمد علی ظہوریؒ 11

منقبت بحضور قلندر بابا اولیاءؒ ــــــــ شعرائے کرام 12

انسان کیا ہے ــــــــ امام سلسلہ عظیمیہ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ 14

فقیر کی ڈاک ــــــــ ادارہ 19

نامے میرے نام ــــــــ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ 21

ہوگا تیری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ ــــــــ (M.A-Mass Comm.) قرۃ العین واسطی 27

روپ بہروپ ــــــــ (M.A-Fine Arts) حامد ابراہیم 33

پیرا سائیکالوجی سے مسائل کا حل ــــــــ خواجہ شمس الدین عظیمی 41

عشق کیا ہے ـــ؟ ــــــــ سہیل احمد 45

فرد کہاں پر ریکارڈ ہے ـــ؟ ــــــــ (M.Sc-Zoology) زاہدہ تبسم 51

فراق ـــ وصال ــــــــ گلِ نسرین 59

دیکھا جو اسے بعد فنا ہونے کے ــــــــ (MBA) سید اسد علی 63

وہم کا گیٹ ــــــــ ڈاکٹر احمد ممتاز اختر 69

غیب ظاہر غیب ــــــــ UAE (Ph.D.) ڈاکٹر نعیم ظفر 75

چاند، سورج اور ستارے ــــــــ (آرکیٹیکٹ) عبدالوحید نظامی 81

ہیڈ ماسٹر صاحب ـــ؟ ــــــــ سید نوشاد کاظمی 85

محافظ موت ــــــــ (Software Engr.) محمد عاصم بیگ 91

رنج سے خوگر ہوا انساں	شہر بانو	97
رنگ برنگ دنیا	UK صوفیہ رفعت	101
آئینہ	عابد محمود	109
اللہ کے دوستوں کی باتیں	(Ph.D.) ڈاکٹر سعیدہ شفیق میمن	113
پورب کے ہم زاد	(M.Sc-Applied Physics) محمد عدنان خان	117
اکتوبر 2019ء کے سرورق کی تشریح	قارئین	123
اللہ میاں کے باغ کے پھول — اولی الالباب بچے	ادارہ	126
اللہ میاں کے باغ کے پھول — چڑیا اور باز	ادارہ	128
اللہ میاں کے باغ کے پھول — شاہ کچھوا	(M.A-Mass Comm.) سارہ خان	131
اللہ میاں کے باغ کے پھول — ایک ہزار سال	شہلا تزئین	137
رات اور دن	عبدالخالق	143
آپ کے خواب اور ان کی تعبیر	عظیمی خواجہ شمس الدین	147
حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی تعلیمات — گیارہ زبانوں میں	ادارہ	153
Reality and Materialism	Dr. Naeem Zafar (Ph.D.)	177
The Path to Happiness	Khalida Zubair	183
The Power of Positive Words	Umar Tariq	186
Prophet Jesus (PBUH)	Extracted	190
Surrender	Bibi Anuradha (UAE)	194
Love is my Abode	Gul-e-Nasreen	200
Message of the Day	K. S. Azeemi	204

بابا گرونانک

حمد باری تعالیٰ

دور زمیں سے اور زمینیں، ان سے آگے اور جہاں
ان کے نیچے زور ہے کس کا، قائم ہیں کس طور وہاں

گونا گونی خلقت ساری، رنگا رنگ اقسام سبھی
لکھے لکھنے والوں نے، بے روک قلم سے نام سبھی

کون بھلا لکھ سکتا ہے، یہ گنتی ہو مرقوم کہاں
اس گنتی کی گنتی، گنتی والوں کو معلوم کہاں

کتنی تیری طاقت ہے، کیا سندر روپ سہانا ہے
کتنی داد اور روزی بخشی، کس نے اس کو جانا ہے

حرف کہا جب ایک ہی تو نے، پھیلے عالم سارے ہیں
حرف کہا جب ایک ہی تو نے، پھوٹے لاکھوں دھارے ہیں

کون سی مجھ میں قدرت ہے، میں تیرا سوچ بچار کروں
میں اس لائق کب ہوں، تجھ پر جان فدا اک بار کروں

کار وہی اچھا ہے جس کو، سمجھے اچھا کار تو ہی
تیری ذات سلامت دائم، پاک ہے نرانکار* تو ہی

* نرانکار (جس کی کوئی شکل نہ ہو)

محمد علی ظہوریؔ

نعت رسول مقبول ﷺ

یا رسول اللہؐ تیرے در کی فضاؤں کو سلام
گنبدِ خضرا کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں کو سلام

والہانہ جو طوافِ روضۂ اقدسؐ کریں
مست و بے خود وجد میں آتی ہواؤں کو سلام

شہرِ بطحا کے در و دیوار پہ لاکھوں درود
زیرِ سایہ رہنے والوں کی صداؤں کو سلام

جو مدینے کے گلی کوچوں میں دیتے ہیں صدا
تا قیامت ان فقیروں اور گداؤں کو سلام

مانگتے ہیں جو وہاں شاہ و گدا بے امتیاز
دل کی ہر دھڑکن میں شامل ان دعاؤں کو سلام

اے ظہوریؔ خوش نصیبی لے گئی جن کو حجاز
ان کے اشکوں اور ان کی التجاؤں کو سلام

در پہ رہنے والے خاصوں اور عاموں کو سلام
یا نبیؐ تیرے غلاموں کے غلاموں کو سلام

کعبۂ کعبہ کے خوش منظر نظاروں کو سلام
مسجد نبویؐ کی صبحوں اور شاموں کو سلام

جو پڑھا کرتے ہیں روز و شب تیرے دربار میں
پیش کرتا ہے ظہوریؔ ان سلاموں کو سلام

مظفر وارثی

بحرِ تصوف

بندۂ حق ہیں، سخنور ہیں قلندر باباؒ
یا تصوف کا سمندر ہیں قلندر باباؒ

اوڑھ کر آپ کی خوشبوئیں، ہوا رقص کرے
گلشن دیں یا گلِ تر ہیں قلندر باباؒ

آبِ کوثر سے ہے دھوئی ہوئی اندر کی زباں
سچ ہیں اور روح کے لب پر ہیں قلندر باباؒ

حجرۂ قبر میں بھی جاگ رہے ہیں جیسے
عشق کا قیمتی زیور ہیں قلندر باباؒ

حسنِ باطن کی جھلک دیکھنی مشکل ہے بہت
چار دیواری ہیں چادر ہیں قلندر باباؒ

چشمِ ظاہر سے دکھائی جو نہیں دے سکتا
بند آنکھوں کا وہ منظر ہیں قلندر باباؒ

غور سے آپ کو ہر لمحہ سنا کرتا ہے
اپنی تنہائی کا محشر ہیں قلندر باباؒ

بندۂ حق ہیں، سخنور ہیں قلندر باباؒ
یا تصوف کا سمندر ہیں قلندر باباؒ

قادری العظیمی

فیضانِ شاہانہ

حبّذا بابا قلندرؒ نوری میخانہ ترا
بادۂ عرفان کا گردش میں پیمانہ ترا

تشنہ کامانِ محبت پی رہے ہیں بے دریغ
عام ہے سب کے لئے فیضانِ شاہانہ ترا

بس رہی ہے ہر طرف مئے ناب گلگوں کی شمیم
جھومتا ہے کیف سے مخمور مستانہ ترا

آئیں فرزانے جہاں کے دیکھیں میخانے کا رنگ
لاکھ فرزانوں پر بھاری ایک دیوانہ ترا

پیتے ہی اک گھونٹ اس کے سب لطیفے کھل گئے
مل گیا لبریز جس کو جامِ رندانہ ترا

شمع نورِ تجلی ذاتِ انور ہے تری
خود بھی روشن ہوگیا ہر ایک پروانہ ترا

یک نگاہِ لطف اے ساقی مرے بندہ نواز
قادری لایا ہے دل کا اپنے نذرانہ ترا

تشنہ کامانِ محبت پی رہے ہیں بے دریغ
عام ہے سب کے لئے فیضانِ شاہانہ ترا

امام سلسلہ عظیمیہ

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ

انسان کیا ہے

اگر کوئی شخص مصور ہونا چاہے تو وہ تصویر کے خدوخال کو اپنی طبیعت میں رفتہ رفتہ جذب کرتا جاتا ہے۔ اس کے حافظے میں یہ بات محفوظ ہے کہ کانوں کی ساخت کے لئے پنسل کے ایک خاص وضع کے نشانات استعمال ہوں گے، آنکھوں کی ساخت کے لئے دوسری وضع کے، بالوں کی ساخت کے لئے تیسری وضع کے۔ مشق کرتے کرتے وہ انسانی جسم کے ہر عضو کی ساخت کو پنسل کے نقش کی صورت میں پوری طرح ظاہر کرنے پر قابو پا جاتا ہے۔ اب ہم اس کو مصور کہہ سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ کس طرح ہوا؟

انسان کے ذہن میں انسانی خدوخال کا عکس موجود تھا۔ جب اس عکس کو نقل کرنے کے لئے اس نے پنسل استعمال کرنا چاہی تو وہ عکس جو اس کے ذہن میں موجود تھا بار بار اس کی راہ نمائی کرتا رہا۔ ساتھ ساتھ جس استاد نے اس کو مصوری کا فن سکھایا وہ یہ بتلاتا گیا کہ پنسل اس طرح استعمال کی جاتی ہے اور کسی عضو کے نقش کو ترتیب دینا اس طرح عمل میں آتا ہے۔ استاد کا کام صرف اس ہی قدر تھا لیکن تصویر کا عکس استاد نے اس کے ذہن میں منتقل نہیں کیا۔ وہ اس کے باطن میں پہلے سے موجود تھا۔ دوسرے الفاظ میں ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اس کی روح کے اندر نوع انسانی کے ہزار در ہزار خدوخال محفوظ تھے۔ جب اس نے ایک استاد کی راہ نمائی میں ان خدوخال کو کاغذ پر نقش کرنا چاہا تو وہ تمام نقوش جو ذہن میں موجود تھے کاغذ پر منتقل ہو گئے۔

علیٰ ہذا القیاس مادی فنون کی اس قسم کی ہزار ہا مثالیں ہو سکتی ہیں جن سے ہم ایک ہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور وہ یہ کہ انسان بالطبع مصور، کاتب، درزی، لوہار، بڑھئی، فلسفی، طبیب

وغیرہ وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے مگر اسے کسی خاص فن میں ایک خاص قسم کی مشق کرنا پڑتی ہے۔ اس کے بعد اس کے مختلف نام رکھ لئے جاتے ہیں اور ہم اس طرح کہتے ہیں کہ فلاں شخص مصور ہو گیا، فلاں شخص فلسفی ہو گیا۔ فی الواقع وہ تمام صلاحیتیں اور نقوش اس کے ذہن میں موجود تھے۔ صرف اس نے ان کو بیدار کیا۔ استاد نے جتنا کام کیا وہ صرف صلاحیت کے بیدار کرنے میں ایک امداد ہے۔

اب ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔ جس طرح کوئی شخص مصور، کاتب یا فلسفی ہوتا ہے اس ہی طرح بالطبع اپنی روح کے اندر ایک عارف، ایک روحانی انسان، ایک ولی، ایک خداشناس، ایک پیغمبر خاص قسم کے روحانی نقوش اور خاص قسم کی روحانی صلاحیتیں لئے ہوتا ہے۔ (یہاں کوئی پیغمبر زیر بحث اس لئے نہیں کہ پیغمبری ختم ہو چکی ہے۔ صرف روحانی انسان، اس کا نام کچھ بھی ہو ہمارا مطمحِ نظر ہے)۔

اب ہم صلاحیتوں کا ذکر الف سے شروع کرتے ہیں۔

الف: ایک انسان کیا ہے؟ ہم اس کو کس طرح پہچانتے ہیں اور کیا سمجھتے ہیں؟

ہمارے سامنے ایک مجسمہ ہے جو گوشت پوست سے مرتب ہے۔ طبی نقطۂ نظر سے ہڈیوں کے ڈھانچے پر رگ پٹھوں کی بناوٹ کو ایک جسم کی شکل وصورت دی گئی ہے۔ ہم اس کا نام جسم رکھتے ہیں اور اس کو اصل سمجھتے ہیں۔ اس کی حفاظت کے لئے ایک چیز اختراع کی گئی ہے جس کا نام لباس ہے۔ یہ لباس سُوتی کپڑے کا، اونی کپڑے کا یا کسی کھال وغیرہ کا ہوا کرتا ہے۔ اس لباس کا محلِ استعمال صرف گوشت پوست کے جسم کی حفاظت ہے۔ فی الحقیقت اس لباس میں اپنی کوئی زندگی یا اپنی کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ جب یہ لباس جسم پر ہوتا ہے تو جسم کے ساتھ حرکت کرتا ہے۔ یعنی اس کی حرکت جسم سے منتقل ہو کر اس کو ملی۔ لیکن درحقیقت وہ جسم کے اعضا کی حرکت ہے۔ جب ہم ہاتھ اٹھاتے ہیں تو آستین بھی گوشت پوست کے ہاتھ کے ساتھ حرکت کرتی ہے۔ یہ آستین اس لباس کا ہاتھ ہے جو لباس جسم کی حفاظت کے

لئے استعمال ہوا ہے۔ اس لباس کی تعریف کی جائے تو یہ کہا جائے گا کہ جب یہ لباس جسم پر ہے تو جسم کی حرکت اس کے اندر منتقل ہو جاتی ہے اور اگر اس لباس کو اتار کر چارپائی پر ڈال دیا جائے یا کھونٹی پر لٹکا دیا جائے تو اس کی تمام حرکتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔

اب ہم اس لباس کا جسم کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں۔ اس کی کتنی ہی مثالیں ہو سکتی ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال دے کر صحیح مفہوم ذہن نشیں ہو سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی مر گیا۔ مرنے کے بعد اس کے جسم کو کاٹ ڈالئے، ٹکڑے کر دیجئے، گھسیٹئے، کچھ کیجئے۔ جسم کی اپنی طرف سے کوئی مدافعت، کوئی حرکت عمل میں نہیں آئے گی۔ اس مردہ جسم کو ایک طرف ڈال دیجئے تو اس میں زندگی کا کوئی شائبہ کسی لمحہ بھی پیدا ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس کو جس طرح ڈال دیا جائے گا، پڑا رہے گا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ مرنے کے بعد جسم کی حیثیت صرف لباس کی رہ جاتی ہے۔ اصل انسان اس میں موجود نہیں رہتا۔ وہ اس لباس کو چھوڑ کر کہیں چلا جاتا ہے۔ جب مشاہدات اور تجربات نے یہ فیصلہ کر دیا کہ گوشت پوست کا جسم لباس ہے، اصل انسان نہیں تو یہ تلاش کرنا ضروری ہو گیا کہ اصل انسان کیا ہے اور کہاں چلا گیا؟

اگر یہ جسم اصل انسان ہوتا تو کسی نہ کسی نوعیت سے اس کے اندر زندگی کا کوئی شائبہ ضرور پایا جاتا لیکن نوعِ انسانی کی مکمل تاریخ ایسی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتی کہ کسی مردہ جسم نے کبھی کوئی حرکت کی ہو۔

اس صورت میں ہم اس انسان کا تجسس کرنے پر مجبور ہیں جو جسم کے اس لباس کو چھوڑ کر کہیں رخصت ہو جاتا ہے۔ اس ہی انسان کا نام انبیائے کرام کی زبان میں روح ہے اور وہی انسان کا اصلی جسم ہے۔ نیز یہی جسم ان تمام صلاحیتوں کا مالک ہے جن کے مجموعے کو ہم زندگی سے تعبیر کرتے ہیں۔

ذرا زندگی کے مختلف شعبوں اور زاویوں میں یہ تلاش کیجئے کہ وہ حالت جس کا نام موت یا مردہ ہو جانا ہے ہمیں کہیں ملتی ہے یا نہیں۔ اگر یہ حالت قطعی طور پر زندگی کے کسی مرحلے

میں انسان پر طاری نہیں ہوتی تو پھر یہ تلاش کرنا چاہئے کہ اس سے ملتی جلتی حالت کسی وقفہ میں طاری ہوتی ہے یا نہیں۔

اس کا جواب بہت آسان ہے۔ انسان روز سوتا ہے اور سونے کی حالت میں اس کا جسم ایک خاص وقفہ کے اندر بالکل لباس کی نوعیت اختیار کر لیتا ہے۔ اس بات کی تشریح ہم اس طرح کر سکتے ہیں کہ ایک انسان جب گہری نیند میں ہوتا ہے، ایسی گہری نیند میں کہ وہ صرف سانس لے رہا ہے۔ سانس لینے کے علاوہ زندگی کا کوئی اثر اس میں نہیں پایا جاتا۔ نہ اس کے کسی عضو میں حرکت ہے، نہ اس کا دماغ کسی طرح کا ہوش رکھتا ہے۔ یہ حال چاہے دو منٹ کے لئے طاری ہو، دس منٹ کے لئے ہو یا ایک گھنٹے کے لئے۔ کسی نہ کسی وقت ہوتا ضرور ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ انسان کا جسم سانس لے رہا ہے یعنی اس کے اندر زندگی کا ایک اثر باقی ہے مگر اور آثار زائل ہو چکے ہیں۔ اس حالت کو ہم کسی حد تک موت سے ملتی جلتی حالت کہہ سکتے ہیں۔

جس کو ہم خواب دیکھنا کہتے ہیں ہمیں روح اور روح کی صلاحیتوں کا سراغ دیتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ہم سوئے ہوئے ہیں۔ تمام اعضا بالکل معطل ہیں۔ صرف سانس کی آمد و شد جاری ہے لیکن خواب دیکھنے کی حالت میں ہم چل پھر رہے ہیں، باتیں کر رہے ہیں، سوچ رہے ہیں، غم زدہ اور خوش ہو رہے ہیں۔ کوئی کام ایسا نہیں ہے کہ جو ہم بیداری کی حالت میں کرتے ہیں اور خواب کی حالت میں نہیں کرتے۔

کوئی شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ خواب دیکھنا صرف ایک خیالی چیز ہے اور خیالی حرکات ہیں، کیوں کہ جب ہم جاگ اٹھتے ہیں تو کئے ہوئے اعمال کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ بات بالکل لایعنی ہے۔ ہر شخص کی زندگی میں ایک، دو، چار، دس، بیس ایسے خواب ضرور نظر آتے ہیں کہ جاگ اٹھنے کے بعد یا تو اسے نہانے اور غسل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے یا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھنے کے بعد اس کا پورا خوف اور دہشت دل و دماغ پر مسلط ہو جاتا ہے

یا جو کچھ خواب میں دیکھا ہے وہی چند گھنٹے، چند دن یا چند مہینے یا چند سال بعد من وعن بیداری کی حالت میں پیش آتا ہے۔ ایک فرد واحد بھی ایسا نہیں ملے گا جس نے اپنی زندگی میں اس طرح کا ایک خواب یا ایک سے زائد خواب نہ دیکھے ہوں۔ اس حقیقت کے پیش نظر اس بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ خواب محض خیالی حیثیت رکھتا ہے۔ جب یہ مان لیا گیا کہ خواب محض خیال نہیں ہے تو خواب کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

اب ہم بیداری کے اعمال اور واقعات نیز خواب کے اعمال اور واقعات کو سامنے رکھ کر دونوں کا موازنہ کرتے ہیں۔

یہ روزمرہ ہوتا ہے کہ ہم گھر سے چل کر بازار پہنچ گئے۔ کسی ایک خاص دکان پر کھڑے ہیں اور ایک سودا خرید رہے ہیں۔ اگر اس وقت کوئی شخص ہم سے یہ سوال کرے کہ دکان پر پہنچنے تک راستے میں آپ نے کیا کیا دیکھا تو ہم مجبوراً یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے کچھ خیال نہیں کیا۔

بات یہ معلوم ہوئی کہ بیداری کی حالت میں ہمارے اردگرد جو کچھ ہوتا ہے اگر ہم پوری طرح متوجہ نہ ہوں تو کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا ہوا، کس طرح ہوا اور کب ہوا؟

اس مثال سے یہ تحقیق ہو جاتا ہے کہ بیداری ہو یا خواب، جب ہمارا ذہن کسی چیز کی طرف یا کسی کام کی طرف متوجہ ہے تو اس کی اہمیت ہے ورنہ بیداری اور خواب دونوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بیداری کا بڑے سے بڑا وقفہ بے خیالی میں گزرتا ہے، اور خواب کا بھی بہت سا حصہ بے خبری میں گزر جاتا ہے۔

فقیر کی ڈاک

تفکر — ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ غور وفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی — عرفان نفس اور معرفت الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ذہن کی پرتوں کو کھول کر لاشعور کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مرشد کریم ابا جی کو دل کی گہرائیوں سے سلام — السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مرشد اپنی ہر بات اور ہر عمل سے ہمیں اللہ سے قریب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ آپ نے ہمیں سکھایا کہ محبت وہ ہے جو اللہ اپنی مخلوق سے کرتا ہے۔ اللہ اپنی مخلوق کا ہر طرح سے خیال رکھتا ہے، انہیں شک اور وسوسوں یعنی ظلمت سے نکالتا ہے اور محبت کرنا سکھاتا ہے۔ محبت — یقین ہے۔

میں اس محبت کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ آپ کی بیٹی، ج۔ب (اسکاٹ لینڈ)

بہت محترم بیٹی، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

ذہن ایسی زمین ہے جو ہمہ وقت اپنے بہن بھائی، اللہ کی مخلوق کی فلاح چاہتی ہے۔ ایسی زمین ہے جو اللہ کی مخلوق کی بلا امتیاز خدمت کرتی ہے۔ زمین یہ نہیں دیکھتی کہ کون کون کیا ہے۔ صرف زمین کے ذہن میں خدمت کا جذبہ ہے جو اسے ماں کی طرح خدمت کرنے پر متوجہ رکھتا ہے۔

دھرتی ماں مخلوق کا دسترخوان ہے۔ وہ اس دسترخوان پر ہر مخلوق کی مناسبت سے غذا فراہم کرتی ہے۔ دھرتی ماں ہر جگہ ماں ہے۔ مخلوق کی پیدائش میں اللہ کی لگائی ہوئی ڈیوٹی پوری کرتی ہے۔ اصل ماں دھرتی ماں ہے۔ یہ دنیا رنگوں کی دنیا ہے۔ دیکھئے سیب، انار، مختلف پھلوں کی بیلیں، چاول، گندم مختصر یہ کہ زندہ رہنے کے لئے غذائیں جس میں پانی بھی شامل ہے، سب اللہ کے حکم سے زمین فراہم کرتی ہے۔

ہم زمین سے پیدا ہوتے ہیں اور ان وسائل کے تعاون سے زندہ رہتے ہیں۔ ہوا، پانی، آکسیجن قسم قسم کی گیسز — بارش، سمندر، دریا، ندی نالے سب زمین کی معاون ہیں۔ جب کوئی اپنے آپ پر، اپنی ہستی پر، اپنے

وجود پر غور کرتا ہے تو ہر ہر وجود ماں ہے۔ جب کوئی بھی فرد وسائل کی اس دنیا سے واپس جاتا ہے تو ہمیں ہر اعتبار سے محفوظ رکھنے کے لئے زمین اپنے اندر اس طرح سمالیتی ہے کہ ہماری بے حرمتی نہیں ہوتی۔

ہم سب جتنی بھی آدم زاد مخلوق ہیں یا دیگر مخلوقات ہیں، زمین سب کے عیب چھپا کر اپنے وجود کو اپنے اندر سمالیتی ہے۔ جب آدمی بدھی سے کام لیتا ہے تو بالآخر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ہم سب ایک باپ آدم اور ایک ماں حوا کی اولاد ہیں۔ حوا آدم کی اولاد قبائل میں بٹ گئیں۔ جو قبیلے سورج کی شدت میں آباد ہو گئے ان کے رنگ مشکی ہو گئے۔ جو قبیلے ٹھنڈی جگہ آباد ہو گئے وہ سرخی مائل سفید ہو گئے۔ زمین کے جس خطے میں سورج کی شعاعیں پڑیں وہاں کے نقش بدل گئے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی ہم سب آدم وحوا کی اولاد ہیں۔ ایک ماں باپ آدم وحوا ہیں۔ کروڑوں ماں باپ آدمی کے جدّامجد آدم اور حوا ہیں۔

عزیز بیٹی! زمین دھرتی پر کتنے ہی آدم زاد یا مرد عورتیں آباد ہیں وہ سب ایک کنبہ، برادری یا قبیلہ ہیں۔ قوم کی اصلاح کرنے والے جتنے حضرات وخواتین زمین پر آئے انہوں نے اصلاح کی، وہ بھی آدم کی اولاد ہیں۔ اور جو لوگ ان کی بات سن کر پیغمبروں کے نقش قدم پر چلے وہ بھی آدم وحوا کی اولاد ہیں۔ سعادت مند اولاد خوش نصیب ہے اور دوسری اولاد ــــ؟

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے اور آپ کے شوہر کو، بچوں کو دین ودنیا کی نعمتیں عطا فرمائے۔ آپ نے مجھ عاجز فقیر کو باپ لکھا بیٹی بن کر ــــ خط میں دلی جذبات کا اظہار کیا، میں آپ کے لئے دعا گو ہوں۔ اور چاہتا ہوں ہر آدم زاد کا فرد اس بات کو سمجھے کہ ہم ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ آدم وحوا کی اولاد کثرت سے زمین پر تقسیم ہوگئی اور دھرتی ماں نے رہائش کے لئے مفت جگہ فراہم کی۔ اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر بھیجے۔ پیغمبران کرام نے مخلوق کے لئے دو راستوں کی نشان دہی کی۔ ایک راستہ وہ ہے کہ جس میں عافیت ہے، آرام ہے، آسائش ہے، میٹھی نیند ہے، سکون ہے، خدشات وخطرات نہیں ہیں۔ اور دوسرے راستے میں خدشات، پریشانی، مصیبت، دماغی الجھن، بے یقینی، دلدل، کانٹے مختصر یہ کہ دوزخ کی عذاب ناک زندگی اور سب سے بڑی محرومی یہ ہے کہ اللہ سے دوری۔ اللہ نے اپنے پیغمبر دنیا میں بندوں کے لئے بھیجے کہ مخلوق کے لئے سیدھے راستے کی راہ نمائی فرمائیں تاکہ لوگ عذاب ناک زندگی سے محفوظ ہوں۔

اپنے شوہر کو بہت سلام، بہت دعا اور بہت پیار، بچوں کو دعائیں۔

آپ کا روحانی استاد

(10 دسمبر 2016ء - کراچی)

نامے میرے نام

کرم فرما خواتین وحضرات نے ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو دل کی گہرائیوں سے نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ قبول فرما کر روپ بہروپ کو دلہن کا روپ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قارئین کی خدمت کی توفیق دیں۔ رابطے کے قدیم وجدید وسائل کے ذریعے موصول ہونے والے خطوط میں سے منتخب خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔

★ **نومبر 2019ء کے ''آج کی بات'' پر قارئین خواتین وحضرات کا تفکر:**

فضیلہ منیر (برطانیہ): آدمی ایک نظام سے دوسرے نظام میں کس طرح ردّوبدل ہوتا ہے اور یہ دوسرے نظام کہاں واقع ہیں؟ ہم غیب سے زمین پر آتے ہیں تو غیب کہاں ہے اور زمین کس زون میں ہے؟ ذہن میں منتقلی کا تصور بنتا ہے کہ جیسے ایک سیارہ ہے، میں اس میں سے نکل کر دوسرے سیارے میں داخل ہورہی ہوں، دونوں سیاروں کے درمیان خلا ہے، میں اس خلا میں نہیں گرتی، اور دوسرے سیارے میں داخل ہوجاتی ہوں۔ یہ تصویر سائنس کی فلمیں دیکھ کر ذہن میں بنی ہے اور میں جانتی ہوں کہ اس میں سقم ہے لیکن ایک نظام سے دوسرے نظام میں داخل ہونے کا کوئی طریقہ تو ہوگا۔ یا سارے زون ذہن میں ہیں اور ہم کائنات میں جو کچھ دیکھ رہے ہیں، وہ اپنے ذہن کے دیکھنے کو دیکھنا ہے ــــ؟ جب سب اپنے ذہن میں دیکھ رہے ہیں تو ایک دوسرے سے کس طرح ربط میں ہیں کیوں کہ سب کے ذہن مختلف ہیں ــــ؟

شہنیلا فاروق (کینیڈا): اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنے کا مطلب اللہ پر یقین رکھنا اور شک سے دور رہنا ہے۔

شاہ بانو ادریس (پشاور): عالم ناسوت میں نافرمانی کا پرت غالب آجاتا ہے۔ پرت ایک طرف صلاحیت ہے تو دوسری طرف لاعلمی ہے۔ لاعلمی سے واقف ہوجائیں تو وہ صلاحیت بن جاتی ہے۔ ایک ہی چیز ہے جس کا علم اور جس سے لاعلمی امتحان ہے۔ ہمارا امتحان یہ ہے کہ ہم اس دن کو یاد کریں جو ہم بھول گئے ہیں۔

سلطان خان (لاہور): ''آج کی بات'' میں بنیادی نکتہ طرز فکر ہے جس سے دیکھنے کا مخصوص زاویہ بن جاتا ہے اور ہم اس زاویے سے زندگی کو دیکھتے ہیں۔ انبیائے کرام نے اس فارمولے کی نشان دہی فرمائی ہے۔

محمد سمیع (سانگھڑ): دنیا امتحان گاہ ہے۔ حضور پاکؐ کی حیات طیبہ میں ثابت قدم رہنے کا سبق ہے۔

کوثر شاہین (کراچی): جب ماحول کے مطابق نقوش بنتے ہیں تو پھر پہلے سے موجود نقوش کیا ہیں؟ بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں باپ سکھاتے ہیں کہ دنیا کو کس طرح دیکھنا ہے۔ ماں باپ کی سوچ غیر حقیقی ہے تو بچہ ان کا عکس بن جاتا ہے۔ ''آج کی بات'' کو ایک لفظ میں بیان کروں تو وہ ''تربیت'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو لوگوں کی تربیت کے لئے مبعوث فرمایا۔ ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کی کس طرح تربیت فرمائی ہے۔ ان کی سوچ ماحول یعنی عالم ناسوت کی سوچ سے الگ ہے۔ ہم رنگوں کے فریب کی وجہ سے یہاں آئے ہیں، اس عالم میں فریب کا غلبہ ہے۔ اسی لئے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ گھٹنے بڑھنے والی شے اللہ نہیں ہوسکتی، اللہ وہ ہے جس میں تغیر نہیں۔ الحمدللہ میں محسوس کرتی ہوں کہ تفکر سے میرا ذہن کھلا ہے۔ آپ کی راہ نمائی اور نظر کرم درکار ہے۔

شاہینہ میمن (کراچی): بچہ سن کر اور دیکھ کر سیکھتا ہے۔ زبان سیکھنے کے لئے اسے قاعدہ نہیں سیکھنا پڑتا۔ ہم بھی ضمیر کی آواز کو سن کر سیکھ سکتے ہیں۔ سننے کے بعد دیکھنے کا عمل بیدار ہوتا ہے۔

شجاع الدین (ملتان): وقت دینے سے علم ذہن میں نقش ہوتا ہے۔ روز آٹھ گھنٹے اسکول میں پھر گھر پر اسکول کا کام، اس طرح ہم دس سال تک دن میں تقریباً دس سے بارہ گھنٹے اسکول کو دیتے ہیں مگر دنیاوی علوم میں مہارت پیدا نہیں ہوتی۔ دنیاوی تقاضوں کے لئے ضروری علوم یہاں سے جانے کے بعد کام نہیں آتے۔ ان کی اہمیت سوالیہ نشان ہے۔ اتنا ہی وقت روحانی علوم کو دیا جائے تو ہم آدمی سے انسان بن جائیں گے۔

فاریہ دانش (کراچی): غالب پرت سے ہم چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمیں اچھے لباس پہننے کا شوق ہے تو اب ہم نہیں دیکھ رہے، اچھا لباس پہننے کی خواہش دیکھ رہی ہے۔ اس طرح یہاں ہر چیز دیکھتی اور دکھاتی ہے۔

محمد صلاح الدین (کراچی): راہِ سلوک میں روحانی شاگرد کا دل جب درد وغم کی وادی بن جاتا ہے اور مرشد اس وادی میں دنیا کی بے ثباتی کی حقیقت دکھا دیتا ہے پھر سالک کے لئے دنیاوی طرز معاملات کو جاری رکھنے کی کیا حیثیت، معنی اور ضرورت رہ جاتی ہے؟

عدنان نذیر (اٹک): اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا جی ہاں! ہم سب گواہ ہیں۔ تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس بات سے محض بے خبر تھے۔'' (الاعراف:۱۷۲) یہ وہ عہد ہے کہ جس کی پاسداری ہمیں عالم ناسوت میں رہ کر کرنی ہے ورنہ خسارہ مقدر بن جائے گا۔

★ نومبر 2019ء کے مضامین پر قارئین کے منتخب خطوط:

رفاقت حسین (لاہور): آقائے دو جہاں حضرت محمدؐ کی تعلیمات اور مدحت میں مضامین اور نعت کا انتخاب عمدہ ہے۔ نعت پیش کرنے کے طریقِ کار میں ہر سال جدت پیدا کی جاتی ہے۔ یہ الفاظ زبان پر رہ گئے،

کرو ذکر میرے حضورؐ کا کہ کھلے دریچہ شعور کا

عائشہ صدیقہ (لیہ): عرفانہ صاحبہ نے مضمون ''دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبیؐ'' مسجد نبویؐ کی راحت افزا چھاؤں اور پُرنور ساعتوں میں تحریر کیا۔ بلاشبہ جذبات میں ان لمحات کی تاثیر ہے۔ بہت خوب صورت خیالات اور کیفیات سے معمور تحریر نے دل پر اثر پیدا کیا جیسے انہوں نے یہ مضمون مسجد نبویؐ میں لکھا، اور میں نے اسے تصور میں مسجد نبویؐ میں بیٹھ کر پڑھا۔ میری طرف سے انہیں بہت مبارک باد۔ ''بی بی آمنہؓ کے پھول'' بھی بہترین انتخاب اور معلوماتی مضمون ہے۔ تجویز ہے کہ اگلی بار سیرت کے شمارے میں حضور پاکؐ کے آباؤ اجداد کے بارے میں تفصیل سے لکھا جائے۔ دیگر تمام مضامین عمدہ ہیں۔ سرورق میں کائنات میں حضور پاکؐ کے مقام کی طرف اشارہ ہے۔

محمد علی (اسلام آباد): گزشتہ سیرت کے شماروں سے نومبر 2019ء کا سرورق مختلف ہے۔ انبیائے کرام اور انبیائے کرام کے سردار حضرت محمدؐ کے مقام و مرتبے کا ذکر ہے۔ نیچے ایک طرف دن، ایک طرف رات اور درمیان میں درخت کی حکمت میرے نزدیک یہ ہے کہ دن اور رات طرزِ فکر اور حواس کے دو رخ ہیں۔ جب تک آدمی درخت کے قریب نہیں گیا، رات کے حواس غالب تھے۔

پروفیسر محمد طاہر (چنیوٹ): گزشتہ چار ماہ سے ''مرشد کی باتیں'' بند کر دیا گیا ہے۔ مہربانی کر کے اس سلسلے کو بند نہ کریں کیوں کہ مرشد باتیں نہ کریں تو تربیت کے عمل میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ ''مرشد کی باتیں'' سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ لاشعور کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔

عامر گلزار (ساہیوال): رحمۃ للعالمین حضور پاکؐ کی توصیف میں کمال کرتار پوری جگن ناتھ صاحب نے کلام ''عالم سنور کے بیٹھ گئے انتظار میں'' میں جو منظر کشی کی ہے، وہ ان کے اعلیٰ تخیل اور حضور پاکؐ سے عقیدت و محبت کی عکاس ہے۔

عرشی تھے نور ذات کو تاباں کئے ہوئے قدسی تھے شمع دل کو فروزاں کئے ہوئے
فرشی تھے دل کے داغ نمایاں کئے ہوئے ساری خلا ملا تھی چراغاں کئے ہوئے
لطف خلش دبا کے دل بے قرار میں عالم سنور کے بیٹھ گئے انتظار میں

وہاج سراج (کراچی): ''گاؤں کی بیٹی ہم سب کی بیٹی'' پڑھ کر میں بہت خوش ہوا۔ گھر والوں اور دوستوں کو

بھی پڑھایا۔ بیٹیوں کا فریضہ سب کو مل کر ایک دوسرے پر احسان جتائے بغیر ادا کرنا چاہئے۔ ہر گھر کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مثال کو اپنائے، ہمارے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔

رخشندہ (میر پور): حضرت زید بن حارثہؓ کی محبت کا یہ انداز کہ برسوں بعد باپ اور بھائی کو دیکھا لیکن حضور پاکؐ سے والہانہ محبت اور ان کی موجودگی میں بے تابی کا مظاہرہ نہیں کیا اور اس عمل سے والد کو پیغام دیا کہ مجھے جس ہستی کا قرب نصیب ہے، اس کے بعد دنیا کے تمام رشتے میرے لئے ثانوی ہیں۔

تھام کر دامن سرکارؐ کو آخر یہ کہا　　لاکھ آزادیاں اک تیری غلامی پر نثار

اریبہ جدون (ایبٹ آباد): عثمان طاہر صاحب کے مضمون میں خط کشیدہ الفاظ پر تفکر کیا۔ نظر کا زاویہ بدلتا ہے، شے تبدیل نہیں ہوتی، دیکھنے کی طرز بدلتی ہے۔ درخت تبدیل نہیں ہوا، اپنی بساط نور پر قائم ہے۔ آدمی کی نگاہ نور سے ہٹ کر رنگوں میں مرکوز ہوگئی ہے۔

رابعہ سلیم (کراچی): ''مرشد کی باتیں'' کی دوسری سیریز میں پہلی سیریز سے زیادہ گہرائی تھی پھر اسے کیوں روک دیا گیا؟ جو کتاب شائع ہوئی اس پر ''جلد اول'' لکھا ہے۔ کیا ''جلد دوم'' نہیں آئے گی؟ مرشد کریم نے ہماری کہانی کسی اور کے ذریعے بیان کی، تفکر کرنا سکھایا، آہستہ آہستہ شعور کے پرت کھولے اور رویوں کی حقیقت سمجھائی۔ براہِ کرم اسے شروع کرنے پر غور کریں۔

محمد سلیم (لاہور): رسالے میں ناول کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ عورت اور مرد زندگی کے دو رخ ہیں اور دنیا کی کم و بیش ساری کہانیاں ان کے گرد گھومتی ہیں۔ ''پورب کے ہم زاد'' کی ابتدائی اقساط اچھی ہیں۔ امید ہے کہ عدنان صاحب معیار کو برقرار رکھیں گے۔ ''ماہنامہ قلندر شعور'' کی خصوصیت ہے کہ تحریر میں ادب اور شائستگی کا خیال رکھا جاتا ہے اس لئے ''پورب کے ہم زاد'' سے اچھی امیدیں ہیں۔

رشید احمد (کراچی): بچوں کے حصے میں سرور کائنات رسول اللہؐ کے حالات زندگی مختصر بیان کر کے سبق دیا گیا ہے کہ بچوں کی تربیت میں ماحول کی اہمیت کیا ہے۔ رسول اللہؐ کا بچپن جن ہستیوں کے زیر سایہ گزرا وہ سب پاکیزہ کردار اور بلند اخلاق کی حامل ہیں۔ میرا خیال ہے کہ حسن زمان صاحب کی تحریر کو بہت غور سے پڑھنا چاہئے۔

قیصر، جماعت ششم (سیالکوٹ): سنا ہے کہ پہلے زمانے میں لوگوں کے قد بہت بڑے ہوتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ''اناج کا دانہ'' بھی سائز میں بڑا تھا۔ اس کے علاوہ سرسید احمد خان کے بچپن کا واقعہ سبق آموز ہے۔

''وہ جس نے آسمانوں اور زمین اور ان میں موجود چیزوں کو چھ ایام میں پیدا کیا۔
پھر عرش پر قرار پکڑا، وہ رحمٰن ہے، اس کی شان کسی خبردار سے پوچھو۔'' (الفرقان)

عرس مبارک حضور قلندر بابا اولیاؒ ۲۷ جنوری ۲۰۲۰ء

27 جنوری 1979ء قلندر بابا اولیاؒ کا یوم وصال ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم لدنّی کے وارث قلندر بابا اولیاؒ نے زمانے کے تقاضوں کے مطابق روحانی علوم کی آبیاری کی ہے۔ اولیاء اللہ کی محبت کے دیوانے اور رسول اللہؐ کے عشق میں پروانے قلندر بابا اولیاؒ کے عرس کی تقریب میں دور دراز سے تشریف لاتے ہیں اور علوم روحانی کے معطر پھول چنتے ہیں اور سلسلہ عظیمیہ کے فیض کو عام کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

عرس کی مرکزی تقریبات ــــ

روحانی ورکشاپ: 26 جنوری 2020ء بروز اتوار

مزار شریف پر حاضری: 27 جنوری 2020ء بروز پیر

حضرت خواجہ شمس الدّین عظیمی صاحب کا خطاب رات 9:00 بجے

لنگر: بعد نماز مغرب

مرکزی مراقبہ ہال، سرجانی ٹاؤن۔ کراچی

مزار مبارک قلندر بابا اولیاؒ۔ بمقام خانقاہ عظیمیہ 14-B شادمان ٹاؤن کراچی

ختم درود شریف: ظہر سے مغرب، تلاوت قرآن، فاتحہ

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری برائے خواتین

فری ممبر شپ

فری مطالعہ

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ وطالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

ہوگا تیری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ
مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی

دوپہر تھی۔ میں مرشد کریم قلندر باباؒ کے پاس موجود تھا۔ فرمایا، خواجہ صاحب! کیسی اندھیری رات ہے؟ یک بیک نگاہوں کے سامنے سے پردہ ہٹا اور میں نے دیکھا کہ ہر سو اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔

احسن تقویم — اعلیٰ مقداریں ہیں جن کی اسپیس کائنات کی اسپیس کے برابر ہے۔ ان مقداروں میں اتنی وسعت ہے کہ نوع آدم ان کا علم حاصل کر کے فی الارض خلیفہ کے منصب پر فائز ہوسکتی ہے۔

احسن تقویم ہستیوں میں ایک نمایاں نام حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیا المعروف قلندر بابا اولیاؒ ہے۔ آپ 1898ء میں قصبہ خورجہ، ضلع بلند شہر، یوپی (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ خورجہ میں ابتدائی تعلیم کے بعد ہائی اسکول تک بلند شہر میں پڑھا پھر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ علی گڑھ میں قیام کے دوران قلندر باباؒ کے نانا حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ نے انہیں اپنے پاس روک لیا اور نو (9) سال روحانی تربیت فرمائی۔ قلندر باباؒ تقسیم ہند کے بعد کراچی آئے یہاں حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ سے ملاقات ہوئی۔

''حضرت ابو الفیض قلندر علی سہروردیؒ نے قطب ارشاد کی تعلیمات تین ہفتے میں پوری کر کے خلافت عطا فرمادی۔ پھر حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ کی روح پُرفتوح نے حضور بابا صاحبؒ کی روحانی تعلیم شروع کی اور پھر یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہ راست علم لدنّی عطا فرمایا اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمت اور نسبت کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں پیشی ہوئی اور اسرار و رموز کا علم حاصل ہوا۔'' (کتاب: تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ)

قلندر باباؒ کے مکمل نام سے مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔ حسن اخریٰ — کا خطاب بطریق اویسیہ حضور پاکؐ کی بارگاہ اقدس سے عطا ہوا ہے۔ محمد عظیم — پیدائش کے بعد رکھا گیا۔ آپ نجیب الطرفین سادات میں سے ہیں۔ برخیا — تخلص ہے، اور قلندر بابا اولیا — عرف ہے۔ مرتبہ قلندریت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے ملائکہ ارضی و سماوی اور حاملانِ عرش میں ''قلندر بابا اولیا'' کے نام سے مشہور ہیں۔

قلندر بابا اولیاؒ عمیق النظر، سلیم الطبع، سخن سنج، ادیب اور ارفع تخیل کے شاعر ہونے کے ساتھ نثر و نظم کے

استاد بھی تھے۔صحافت سے بھی وابستگی رہی۔

باطنی علوم کے بحر ذخار اور عشق و محبت کے رازدار قلندر بابا اولیاؒ کو علمِ شے حاصل ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ انسانی طبیعت میں ہر شے کا علم موجود ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی روح کے اندر روحانی انسان بھی ہے اور یہی روحانی انسان ان تمام صلاحیتوں کا حامل ہے جو نیابت کے منصب پر فائز ہونے کے لئے ضروری ہیں۔

روحانی انسان ان صلاحیتوں کا امین ہے جو اللہ تعالیٰ نے روح کو عطا کی ہیں۔ ہر فرد روح کے تابع ہے۔جسم میں روح کی موجودگی فرد کو حیات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ حیات کیا ہے؟ ابدالِ حق فرماتے ہیں،

''حیات کیا ہے ــــ؟ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں انسان اور انسان کی شکل وصورت اسی طرح موجود تھی جس طرح انسان بحالت موجودہ پیدا ہو کر بالغ خدوخال حاصل کر کے ایک عمر تک ایک خاص مظہر کی حیثیت میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اس مثال کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے کہ انسان کی ذات ایک حرکت ہے۔ وہ حرکت اللہ تعالیٰ کے حکم سے شروع ہوتی ہے۔اس حرکت کے ہزاروں اجزا ہیں اور ان اجزا میں سے ہر چیز ایک حرکت ہے۔ گویا انسان کی ذات لاشمار حرکتوں کا مجموعہ ہے۔''

اس کے بعد حرکت کی وضاحت کرتے ہوئے حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''جب انسان نے اپنی زندگی کی پہلی حرکت کی تو اس حرکت کی ابتدا کو الگ اور انتہا کو الگ مظہر بننے کا موقع ملا۔ ابتداً جو حرکت وقوع میں آئی، وہ خالقیت کی صفت کا مظہر تھی۔ وہ حرکت ابتدائی مراحل سے گزر کر تکمیل تک پہنچی۔ پہلا جزو ابتدائی حرکت اور دوسرا جزو تکمیل۔ دونوں مل کر حیات انسانی کی ایک تمثیل بنی۔اس حرکت کے فوراً بعد حیات انسانی کی دوسری حرکت شروع ہو گئی۔ پھر اس کی بھی تکمیل ہوئی۔ یہ دونوں تمثیلیں ہوئیں۔

پہلی تمثیل ایک ریکارڈ تھی اور دوسری تمثیل بھی ایک جداگانہ ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ پہلی تمثیل کا ریکارڈ اگر محفوظ نہ ہوتا تو زندگی کی پہلی حرکت جو زندگی کا ایک جزو ہے فنا ہو جاتی۔اسی طرح دوسری تمثیل کا ریکارڈ نہ رہتا تو دوسری حرکت فنا ہو جاتی۔ اگر فنائیت کا یہ سلسلہ جاری رہتا تو زندگی کی ہر حرکت جیسے ہی وقوع میں آتی ویسے ہی فنا ہو جایا کرتی۔اس طرح کسی انسان کی تمام زندگی کی نفی ہو جاتی اور پھر کسی طرح بھی ہم زندگی کو زندگی نہیں کہہ سکتے تھے۔ اس لئے یہ ضروری ہوا کہ زندگی کی ہر حرکت محفوظ رہے۔

زندگی کی ہر حرکت اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے تحت واقع ہوئی ہے یعنی صفت خالقیت کی حدود میں ظاہر ہوئی۔اس حرکت کا محفوظ رہنا اللہ تعالیٰ کی کسی ایسی صفت میں ممکن تھا جو احاطہ کر سکتی ہو اور حفاظت کی صلاحیت رکھتی ہو۔ چناں چہ یہ لازم ہو گیا کہ جو حرکت صفت خالقیت کے تحت شروع ہوئی تھی اس کی تکمیل صفت قدرت کی حدود میں ہو۔اب ہر حرکت کے لئے لازم ہو گیا کہ وہ صفت خالقیت یعنی رحمت کی حدوں میں شروع ہو اور صفت مالکیت

یعنی صفت قدرت کی حدوں میں تکمیل پذیر ہو۔اس اصول سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ رحمت اور قدرت کے سائے میں ہی حرکت وجود پا سکتی تھی۔ ان دونوں صفات کا سہارا لئے بغیر حرکت کا وجود ناممکن ہے۔اس بیان سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ زندگی رحمت اور قدرت کا مجموعہ ہے۔''

اس تحریر کو تین بار غور سے پڑھیں اور بتائیں کہ آپ کیا سمجھے زندگی کیا ہے؟

تصوف میں روحانی استاد اور سالک کی طرز فکر ایک ہونا ضروری ہے کیوں کہ یہ وہ علم ہے جو سیکھا نہیں جاتا، منتقل ہوتا ہے یعنی سالک کی حیثیت لباس بن جاتی ہے اور لباس میں حرکت مرشد کا ذہن ہے۔طرز فکر کے لئے سالک کے ذہن سے دوئی کے نقوش مغلوب کئے جاتے ہیں تا کہ وہ خیال کو من وعن قبول کرے۔اس دوران مرید سے زیادہ مرشد ایثار کرتا ہے۔

ابدالِ حق نے اپنا روحانی ورثہ منتقل کرنے کے لئے شاگردِ رشید، عظیمی صاحب کا انتخاب کیا اور دن رات 16 سال ان کے ساتھ قیام کر کے تربیت فرمائی۔قربت سے استاد کی شخصیت شاگرد کے اندر نقش ہوگئی۔

محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''دوپہر تھی۔ میں مرشد کریم قلندر باباؒ کے پاس موجود تھا۔فرمایا،خواجہ صاحب! کیسی اندھیری رات ہے؟ یک بیک نگاہوں کے سامنے سے پردہ ہٹا اور میں نے دیکھا کہ ہر سو اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔

تھوڑی دیر بعد انہوں نے فرمایا، اوہ! یہ تو دن ہے۔ میرا ذہن پیرومرشد کے ذہن میں جذب ہے لہٰذا میں نے دیکھا کہ دن کی روشنی ہر طرف پھیل چکی ہے۔''

توجیہ بیان کرتے ہوئے عظیمی صاحب نے فرمایا،

''غور کیا تو دو باتیں سمجھ میں آئیں۔ایک تو یہ کہ مرشد کریم قلندر باباؒ بیک وقت کئی عالمین میں مصروف رہتے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ جس وقت انہوں نے یہ بات کہی کہ کیسی اندھیری رات ہے، اس وقت وہ کسی ایسے عالم میں موجود ہوں جہاں رات کا وقت ہو۔ دوسری بات ذہن میں آئی کہ انہوں نے دیکھنا چاہا ہو کہ میرا یہ مرید میرا تصرف کس حد تک قبول کرتا ہے اور انہوں نے ارادتاً یہ بات کہی ہو جس کا میں نے کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔''

باطنی علوم سے واقفیت میں تصورِ شیخ کی اہمیت ہے کیوں کہ شیخ کا ذہن اللہ تعالیٰ اور اللہ کے محبوب رسول خاتم النبیین حضرت محمدؐ کی ذات اقدس میں جذب ہوتا ہے۔کامل مرشد کی طرز فکر غیر جانب دار ہوتی ہے اور مرید کو یہ طرز فکر منتقل کرنا تربیت کا مقصد ہوتا ہے۔

تربیت میں ایک بنیادی طریقہ تصورِ شیخ ہے۔

حاملِ علمِ لدنّی قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''مراقبہ ایک ایسا عمل ہے کہ اگر اس کو خلوص نیت سے اور مستقل بنیادوں پر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کہ میں انسان کے اندر ہوں، مراقبہ کرنے والا بندہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی شان

کریمی سے فیض یاب ہو جاتا ہے اور دنیاوی مصیبتیں اور دنیاوی پریشانیاں اس کے اوپر سے ختم ہو جاتی ہیں اور اس کے پاس سوائے سکون کے کچھ نہیں رہتا۔''

مرشد ــــ مرید کو دنیا سے دور نہیں کرتا، سمندر میں رہ کر ڈوبنے سے محفوظ رہنا سکھاتا ہے۔ جس طرح سمندر بے ثبات ہے، ہر آن پانی سے خشکی اور خشکی سے پانی میں ردّوبدل ہوتا ہے، اسی طرح دنیا بھی پایندہ نہیں۔ ایک روز دنیا کی بے ثباتی کا ذکر ہو رہا تھا کہ ابدالِ حق نے شاگردِ رشید سے فرمایا،

''خواجہ صاحب! اس دنیا سے جب بھی کوئی جاتا ہے تو کچھ بھی ساتھ نہیں لے جاتا۔ وہاں جو چیز ساتھ جاتی ہے وہ خوشی ہے۔ اگر آپ اس دنیا میں خوش ہیں تو وہاں بھی خوشی آپ کا استقبال کرے گی۔ خوشی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب آدمی ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرے۔ جو حاصل ہے اس پر صبر و شکر کے ساتھ قناعت کرے اور جو چیز میسر نہیں اس کا شکوہ نہ کرے۔ اللہ کی نعمتوں کے حصول کے لئے بھرپور جدوجہد کرے۔ ہر حالت میں خوش رہنے سے بندہ راضی برضا ہو جاتا ہے۔''

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ فرماتے ہیں کہ جب تربیت کے دوران شعور کی مزاحمت اس حد تک بڑھی کہ تکلیف کا احساس نہ رہا تو پیرومرشد نے ایک دن بٹھا کر فرمایا،

''یاد رکھئے! انسان کی تخلیق کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے وہ فطرت خود مختار نہیں ہے۔ انسان کی ساخت ہی اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ یہ پابند ہو کر زندگی گزارے لہٰذا ضروری ہے کہ خود مختار زندگی سے آپ کنارہ کش ہو جائیں اور اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیں۔ آپ کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ آپ کسی کو اپنا بنالیں۔ آپ کے اندر یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے کہ آپ دوسرے کے بن جائیں۔ یہ بات اتنی گہری تھی اور ہے کہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ بہت غور کرنے کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ تعالیٰ! مجھے خود مختار زندگی سے نجات عطا فرمادے اور پابند زندگی عطا کر دے۔''

معرفت کے امین قلندر بابا اولیاؒ نرم دل اور انسان دوست ہستی ہیں۔ ایک صاحب نے انہیں سویٹر تحفے میں پیش کیا۔ سویٹر ان کی جسامت سے دگنا تھا۔ عظیمی صاحب نے مرشد کریم قلندر باباؒ کی طرف دیکھا تو انہوں نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ صاحب چلے گئے تو شاگردِ خاص سے فرمایا،

''خواجہ صاحب! ان صاحب کے ذہن میں جو میرا امیج تھا وہ اس امیج کے مطابق سویٹر لے آئے۔ اگر آپ کچھ کہہ دیتے تو ان کا دل ٹوٹ جاتا۔ اب جب کہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا ہے تب بھی ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ یہ سویٹر میری جسامت کے لحاظ سے بڑا ہے۔ وہ اسی امیج کے زیر اثر رہے۔ کبھی ان کے ذہن میں یہ بات آئے گی بھی نہیں۔''

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کے عزیز دوستوں میں ایک نام سید نثار علی بخاری صاحب کا ہے۔ نثار صاحب

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ناگواری پیدا ہوئی اور تیس روز تک ملاقات نہ ہوسکی۔ عیدالفطر آئی تو میں مکان پر حاضر ہوا۔ قلندر باباؒ مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہوگئے اور گرمجوشی سے گلے مل کر اس قدر روئے کہ چہرہ آنسوؤں سے تر ہوگیا۔ میرے اندر بھی گداز کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی کہ آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی بندھ گئی۔ ہماری دوستی پہلے سے بھی زیادہ استوار ہوگئی۔

حضرت سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف قلندر بابا اولیاؒ نے آفاقی وارضی قوانین کو صنفِ سخن میں بھی بیان کیا ہے۔

رباعیات میں سے چند پیش خدمت ہیں،

ہے ظرف مکاں ظرف زماں اے ساقی
ہر نقش ہوا میں ہے یہاں اے ساقی
یہ جام یہ شیشہ یہ قدح یہ مینا
یہ سب ہیں مگر یہ ہیں کہاں اے ساقی

ہے زیرِ زمیں بھی شہر کی آبادی
مٹی کے صنم سے ہے وہاں آزادی
ہے موت کا سایہ بھی وہاں پر ممنوع
ممکن ہی نہیں حیات کی بربادی

جو ہونا ہے بیجا کہ بجا ہونا ہے
اس غم میں فضول مبتلا ہونا ہے
اندھیر ہے دن کی روشنی میں اتنا
معلوم نہیں کہ دم میں کیا ہونا ہے

نثار صاحب فرماتے ہیں کہ قلندر بابا اولیاؒ نے جو کلام ہندوستان میں لکھا وہ ان کے ننھیالی گھر میں لکڑی کے صندوق میں رکھا ہوا تھا۔ تقسیم سے کچھ دن پہلے وہ کانپور گئے، کانپور سے بمبئی اور وہاں سے پاکستان آگئے تو وہ تمام ذخیرہ وہیں تباہ ہوگیا۔ اس کلام میں سے یاد رہ جانے والے اشعار میں سے چند یہ ہیں،

ہائے اس رنگین چہرے کا نظام
بت کدے کی صبح میخانے کی شام
چاندنی تیری کلائی کی بہار
چاندنی تیری کف سیمیں کا جام

ہوگا تیری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ
مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی

ابدالِ حق کو اونچی آواز میں بات سخت ناپسند تھی۔ فرماتے تھے، ''ارے بھئی، آہستہ بولا کرو۔ بلاوجہ کیا بلڈ پریشر ہائی کرنا!''۔ کوئی کہتا کہ عادت ہوگئی ہے تو وہ فرماتے، ''کیا عادت بن گئی ہے؟ بنالی ہے، صحیح کرلو۔''

قلندر بابا اولیاؒ کی نصیحت ہے،

''آواز کمرے سے باہر نہیں جانی چاہئے۔''

حضور قلندر باباؒ چیزیں ترتیب سے مقررہ جگہ پر رکھتے تھے۔ جوتے اتارنے کے بعد جھاڑ کر برابر رکھتے، جوتے غیر متوازن رکھنا پسند نہیں تھا۔ یہ بھی فرماتے تھے،

''کسی کے راز یا خامی سے واقف ہوجائیں تو بیان نہ کریں اور نہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔''

باباصاحبؒ کا قول ہے،

''آدمی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک انسان ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو لوگوں کو تنگ کرتے ہیں۔ تنگ کرنے والے سینگ مارتے ہیں جیسے بیل خواہ مخواہ سینگ مارتا ہے۔ اپنی غرض سے غرض رکھو۔ کسی کے کام میں دخل مت دو۔ کسی پر مسلط ہونے کی کوشش مت کرو اور نہ ٹوہ میں لگو کہ کوئی کیا کر رہا ہے۔''

وصال سے قبل شاگردِ رشید عظیمی صاحب سے فرمایا،

''ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ فقیر کی ذات چمار ہوتی ہے اور چمار پر آسمان سے بیگار اترتی ہے۔''

جس روز انتقال ہوا، تین گھنٹے قبل عظیمی صاحب سے فرمایا ''مجھ سے مصافحہ کرو۔'' اس سے پہلے کبھی کسی سے یہ بات نہیں فرمائی تھی۔

27 جنوری 1979ء کو وصال ہوا۔

اللہ کے دوستوں کا فیض، ان کے ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ سلسلہ عظیمیہ ابدالِ حق قلندر باباؒ اولیاؒ کا لگایا ہوا باغ ہے جس کے پھول عظیمی صاحب نے اپنے مرشد کریم کی مہک کو گھر گھر پھیلایا ہے۔

ان کی نسبت بھی ہے، نام بھی، افکار بھی عظیم
گفتار بھی، اخلاق بھی، کردار بھی عظیم
روشن روشن راہوں والی سرکار بھی عظیم
شمس ہمارے رہبر ہیں، دربار بھی عظیم

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روحانی علوم کے وارث ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ ــــ انسان کو محض روٹی کپڑے کے حصول اور آسائش و زیبائش کے لئے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اس کی زندگی کا اولین مقصد یہ ہے کہ وہ خود کو پہچانے، رحمۃ للعالمینؐ کا قلبی اور باطنی تعارف حاصل کرے جن کے جود و کرم اور رحمت سے ہم ایک خوش نصیب قوم ہیں اور جن کی تعلیمات سے انحراف کے نتیجے میں ہم دنیا کی بدنصیب اور بدترین قوم بن چکے ہیں۔

سلسلۂ عظیمیہ کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں۔

۱۔ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو کر دین کی خدمت کرنا۔

۲۔ رسول اللہؐ کی تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل کر کے آپؐ کے روحانی مشن کو فروغ دینا۔

۳۔ مخلوقِ خدا کی خدمت کرنا۔

۴۔ علم دین کے ساتھ ساتھ لوگوں کو روحانی اور سائنسی علوم حاصل کرنے کی ترغیب دینا۔

۵۔ لوگوں کے اندر ایسی طرز فکر پیدا کرنا جس کے ذریعے وہ روح اور اپنے اندر روحانی صلاحیتوں سے باخبر ہو جائیں۔

۶۔ تمام نوع انسانی کو اپنی برادری سمجھنا۔ بلاتفریق مذہب و ملت ہر شخص کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور حتی المقدوران کے ساتھ ہمدردی کرنا۔

حامد ابراہیم

روپ بہروپ

وہ ایک خیال میں بے خیال دیکھتا ہے کہ ہر طرف گھپ اندھیرا اور خلا ہے۔ پھر خیالات غائب ہو گئے۔ اندھیرے میں اس کا وجود محض شاہد (observer) کا ہے۔ اچانک نقطہ نمودار ہوتا ہے۔ غور سے دیکھنے پر محقق کو معلوم ہوا نقطہ دراصل کروی شکل کا قطرہ (پانی) ہے جو خلا میں معلق ہے۔

امام سلسلہ عظیمیہ ابدالِ حق حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیا المعروف حضور قلندر بابا اولیاؒ نے اپنی تصنیف ''لوح وقلم'' میں تحریر فرمایا ہے،

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب یہ سوال کیا گیا کہ اس کائنات سے پہلے کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا،

'امعاء'

سوال کیا گیا۔

اس کے بعد کیا ہوا؟

ارشاد ہوا، 'ماء'۔

'امعاء' عربی اصطلاح میں ایسی منفیت کو کہتے ہیں جو عقل انسانی میں نہ آسکے اور 'ماء' عربی میں 'مثبیت' کو کہتے ہیں جو کائنات کی بنیادیں ہیں۔''

احسن الخالقین اللہ تعالیٰ نے نوع آدم کو تخلیق کی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ فرد ذہنی سطح کے مطابق تخلیق کرتا ہے۔ جیسے نوع آدم روحانی صلاحیت بروئے کار لاکر روشنیوں میں تصرف کر کے تخلیق کرتی ہے اور مادیت کے تابع رہ کر بھی چیزیں تخلیق ہوتی ہیں۔ ہر دور میں روحانی معراج اور مادی ارتقا اس کی مثال ہے۔

اولیائے کرام نے ہر عہد میں اللہ کی مخلوق کے لئے آسانیاں پیدا کی ہیں اور علم کی نئی جہتوں سے متعارف کرایا ہے۔ کرامات کے پس پردہ معین مقداروں کے قوانین ہیں جو کائنات کی اساس ہیں۔ دوسری طرف مادی محققین نے اپنی سطح پر ایجادات کیں جس کا مظاہرہ موجودہ دور ہے۔

ہوائی جہاز 1903ء میں ایجاد ہوا۔ اس ضمن میں صدیوں پہلے کوشش شروع ہوئی اور وقت کے ساتھ ابتدائی اور سطحی نوعیت کے اڑنے والے ڈھانچے میں بتدریج بہتری لائی گئی حتیٰ کہ پہلی جنگ عظیم میں ہوائی جہاز جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال ہوئے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران کوششیں تیز ہوئیں کہ کسی طرح ہوائی جہاز کی رفتار، آواز کی رفتار سے زیادہ ہو جائے۔ امریکی

فضائیہ نے 1945ء میں اس کا ڈیزائن تیار کیا اور عملی جامہ پہنانے میں کام یاب ہوئے اور 1948ء میں Bell X-1 نامی جہاز نے ایک ہزار میل فی گھنٹے کی رفتار سے کام یاب پرواز کی۔ واضح رہے کہ محققین آواز کی رفتار 767 میل فی گھنٹا بتاتے ہیں۔

پھر اس خیال کی داغ بیل پڑی کہ مسافروں کے لئے آواز کی رفتار سے تیز طیارے موجود ہوں تاکہ بین البراعظمی فاصلے کم سے کم وقت میں طے ہوں۔ چناں چہ 1950ء کے اوائل میں منصوبے کا آغاز ہوا۔ فرانس اور برطانیہ کے باہمی تعاون اور تحقیق کے نتیجے میں کنکورڈ (Concorde) نامی طیارے وجود میں آئے۔ 1969ء میں کنکورڈ نے پہلی آزمائشی پرواز کام یابی سے طے کی، اس کی رفتار آواز سے زیادہ تھی۔

1976ء سے باقاعدہ طور پر برطانیہ اور فرانس سے امریکا تک مسافر بردار پروازوں کا آغاز ہوا۔ چند جان لیوا حادثات، انتہائی مہنگے سفر اور ہمہ وقت موجود تکنیکی خدشات کے باعث کنکورڈ منصوبے کو 2003ء میں ختم کر دیا گیا۔ بچے کچے کنکورڈ طیارے عجائب گھروں کی زینت ہیں۔

اس وقت دفاعی اور تحقیقی مقاصد کے لئے سپر سانک طیارے زیر استعمال ہیں جن کو مزید بہتر بنایا جا رہا ہے۔ جن طیاروں کی رفتار آواز کی رفتار سے کم از کم پانچ گنا زیادہ ہے وہ ہائپر سانک طیارے کہلاتے ہیں۔ یہ ابھی تجرباتی مراحل میں ہیں۔ امریکا، روس، چین، برطانیہ اور فرانس اس ٹیکنالوجی میں پیش پیش ہیں۔ خصوصاً امریکا کے طیارے لاک ہیڈ SR-71 بلیک برڈ، اور لاک ہیڈ مارٹن F-35 نمایاں ہیں۔

یہ ہوائی جہازوں کی صنعت میں جدت اور صلاحیت کے زیادہ سے زیادہ حصول کا مختصر احوال ہے۔

1903ء سے لے کر اب تک طیارہ سازی کی صنعت کے کچھ عرصے (time line) میں ہم تمام اہم پیش رفت اور واقعات کو مختصراً بیان کرتے ہیں۔

یہ 1945ء ہے۔ امریکی فضائیہ نے پہلے سپر سانک طیارے کو خیال سے وجود میں لانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ محققین اور انجینیئروں کی ٹیم تمام پہلوؤں اور رکاوٹوں کا جائزہ لے رہی ہے۔ تین محققین آواز کی رفتار سے تیز ہونے پر طیارے کو درپیش ہوا کی رگڑ، مزاحمت اور حدت کو کم سے کم کرنے کے مفید اور ممکن ڈیزائن بنانے کی کوشش میں ہیں۔

رات کا وقت ہے۔ محقق الف خوب صورت پُرفضا پہاڑی مقام پر بنی قیام گاہ میں موجود ہے۔ آسمان صاف اور جھلمل ستاروں سے سجا ہوا ہے۔ موسم میں قدرے خنکی ہے لیکن خوش گوار احساس غالب ہے۔ محقق الف تمام تر ذہنی وسعت اور صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے تفکر کی تصویر بنا ہوا ہے۔ سوچ بچار کے دوران آنکھیں بند ہوتی ہیں یا کھلی رہتی ہیں۔ ایسے میں

پتھر کی ہموار سل پر پُرسکون نشست میں بیٹھے محقق کی ذہنی مرکزیت ہوائی جہاز کے قابلِ عمل سپر سانک ڈیزائن پر ہے۔

وہ ایک خیال میں بے خیال دیکھتا ہے کہ ہر طرف گھپ اندھیرا اور خلا ہے۔ پھر خیالات غائب ہو گئے۔ اندھیرے میں اس کا وجود محض شاہد (observer) کا ہے۔ اچانک نقطہ نمودار ہوتا ہے۔ غور سے دیکھنے پر محقق کو معلوم ہوا کہ نقطہ دراصل کروی شکل کا قطرہ (پانی) ہے جو خلا میں معلق ہے۔ قطرہ اپنے حجم میں پھیل کر فٹ بال کے سائز کا ہو جاتا ہے۔ سیال (قطرہ) کا یہ کروی حجم اب بیضوی شکل میں تبدیل ہوتا ہے۔ یہ تبدیلی بتدریج اس طرح واقع ہوتی ہے کہ ایک سرے سے سیال لمبی اور نوک دار صورت اختیار کر لیتا ہے۔

محقق الف کے ذہن میں خیال وارد ہوتا ہے کہ پانی یا سیال وہ شے ہے جس میں ہر طرح کی شکل اور ہیئت اختیار کرنے کی صلاحیت ہے۔ خلا میں معلق بیضوی سیال کی شکل مسلسل تبدیل ہو رہی ہے۔ اطراف سے دو متوازی لیکن مخالف سمت میں پَر نما ساخت نمودار ہوتی ہیں۔ پچھلے حصے سے دو اسی طرح کے متوازی اور مخالف لیکن سائز میں نسبتاً چھوٹے پَر، اور اوپر کی طرف عمودی پَر (rudder) یعنی ہوائی جہاز کی شکل بن جاتی ہے۔

منظر تبدیل ہوتا ہے۔ جہاز فضا میں محوِ پرواز ہے۔ ہوا سفید دھوئیں کی طرح نظر آتی ہے اور جہاز کے مختلف حصوں سے ٹکرا کر پیچھے جاتی ہے۔ اسی لمحے جہاز کے سامنے کے حصے (cockpit)، درمیانی لمبے حصے (fuselage)، پچھلے اور آگے پروں میں معمولی مگر واضح تبدیلی ہوتی ہے۔ نتیجے میں جہاز سے ہوا کی رگڑ اور دباؤ بہت کم ہو جاتا ہے۔

محقق الف کا شعور بیدار ہے اس لئے یہ عمل اس کے حافظے میں ذہنی وسعت کے مطابق نقش ہو رہا ہے۔ جہاز کے پچھلے پروں اور دم کے عین نیچے ایک سوراخ نمودار ہوتا ہے، اس میں سے انتہائی گرم اور تیز رفتار گیسیں شعلے کی صورت میں نکلتی ہیں — یہ جہاز میں راکٹ انجن کے نصب ہونے کی تصویر کشی ہے۔

پھر محقق تصور میں جہاز کی پرواز کے دوران ہر طرف سے اس کا جائزہ لیتا ہے ، ہوائی حرکیات (aerodynamics) کی جہاز کے ڈیزائن سے مطابقت کا مطالعہ کرتا ہے اور آنکھیں کھول دیتا ہے ۔ چہرے پر مسرت اور آنکھوں میں چمک ہے ۔ وہ یہ سب کاغذ پر منتقل کرتا ہے ۔ تصاویر اور خاکوں سے جہاز کی شکل و ہیئت واضح ہوتی ہے ۔ ماڈلز بنا کر انہیں تیز رفتار ہوا کی سرنگ (wind tunnel) میں رکھا جاتا ہے ۔ نقائص دور کر کے بالآخر جہاز بنانے پر کام ہوتا ہے ۔ اس طرح 1947ء میں پہلی کام یاب پرواز کا تجربہ کر کے سپرسانک طیارہ سازی کا نیا شعبہ قائم ہوتا ہے ۔

آپ نے ماضی کی تمثیل (analogy) حال میں پڑھی ۔ یہ تمثیل باقاعدہ جہاز سازی کی صنعت کی بنیاد ہے ۔ سمجھنے سمجھانے کے لئے واقعاتی شکل میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

کائناتی حقیقت ہے کہ جب تک انہماک اور ارتکاز کی مطلوبہ مقداروں کے ساتھ تصور قائم نہیں ہوتا ، شے کی تخلیق یا ایجاد کا عمل نامکمل ہے ۔ آج جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس سپرسانک اور ہائپرسانک طیاروں کی صنعت میں یہی اصول کارفرما ہے ۔ تصور کی لامحدود دنیا سے معلومات کشید ہو کر کاغذ ، کمپیوٹر اور ماڈل سے ہوتی ہوئی بالآخر مظاہرہ بن جاتی ہیں ۔

دلچسپ نکتہ: 1945ء کے برعکس آج کل چیزوں کی ایجاد و تخلیق میں کمپیوٹر نظام اور سافٹ ویئرز کی مدد موجود ہے ۔ جن سافٹ ویئرز میں پیچیدہ مشینوں سے لے کر سادہ نوعیت کی اشیا کے ڈیزائن اور ماڈل بنائے جاتے ہیں وہ 3D ماڈلنگ سافٹ ویئرز کہلاتے ہیں ۔ یہ فن مصوری کی جدید کمپیوٹرائزڈ شکل ہے ۔ کاغذ اور کینوس کے بجائے کمپیوٹر اسکرین ، ڈیجیٹل قلم اور حساس سطحوں کا استعمال کیا جاتا ہے ۔

3D ماڈلنگ سافٹ ویئرز میں مصوری کا طریقہ کیا ہے؟ یہ سافٹ ویئرز مصور یا محقق کو virtual خلا مہیا کرتے ہیں جن میں شے کی ابتدا رنگین شکل و صورت میں ڈھلنے والے سیال یا مائع سے ہوتی ہے ۔ سافٹ ویئر میں اوپر بیان کی گئی تمثیل کی طرح اس سیال کو کسی شکل و صورت میں ڈھالا جائے تو وہ ٹھوس جسم کی طرح قائم رہتی ہے ۔ سافٹ ویئر میں سیال کی حالت سے پہلے شے کے حدود اربع کو نقطوں سے ظاہر کیا جاتا ہے ۔ نقطوں کے درمیانی خلا کو virtual مائع سے بھر کر مطلوبہ شکل و صورت میں ڈھالا جاتا ہے ۔ جب تسلی بخش تفصیلات کی حد تک کام مکمل ہوتا ہے تو اس شے کو مادی صورت دینے کے لئے یا تو اسے 3D پرنٹر میں مادی قالب میں پرنٹ کرتے ہیں یا دوسرے مطلوبہ مواد کی مدد سے وہ شے بنائی جاتی ہے ۔

شے کی تخلیق میں ، خواہ وہ تصور سے کاغذ ، پنسل یا کمپیوٹر سافٹ ویئرز سے ہو کر مادی وجود تک پہنچے ، ایک حالت مشترک اور لازم ہے ۔ یہ حالت مائع ،

سیال یا دوسرے لفظوں میں پانی کی ہے۔

قرآن کریم میں پانی کو تخلیق کے لئے بنیاد قرار دینے میں حکمت واضح ہے کہ پانی (ماء) کسی مخصوص فارمولے کے مرکب کا نام نہیں بلکہ ایسا تشخص ہے جس میں پھیلاؤ کی لامحدود وسعت اور تخلیق کے لئے درکار معین مقداریں موجود ہیں۔

''اللہ وہی ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے سے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے پھل پیدا کئے۔ جس نے کشتی کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لئے مسخر کیا۔'' (ابراھیم: ۳۲)

وضاحت ہوتی ہے کہ اللہ نے قرآنی تعلیمات کے اسرار کو سمجھنے کے لئے لامحدود وسعت عطا فرمائی ہے۔

''ہم نے اس قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا۔ ہے کوئی سمجھنے والا؟'' (القمر: ۱۷)

جان داروں کی تخلیق میں اسپرم اور بیضہ کیا ہیں؟ پانی کی مختلف صورتیں ہیں۔ نباتات کی تخلیق بھی اسی طرز پر ہے اور جمادات میں پتھر اور دھات کی بھی۔ یہ پتھر کس طرح وجود میں آئے؟ ابلتے گرم سیال نے تہ در تہ جم کر چٹانوں کی شکل اختیار کی یا کروی اور بیضوی صورت میں جمنے سے پتھر تخلیق ہوئے۔ دھات بظاہر ٹھوس اور سخت ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ مائع (پانی) کی جمی ہوئی حالت ہے جو شدید حرارت مہیا ہونے پر اصل شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

کائنات میں موجود کسی بھی شے کی تخلیق کی ابتدائی حالت مائع (پانی) ہے جس میں بہاؤ ہے۔ پانی ہر شے میں تحلیل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

آج کے جدید ترین 3D ماڈلنگ، 3D پرنٹنگ سافٹ ویئر اور سپر کمپیوٹروں کی ممکنہ سکت سے یہ روز روشن کی طرح واضح ہے کہ تخلیق کی ابتدا ہمیشہ مائع (پانی) کی صورت سے ہوتی ہے۔

یعنی کسی بھی شے کی تخلیق سے پہلے اس شے کی ترکیب سے متعلق مقداریں ایسی حالت میں موجود ہوں کہ ان میں بہاؤ ہو اور مطلوبہ صورت میں ڈھل جانے کی صلاحیت ہو۔ ایسی حالت کو پانی یا سیال کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔

سمجھنا ضروری ہے کہ ہر وہ عمل جس میں بہاؤ ہے، تخلیق سے متعلق مقداریں ہیں، حرکت ہے، کسی بھی شکل یا قالب میں ڈھلنے کی لامحدود صلاحیت ہے — وہ ماء (پانی) ہے۔ ماء — روشنیوں کے بہاؤ، گیسوں یا مائع کی صورت میں بھی ہوتا ہے۔

جدید طبیعیات میں گیسوں اور مائعات دونوں کو سیال (fluid) حالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ گیسیں قدرے لطیف ہیں۔ گیسوں سے اوپر روشنی کے سیال مزید لطیف ہیں۔ راقم الحروف کی فہم کے مطابق قرآن کریم سے واضح ہوتا ہے کہ خالق کائنات

اللہ تعالیٰ جس پانی کو تخلیق کی بنیاد قرار دیتے ہیں وہ معین مقداروں پر مشتمل سیال (fluid) ہے۔

''پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے معین مقداروں سے تخلیق کیا اور ان مقداروں کی ہدایت بخشی۔'' (الاعلیٰ: ۱-۳)

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں:

''کائنات کی ساخت میں بساطِ اوّل وہ روشنی ہے جس کو قرآن کریم نے ماء (پانی) کے نام سے یاد کیا ہے۔ موجودہ سائنس میں اس کو گیسوں (gases) کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان ہی صدہا گیسوں کے اجتماع سے اولاً جو مرکب بنا ہے اس کو پارہ یا پارے کی مختلف شکلیں بطور مظہر پیش کرتی ہیں۔ ان مرکبات کی بہت سی ترکیبوں سے مادّی اجسام کی ساخت عمل میں آتی ہے اور ان ہی مادی اجسام کو موالید ثلاثہ یعنی حیوانات، نباتات اور جمادات کہتے ہیں۔ تصوف کی زبان میں ان گیسوں میں سے ہر گیس کی ابتدائی شکل کا نام نسمہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں نسمہ حرکت کی ان بنیادی شعاعوں کے مجموعے کا نام ہے جو مادی وجود کی ابتدا کرتی ہیں۔''

ماء — اللہ تعالیٰ کی لامحدود صفات کا مجموعہ ہے۔ ماء (پانی) سے جب تخلیق کی مقداریں مخلوقات کی نوعیت کے اعتبار سے الگ ہوتی ہیں تو نسمہ کہلاتی ہیں۔ گویا نسمہ ماء کی ایسی صورت ہے جس میں ہر نوع کی معین مقداریں ہیں۔

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ فرماتے ہیں۔

''پانی کیا ہے، بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ ماء۔ base۔ ہر چیز کی بنیاد پانی ہے۔ ہر چیز پانی سے ہے۔ پانی نہ ملے مرجائیں گے۔ اب پانی کیا ہے؟ پانی میں مقداریں ہیں۔ مقداریں روشنی ہیں۔ روشنی نور ہے۔ نور کیا ہے؟ اللہ کا حکم ہے۔ اللہ کا حکم — اللہ کا ذہن ہے۔ اللہ بارش برساتا ہے۔ خواہش ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں۔ اللہ کی محبت ہے کہ کوئی چیز اپنے کام سے نہیں رکتی۔ دل پھیپھڑے سب اپنے وقت پر کام کر رہے ہیں۔ ذرا سی گڑبڑ ہو جائے تو —؟ سب مقداریں ہیں۔''

ہر دور میں سردی سے بچنے کے لئے مختلف طریقے اپنائے گئے ہیں۔ پہلے وقتوں کا ذکر ہے — سردیوں کے دن تھے۔ ماں نے بیٹے سے کہا، ٹھنڈ زیادہ ہے، ایسا کرو بالٹی میں گرم پانی لے کر کمرے میں رکھ دو تاکہ اس کی بھاپ سے کمرے کا درجۂ حرارت بہتر ہو جائے۔ بیٹے نے ایسا ہی کیا۔ جب پانی رکھنے کا مقصد پورا ہوا اور پانی ٹھنڈا ہو گیا تو بیٹے نے وہ پانی صحن میں گرا دیا۔ عقب سے ماں کی آواز آئی — سوچو! جو پانی تم نے ضائع کیا، کیا تم اس سے صحن میں موجود پودوں کو پانی نہیں دے سکتے تھے —؟ چیزوں کو استعمال کے بعد ضائع کرنے کے بجائے ان کا بہترین مصرف تلاش کرو۔ استعمال کے بعد بھی شے کا مصرف موجود ہوتا ہے کیوں کہ شے جس حالت میں ہو بے مقصد نہیں۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

پیراسائیکالوجی سے مسائل کا حل

گھر آباد رہے

سفینہ الٰہی (گھوٹکی): شادی کے بعد شوہر کے رویے سے اندازہ ہوا کہ وہ کسی اور خاتون کو پسند کرتے تھے لیکن گھر والے وہاں شادی پر رضامند نہیں تھے۔ گھر والوں کے آگے مجبور ہوکر انہوں نے مجھ سے شادی کی۔ ساس سسر نے سمجھا کہ شادی کے بعد بیٹا اسے بھول جائے گا لیکن انہوں نے تعلق ختم نہیں کیا۔ مجھے معلوم ہوا تو میں نے شوہر سے کہا کہ آپ نے رضامندی سے مجھ سے شادی کی ہے، اب اس خاتون کا خیال مناسب نہیں لیکن انہوں نے بے حسی سے جواب دیا کہ تمہیں چھوڑ سکتا ہوں، اس کو نہیں۔ گھر والوں نے عاملوں سے رجوع کیا، سب نے کہا کہ جادو ہے، توڑ کے لئے خرچہ کرنا ہوگا۔ کسی نے پانچ ہزار مانگے اور کسی نے دس ہزار لیکن معاملہ بگڑتا گیا۔ شوہر اب گھر نہیں آتے۔ شادی کے بعد سے میں نے کوئی خوشی نہیں دیکھی۔ اذیت میں مبتلا ہوں۔ اللہ کے لئے کوئی عمل بتائیں کہ میرا گھر ہنسی خوشی آباد رہے۔

جواب: شوہر کی کسی فوٹو کا نیگیٹو لیں اور بڑے سائز کی تصویر بنوالیں، جتنی بڑی ہوسکے۔ رات کو دو بجے اٹھ کر دو رکعت نفل پڑھیں اور دعا کریں۔ اس کے بعد فوٹو کے اوپر دس (10) منٹ تک پنسل سے کراس (x) بنائیں اور اسے لکڑی کے دو تختوں کے درمیان رکھ کر تختے کے اوپر تقریباً دو سیر وزنی پتھر رکھ دیں۔ فوٹو چوبیس (24) گھنٹے اسی طرح رکھیں۔ عمل کی مدت تین ہفتے ہے۔ رات کو اٹھنے کے لئے دو بجے کے وقت کی پابندی ضروری ہے۔

آخری تصویر

شاہ زیب خان (کراچی): عمر 21 سال ہے اور کالج کے آخری سال میں ہوں۔ میرے اعصاب کم زور ہیں۔ جلد گھبرا جاتا ہوں اور کوئی فیصلہ نہیں لے سکتا۔ کسی پل چین نہیں ہے۔ وسوسوں کا دباؤ اتنا زیادہ ہے کہ ذہن شیطانی خیالات کی آماج گاہ بن گیا ہے۔ عدم یکسوئی نے پڑھائی سے بیزار کردیا ہے۔ میں اب اس زندگی سے تھک گیا ہوں۔ میری مدد کریں۔

جواب: دس سال کی عمر کی کوئی تصویر ہوگی، اسے فریم کروالیں۔ دوسری تصویر 15 سال اور تیسری تصویر 21 سال کی عمر کی فریم کروالیں۔ رات کو سونے سے پہلے ان تصویروں کو دیکھیں۔ پہلے 21 سال کی تصویر کو دیکھیں، پھر 15 سال اور آخر میں 10 سال کی عمر کی تصویر دیکھیں۔ دیکھنے کا دورانیہ اس طرح سے ہے

کہ پانچ منٹ 21 سال کی عمر کی تصویر، پانچ منٹ 15 سال کی اور 10 منٹ 10 سال کی عمر کی تصویر دیکھیں۔ پھر آخری تصویر کا تصور کرتے ہوئے سو جائیں۔ عمل چالیس روز کرنا ہے۔ تعطل نہیں آنا چاہئے۔

خوب صورت آواز

صارم حنیف (فیصل آباد): دوست کے توسط سے آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ اس یقین کے ساتھ کہ آپ اللہ کے حکم سے مجھے تکلیف سے نجات دلائیں گے۔ میری آواز کوّے جیسی ہے۔ حلق کے بجائے ناک سے نکلتی ہے۔ سب تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں۔ کوشش کرتا ہوں کہ کم سے کم بات کروں لیکن جب بولتا ہوں تو اجنبی بھی متوجہ ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ مجھے نزلہ ہے۔ خود تک محدود ہو گیا ہوں۔ اپنی آواز سننے کا دل نہیں چاہتا۔ مجھ پر اتنی گراں گزرتی ہے تو مقابل کو کیسے اچھی لگے گی۔ کیا میری آواز اچھی نہیں ہو سکتی؟

جواب: کمہار سے مٹکا خرید لیں۔ مٹکے کے منہ میں سر ڈال کر اونچی آواز سے لَے میں سورہ کوثر کی تلاوت کریں۔ صبح شام 90 دن تک عمل کرنا ہے۔ اللہ کے فضل سے آپ کی آواز ٹھیک ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ عصر کی نماز کے بعد آٹے کا حلوہ گھر میں پکا کر گرم گرم کھائیں اور رات کو سوتے وقت نیم گرم نمکین پانی سے غرارے کریں۔

سدھ بدھ

رفیق عالم (مسقط): میں شادی شدہ ہوں۔ دو بچے ہیں جو نویں اور دسویں میں پڑھتے ہیں۔ محترم عظیمی صاحب! اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ میں کسی اور کے عشق میں گرفتار ہوں۔ سدھ بدھ ختم ہو گئی اور عشق نے مجھے رسوا کر دیا۔ بیوی بچوں نے چھوڑ دیا ہے۔ وہ اب مجھ سے تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔ مگر جس کے لئے میں نے اپنا گھر خراب کیا، اس نے مجھے مفارقت دے دی اور میں کہیں کا نہ رہا۔ جتنا بھولنے کی کوشش کرتا ہوں، یاد میں شدت بڑھ جاتی ہے۔ دل اسی کی تمنا کرتا ہے۔ ایسا راستہ بتائیں کہ میں پُرسکون ہو جاؤں۔

جواب: رات آدھی گزر جائے تو 300 مرتبہ ''والقت مافیھا وتخلت'' پڑھیں اور آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائیں۔ اپنے اندر جھانکیں۔ وہاں آپ کو آپ خود نظر آئیں گے۔ قانون یہ ہے کہ ہر مرد کے اندر ایک عورت ہے اور ہر عورت کے اندر ایک مرد ہے۔ اندر کا مرد یا اندر کی عورت ہی کشش کا ذریعہ ہے۔ آپ کے اندر کی عورت بے سکون ہے۔ جب اسے سکون مل جائے گا، آپ کی حالت نارمل ہو جائے گی۔ اس مراقبہ سے بے سکونی کی کیفیت ختم ہو جائے گی۔ اچھے مصور سے اپنی بڑی تصویر پر خوب صورت رنگ بھروائیں اس طرح کہ تصویر میں نزاکت آ جائے۔ یہ تصویر دن رات تین چار مرتبہ دس دس منٹ تک دیکھیں۔

لباس پر لباس

محمد سعد (سکھر): میرا معدہ اور جگر کم زور ہے۔

ہتھیلیوں میں بہت پسینہ آتا ہے۔ گردے میں پتھری بھی ہے۔ باقاعدگی سے مراقبہ کرتا ہوں۔ اس سے پہلے مراقبے کی کیفیات اچھی تھیں لیکن اب شدید گھبراہٹ ہوتی ہے۔ چلتا ہوں تو چکر آتے ہیں، مایوسی طاری رہتی ہے۔ خوش شکل ہوں پر جب سے طبیعت خراب رہنے لگی ہے، چہرے پر خوشی کی جگہ بیماری نے لے لی ہے۔ مجھے ٹیلی پیتھی سیکھنے کا بھی شوق ہے۔

جواب: اپنے لئے کرتا سلوائیں جو سر سے پیر تک لمبا ہو یعنی آپ برقعے کی طرح اوڑھ لیں۔ اس برقعے میں آنکھوں کی جگہ آنکھ اور کانوں کی جگہ کان بنائیں۔ آپ کے کان اور آنکھ، برقعے کی آنکھ اور کان کے اندر آجائیں۔ ناک کی جگہ ناک بنائیں۔ ناک کے سوراخ کھلے ہوں تاکہ سانس لینے میں آسانی ہو۔ موزے کی طرح ہاتھ ہوں، دستانے کی طرح انگلیاں اور انگوٹھا بنا ہوا ہو۔ کمر کے اوپر کپڑے میں کولہوں کی جگہ سے ابھار ہو اور ٹانگوں کی طرح برقعے کی شلوار بنائی جائے۔ پیر موزے کی طرح ہوں۔ کرتا پاجامہ نما برقع پہن کر رات کو گھر میں چھت پر اکیلے جائیں اور ٹہلیں۔ ٹہلنے کے دوران سورہ مومنون کی آیت 12 سے 14 کا ورد کریں۔ الارم لگا کر 15 سے 20 منٹ ٹہلیں اور آیت کا ورد کرتے رہیں۔ چھت سے واپس آکر بات کئے بغیر سو جائیں۔ تین مہینے عمل کریں۔

کتاب روحانی علاج سے ہر مرض کا الگ الگ علاج کریں۔ پہلے جگر کے علاج سے شروع کریں۔

نادانی

د۔م (لاہور): میٹرک کا طالب علم ہوں۔ اسکول

پیراسائیکالوجی
(Parapsychology)

ماہنامہ قلندر شعور جنوری 2020ء

اماں کا نام : ..... سائل کا نام: .....

تاریخ اور وقت پیدائش : ..... تعلیم: ..... ازدواجی حیثیت: .....

جاگنے کا دورانیہ : ..... سانس کا دورانیہ کتنے سیکنڈ ہے: .....

کھانا پیٹ بھر کے کھاتے ہیں یا بھوک رکھ کر: ..... نمک زیادہ پسند ہے یا مٹھاس: .....

خیالات میں حقیقت پسندی ہے یا الوژن : ..... دستخط : .....

خط و کتابت کا پتہ : .....

..... رابطہ نمبر: .....

اور محلے میں برے دوستوں میں بیٹھ کر اپنی صحت تباہ کر لی ہے۔ مجھے ہوش نہیں رہا کہ میں خود کو نقصان پہنچا رہا ہوں۔ ہوش اس وقت آیا جب پانی سر سے گزر گیا۔ جسم ہڈیوں کا پنجر بن گیا ہے۔ تھوڑا سا کام کرنے کے بعد آرام کرنا ضروری ہو جاتا ہے کیوں کہ کم زوری بہت ہے۔ سانس پھول جاتا ہے۔ باہر کے کھانے اور مرچ مسالوں کی وجہ سے معدے میں گرمی اور جلن نے نڈھال کر رکھا ہے۔ سادہ کھانا حلق سے نہیں اترتا۔ میں پھر سے صحت مند ہونا چاہتا ہوں۔ تکلیف کسی کو بتائی نہیں جاسکتی۔ اپنی نادانی پر بہت نادم ہوں۔

جواب: آج کئی نوجوان اس مسئلے سے دوچار ہیں۔ غیر اخلاقی چیزوں تک رسائی آسان ہوگئی ہے۔ ماں باپ بچوں سے بے خبر ہیں کہ ان کے دوست کون ہیں اور ٹی وی اور موبائل فون پر انٹرنیٹ استعمال کرتے ہوئے بچوں کی مصروفیات کیا ہوتی ہیں۔

باریک ململ کے کپڑے کی پٹی اس طرح سلوائیں کہ دونوں پٹیوں کے درمیان جیب بن جائے۔ ان جیبوں میں سیسے (Lead) کا ایک ایک ٹکڑا رکھ کر اس پٹی کو کمر پر اس طرح باندھ لیں کہ سیسے کے ٹکڑے گردوں کی جگہ رہیں۔ پٹی ایک ماہ تک ہر وقت باندھے رہیں۔ اگر ضرورت کی وجہ سے کھولنا پڑ جائے تو فراغت کے بعد دوبارہ باندھ لیں۔

قرآن کریم ترجمے کے ساتھ پڑھیں اور معنی و مفہوم پر غور کریں۔ رات کو سونے سے پہلے سیرت طیبہؐ کا باقاعدگی سے مطالعہ کریں۔

ہزاروں سال

کسی بادشاہ کے سامنے ایک شخص کی بہت تعریف کی گئی کہ وہ عقل مند ہے اور اس کی باتوں میں دانائی کے موتی ہیں۔ بادشاہ کو ملاقات کا اشتیاق ہوا چناں چہ محل میں حاضر ہونے کا فرمان بھیجا۔

عقل مند شخص حاضر ہوا اور سلام کے بعد کہا، بادشاہ کی عمر ہزاروں سال ہو۔

بادشاہ نے کہا، ہزاروں سال کون جیتا ہے، سنا تھا کہ آپ دانا ہیں لیکن آپ نے ابتدائی کلام میں حماقت ظاہر کی۔

بادشاہ نے ان لوگوں کی طرف دیکھا جنہوں نے اس کی تعریف کی تھی لیکن وہ سب مطمئن دکھائی دیئے۔

دانا نے جواب دیا، آدمی کی حیات بدن کی بقا پر موقوف نہیں ہے۔ نیک نامی کی زندگی وفات کے بعد دوسری حیات ہے اور نیک نامی عدل و انصاف قائم کرنے سے ملتی ہے۔ آنے والی نسلیں اس کی مثالیں دیتی ہیں اس لئے عادل حکم ران ہزاروں سال جیتا ہے۔ میری عرض یہ تھی کہ آپ کا نام صفحۂ دہر پر ہزاروں سال قائم رہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ یہ کہہ کر وہ پلٹ گیا۔

سہیل احمد

عشق کیا ہے ــــ؟

جب عشق کی بیل سچے عاشق کے وجود پر چھاتی ہے تو عشق اور اس کی صفات باقی رہتی ہیں، عاشق کی ہستی فنا ہو کر عشق میں تحلیل ہو جاتی ہے۔

جوانی میں قدم رکھا تھا کہ والدہ دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی معصوم نگاہیں بھائی پر ٹک گئیں کیوں کہ وہی اب ان کی آنکھوں کا تارا تھا۔ بھائی نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی۔ عمدہ شاعرانہ ذوق رکھنے کے ساتھ بے حد حساس طبیعت کا مالک تھا۔ سنجیدگی، بردباری، معاملہ فہمی اور غور وفکر نمایاں خصوصیات تھیں۔ بھائی نے بہنوں کی نگاہوں کو مایوس نہیں لوٹایا اور بلا تامل ان کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی، ماں بن کر انہیں آغوش شفقت میں لیا اور تمام توانائی بہن بھائیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے وقف کردی۔ سلسلہ معاش جاری رکھنے کے لئے طبیعت کی مناسبت سے مختلف رسائل وجرائد میں صحافت اور شعرا کے دیوانوں کی اصلاح وترتیب کا کام اپنے لئے منتخب کیا۔ وقت گزرتا رہا اور اللہ کے فضل سے بہن بھائیوں کی ذمہ داری پوری ہوتی رہی۔

ایک دن دلّی کے چاندنی چوک بازار گیا اور کسی کام سے رام داس بقّال (پرچون فروش) کی دکان پر جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر بعد دکان پر ایک پاکیزہ صورت دیکھی تو نہ جانے اس چہرے میں ایسا کیا دیکھا کہ دماغ کو برقی رو کی طرح کا جھٹکا لگا اور وہ لمحوں میں گرد وپیش سے بے نیاز ہوگیا۔ شاید قدرت نے اس چہرے پر سے نقاب اٹھا کر عالم ملکوت کے حسن کا پرتو دکھایا تھا۔

دن کا وقت تھا، سورج چمک رہا تھا، دنیا کی رونق اور گہما گہمی روزانہ کے مطابق تھی۔ لوگ حسب دستور خیالات میں مگن ادھر ادھر آجا رہے تھے لیکن رام داس بقّال کی دکان کے سامنے کھڑے ہوش وخرد سے بیگانہ شخص کو عجیب تجربہ ہوا تھا۔ وہ نیک اور معزز گھرانے کا نوجوان تھا، مثبت اور تعمیری سوچ میں منفیت اور کج روی کو دخل نہیں تھا، اچھا برا خوب سمجھتا تھا۔ کیا دیکھا اور کیا محسوس کیا، کسی کو اس کی خبر نہیں ہوئی۔

رام داس بقّال نے نوجوان کو مستغرق دیکھ کر احترام سے کہا، کیا ہی اچھا ہو کہ آپ میری دکان پر تشریف رکھیں۔ محو ہونے کی وجہ سے بیرونی دنیا سے نوجوان کا رابطہ وقتی طور پر منقطع ہوگیا تھا۔ یہ دیکھ کر رام داس نے

ہاتھ پکڑ کر دکان پر بٹھا دیا۔ کافی دیر تک گم صم رہنے کے بعد حواس بحال ہوئے تو وہ اٹھ کر گھر کی طرف چل دیا۔

گھر پہنچ کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ بھائی بہن چارپائی کے گرد جمع ہو گئے اور باتیں کرنے لگے۔ کسی کو کچھ کہنے کی جلدی تھی اور کوئی کچھ بتانا چاہتا تھا لیکن سب نے بھائی کو موجود ہونے کے باجود غیر موجود محسوس پایا اور سوچا کہ کام کی زیادتی کی وجہ سے بھائی کو تھکن ہے۔ چناں چہ بہن بھائی وہاں سے ہٹ گئے۔ بہن نے کھانا میز پر رکھا لیکن ویسے ہی پڑا رہا۔ توجہ دلانے پر اس نے تھوڑا سا کھا لیا۔ دل کے ہاتھوں مجبور اگلے دن سے باقاعدہ رام داس بقّال کی دکان پر جانا شروع کیا۔ وہاں بیٹھ کر راستے پر اس طرح سے نظریں جما دیتا جیسے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔ ہر آنے جانے والے کو غور سے دیکھتا۔

ایک دن نگاہیں ٹھہر گئیں۔ وہی پاکیزہ اور معصوم صورت سامنے تھی جس کے دیدار کے بعد نئے احساس سے دوچار ہوا تھا۔ اس چہرے کو دوبارہ دیکھ کر دل سے آہ نکلی اور رگ و پے میں گداز سرایت کر گیا۔ اب اکثر و بیش تر اسے دیکھتا اور طلب دیدار پوری کرتا۔

ایک دن رام داس بقّال کی دکان پر بیٹھا تھا، نگاہیں دید کی منتظر تھیں لیکن دن پر دن گزرتے گئے، دلِ بے قرار کو قرار نہ ملا۔ انتظار نے طول پکڑا، شوق دیدار کی آگ فروزاں تھی کہ مضطرب ہو کر دکان دار سے پوچھا، بہت دن ہوئے پاکیزہ صورت دکھائی نہیں دی؟

رام داس نے بتایا، کچھ دیر پہلے انتقال کی اطلاع ملی ہے، افسوس! موت نے چھوٹی عمر میں آلیا۔

خبر سن کر دماغ سن ہو گیا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو گئی۔ پھر غیر اختیاری طور پر قدم بڑھائے جیسے خالی ذہن مشینی انداز میں چل رہا ہو۔ قدم اس مقام پر رکے جہاں آخری رسومات ادا کی جا رہی تھیں۔ نگاہیں راکھ پر مرکوز تھیں، اندر وہ چہرہ تھا جس کی دید کے لئے نظر بے چین تھی۔ دست قدرت کا شاہکار راکھ کے ڈھیر میں چھپ گیا تھا۔ موت نے فصیل کھینچ دی تھی۔

اسے عجیب کیفیت نے آلیا۔ خود سے جواب طلب کیا، آج کیا وجہ ہے کہ دل اس چہرے کو دیکھنے کا طلب گار نہیں؟ اندر سے جواب ملا،

''تو جسمِ فانی کا پجاری نہیں بلکہ اس حسنِ لازوال کا پرستار ہے جس نے جسم پر سے اپنا سایہ ہٹا لیا ہے۔''

آواز کا سننا تھا کہ آنسوؤں کا بند ٹوٹ گیا۔ دعائیہ کلمات پڑھے، تھکے قدموں اور بجھے دل سے روانہ ہوا۔

اس حادثے نے دل و دماغ کو حد درجہ متاثر کیا تھا۔ بار بار گہری سوچ کا غلبہ ہو جاتا۔ بہن بھائی، دوست احباب اور رشتہ دار حیران تھے کہ ہنستا مسکراتا چہرہ یاس و حسرت کی تصویر کیوں بن گیا ہے۔

کسی طرح دل کو چین نہیں آیا تو فوج میں ملازمت اختیار کر لی۔ ان ہی دنوں دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوا اور جنگ کے شعلے پھیلتے چلے گئے۔ ایک دوسرے پر

برتری دکھانے کی خواہش انسانی جانوں کے ضیاع کا باعث بن رہی تھی۔ نوجوان کی برما کے محاذ پر تعیناتی ہوئی۔ لڑائی کے دوران ایک بم قریب پھٹا اور ٹکڑے جسم میں پیوست ہوگئے۔ سخت زخمی حالت میں اسپتال میں داخل کیا گیا۔ آخر کار علالت میں طوالت کے سبب فوج کی ملازمت کو خیر باد کہنا پڑا۔ مسلسل بیمار رہنے سے نقاہت کے سبب وہ بستر تک محدود ہوگیا۔

ایک دن کسی کام کے لئے بستر سے اٹھا لیکن چند قدم چل کر غشی آ گئی۔ توازن کھونے سے قریب رکھی ہوئی میز الٹ گئی اور گلاس فرش پر گرنے سے کرچیاں بکھر گئیں۔ کانچ کے ٹکڑے ہاتھ میں پیوست ہوئے۔ گہرا زخم اور تیزی سے بہتا ہوا خون۔ حواس مجتمع ہوئے تو دیکھا کہ زخمی ہاتھ سے خون ٹپک رہا ہے۔ پلنگ کا کونا پکڑ کر اٹھنا چاہتا تھا کہ دروازہ کھلا اور کوئی تیزی سے اندر داخل ہوا۔ سر اٹھا کر دیکھا تو دوپٹے کے پیچھے چہرہ چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ بڑی بڑی گہری غلافی آنکھوں میں حیرانی تھی۔ ان آنکھوں کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور مبہوت ہو کر دیکھتا رہ گیا۔

''آپ کا ہاتھ زخمی ہوگیا ہے۔''

''جی ہاں! گلاس کا ٹکڑا چبھ گیا ہے۔''

نظریں دوبارہ اٹھیں۔ چہرے پر حوروں کا تقدس اور مریم کی سی معصومیت تھی۔

''زخم کا کچھ کیجئے کتنا خون بہہ رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' مختصر جواب دیا۔

''کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی تو یہاں آ گئی کہ خدانخواستہ کیا بات ہوگئی ہے۔''

یہ نئے پڑوسی تھے۔ پری چہرہ کی نوجوان کی بہن سے دوستی ہوگئی تھی اس لئے آج وہ ان کے گھر پر موجود تھی۔ پانی میں بھیگی ہوئی پٹی باندھی اور جس رفتار سے آئی تھی اسی تیزی سے واپس چلی گئی۔

دن گزرتے رہے لیکن کوشش کے باوجود خیالات کا طوفان تھم نہ سکا۔ ذہن بار بار معصوم چہرے کی طرف متوجہ ہوجاتا۔ دروازہ کھلنا، اندر داخل ہونا، بے مثال حسن اور ہاتھ کے زخم کو دیکھ کر بے ساختہ چہرے پر تکلیف نمودار ہونا۔ مناظر ذہن پر نقش ہوگئے۔ جتنا ان خیالات سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتا، وہ اتنی شدت سے حملہ آور ہوتے تھے۔

ایک روز بہن نے بھائی کو ایک کاپی دی۔ یہ اس کی سہیلی کی کاپی تھی جس میں اشعار اور منتخب اشعار دونوں تھے۔ کاپی کے رکھ رکھاؤ اور طرز تحریر سے نفاست اور پاکیزگی جھلک رہی تھی۔ اشعار پڑھے اور جہاں مناسب سمجھا اصلاح کی۔ اشعار کے انتخاب میں بلند خیالات کی عکاسی تھی۔ دن گزرتے رہے اور دونوں کے درمیان اجنبیت کی دیواریں گرتی گئیں۔

زمین کی کوکھ میں جب بیج ڈالا جاتا ہے تو وہ کئی دنوں تک زمین کے اندر مختلف مراحل طے کر کے کونپل کی شکل میں زمین سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح عشق کا بیج

پرورش پا کر کونپل بن چکا تھا، جڑیں پھیل رہی تھیں۔ چاند کی ضوفشانی سے دل کا نہاں خانہ روشن ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی بے ساختہ پسندیدگی کا اظہار کر بیٹھتا۔ ایک بار پری چہرہ کی کاپی میں عبارت لکھی دیکھی۔

''صبح کا سہانا پن، شام کا سنہرا رنگ، شفق کی سرخی، حدنظر تک پھیلا ہوا آسمان، بل کھاتے دریا، گنگناتی ندیاں، موسیقی سے بھرپور جھرنے، سبزے اور درختوں سے ڈھکی ہوئی وادیاں، پرندوں کے اڑتے ہوئے غول— فطرت کے یہ نظارے کتنے روح پرور ہیں۔ انہیں دیکھ کر دل بے اختیار گداز سے لبریز ہو جاتا ہے۔''

عشقِ صادق کا معاملہ آکاس بیل کا سا ہے۔ آکاس بیل درخت میں پیدا ہو کر اس کے وجود پر اس طرح پھیل جاتی ہے کہ درخت چھپ جاتا ہے۔ درخت کی ساری توانائی آکاس بیل کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب عشق کی بیل سچے عاشق کے وجود پر چھا جاتی ہے تو عشق اور اس کی صفات باقی رہتی ہیں عاشق کی ہستی فنا ہو کر عشق میں تحلیل ہو جاتی ہے۔

رات دن خیال ذہن سے جدا نہ ہوتا جیسے خیال مقناطیس کی طرح ذہن کی سوئی کا رخ اپنی طرف رکھ رہا ہو۔ اٹھتے بیٹھتے، کام کرتے، چلتے پھرتے دل عشق کی گلی کا طواف کرتا تھا۔ عشق اور مشک کی خوش بو کی طرح ذہنی اور جذباتی وابستگی زبان زدعام ہونے لگی۔

ایک دن خبر بجلی بن کر گری کہ پڑوسی خاموشی سے کسی اور گھر میں منتقل ہو گئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جب لوگوں کی سرگوشیاں کانوں میں پہنچیں تو انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ یہ گھر چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔

دوری اور فاصلے عشق کی آگ کو اور زیادہ بھڑکا دیتے ہیں۔ دوری عشق کی بھٹی کے لئے ایندھن ثابت ہوئی۔ شاید عشق میں جو کمی رہ گئی تھی وہ جدائی نے پوری کر دی۔

دل سوز و گداز سے معمور ہو گیا۔ اندر جو آگ بھڑک اٹھی تھی وہ کبھی آنسوؤں کی صورت میں ظاہر ہوتی اور کبھی اشعار کا روپ دھار لیتی۔

کچھ عرصے بعد کسی تقریب میں شرکت کی دعوت ملی۔ یہ ایسی تقریب تھی جس میں اس کی موجودگی ضروری تھی۔ تقریب میں پہنچ کر انتظامات میں مشغول ہوا۔ کچھ دیر بعد گزر مہمان خواتین کے کمرے کے پاس سے ہوا۔ اندر نظر پڑی تو آنکھوں پر یقین نہیں آیا— وہی معصوم چہرہ، نازک سراپا جسے دیکھنے کے لئے آنکھیں ترس گئی تھیں، پوری محفل میں چاند کی طرح تھی جس کی روشنی کے آگے ستاروں کا حسن ماند پڑ جاتا ہے۔

نظر— نظر سے ملی تو عشق بے خود ہو گیا۔

آج حسن کی بارگاہ میں سر جھکا کر خود کو سپرد کرنا چاہتا تھا۔ خود فراموشی کے عالم میں کمرے میں داخل ہوا اور بے اختیار قدموں میں سر رکھ دیا۔ چند لمحوں کے لئے محفل پر سکوت چھا گیا، اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہتا، الوداع کہتے ہوئے وہاں سے چلا آیا۔

کچھ دنوں بعد ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی۔ فسادات پھوٹ پڑے اور دھرتی سرخ ہو گئی۔ خاندان

کے ساتھ پاکستان ہجرت کی۔فسادات کی ہولناکیاں اورزمانے کے نشیب وفراز دل سے یادمٹا نہ سکے۔رفتہ رفتہ اندر بدلنے لگا۔خودی کا دامن بار بار چھوٹ جاتا۔ خودفراموشی کا یہ عالم تھا کہ کسی طرح انہماک نہیں ٹوٹتا تھا۔ بے خودی کے بعد خود بخود ہوش آتا لیکن گفتگو بے ربط ہوتی تھی۔جذب کئی کئی گھنٹے طاری رہتا۔پھر شخصیت میں حیرت انگیز انقلاب برپا ہوا۔زبان سے جو الفاظ ادا ہوتے، وہ پورے ہوجاتے یہاں تک کہ لوگوں میں صاحبِ کرامت بزرگ کی حیثیت سے پہچان ہوگئی۔

جس زمانے میں جذب کی کیفیت طاری تھی، ایک صاحب حاضر ہوئے ۔ کچھ دیرانتظار کے بعد نیم ہوش میں آنے پر سائل نے عرض کیا،جس مقصد سے حاضر ہوا ہوں اس کے لئے آپ کے ماضی کا سہارا لینا ضروری ہے۔ ماضی میں سے ایسے نام کو سامنے لانا چاہتا ہوں جس کا آپ کی زندگی میں بڑا مقام رہ چکا ہے۔

سائل جواب کا منتظر تھا لیکن مقابل خاموش تھا۔

مخمور نگاہیں سائل پر جمی ہوئی تھیں۔

جواب نہ پاکر سائل بولا، جب سے ہماری شادی ہوئی ہے میں نے ہمیشہ اسے بے اطمینان دیکھا۔کوئی بات ایسی ضرور تھی جو خلش بن کر بے چین رکھتی تھی۔ وقت گزرتا گیا لیکن بے چینی کم ہونے کے بجائے بڑھتی رہی۔حال یہ ہے کہ ہوش وحواس تقریباً گم ہیں اورزبان پر صرف ایک نام ہے۔ایک بار آپ کو دیکھ لے تو ٹھیک ہوجائے گی۔مہینوں بھٹکتا رہا ہوں ۔ بڑی مشکلوں سے آپ کا پتہ معلوم کیا ہے۔خدارا میرے ساتھ چلئے یا اسے حاضری کی اجازت دیجئے۔

ہاتھ جھٹک کر کہا،نہیں! تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے۔کیا یہ چاہتے ہو کہ قاتل کہلائیں۔اب ہم وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔دل پر محبت غالب آجائے تو وجود باقی نہیں رہتا—یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

پھر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا،اے خدارحم فرما!

مضمون سچے واقعے پر مشتمل ہے اور مختصر پیش کیا گیا ہے۔ جب ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کے سامنے بیان ہوا تو واقعے کے چشم دید گواہ نے روحانی توجیہ دریافت کی۔ابدالِ حق نے فرمایا،

''کیا آپ نے حضرت ابراہیم ادھمؒ کی سیرت کا مطالعہ نہیں کیا؟ حضرت ابراہیم ادھمؒ ایک عرصے بعد اپنے بیٹے کو سامنے دیکھتے ہیں۔بیٹا لڑکپن کی حدود عبور کر کے جوانی میں قدم رکھ چکا ہے۔ جوان بیٹے کو سامنے پاکر یکایک ان کے دل میں بیٹے کی محبت غالب آجاتی ہے اور وہ دوڑ کر اسے سینے سے لگا لیتے ہیں۔

اسی وقت ندائے غیبی آتی ہے،

'ابراہیم! دعویٰ دوستی تو ہم سے اور یہ کیا—؟'

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کانپ جاتے ہیں، چہرہ فق ہوجاتا ہے۔اللہ سے فریاد کرتے ہیں،

اے اللہ! میری مدد فرما

اے اللہ! میری مدد فرما

بیٹا جھرجھری لیتا ہے اور دوسرے ہی لمحے بے جان ہوکر

زمین پر گر جاتا ہے۔لوگ آگے بڑھ کر دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کی روح پرواز کر چکی ہے۔ بے شک اللہ کی سنت میں تبدیلی ہے نہ تعطل واقع ہوتا ہے۔''

سوال کیا گیا کہ غیبی دنیا میں سفر کرنے والے اکثر و بیش تر سالکین کے حالات زندگی کو کھنگالا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے عشقِ مجازی سے گزر کر عشقِ حقیقی کی منزل میں قدم رکھا۔اس کی وجہ کیا ہے؟

ابدالِ حق نے فرمایا،

''عرفانِ نفس حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے اندر ذوق طبیعت اور عشق موجود ہو۔عشق کیا ہے؟اس کے بارے میں مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جس کی بنیاد انسان کو ایسے نقطے پر لے آتی ہے جہاں وہ براہِ راست قانون قدرت کی گہرائیوں سے ہم رشتہ ہو جاتا ہے۔قانون قدرت کی گہرائیوں سے ہم رشتہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کی افتاد طبع ایسی ہو کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار کے تحت ذہنی یکسوئی حاصل کر سکے۔ ذہنی یکسوئی حاصل کرنے کا ایک مؤثر راستہ کسی کے ساتھ ذہنی وابستگی ہے۔ جب یہ ذہنی وابستگی کسی انسان کے ساتھ ہوتی ہے تو عشقِ مجازی کا روپ دھار لیتی ہے اور جب یہ ذہنی مرکزیت خالق کائنات کے ساتھ ہم رشتہ ہو جاتی ہے تو اس کا نام عشقِ حقیقی ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹنے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ عشقِ مجازی ـــ عشقِ حقیقی کے لئے پہلا قدم ثابت ہوتا ہے۔

صنف نازک سے عشق کرنے والا کوئی بندہ اگر ہوس

میں وہی کشتی ہوں

عشق ہی میرا سفر ہے عشق ہی کاشانہ ہے
میں وہی کشتی ہوں جس کا ناخدا دیوانہ ہے
یاد ہیں وہ دن کہ سر تھا اور لطف پائے دوست
اب وہی سر کوہ و صحرا کے لئے افسانہ ہے
شمع اپنے ساتھ دور زندگانی لے گئی
کچھ نہیں محفل میں اک خاکستر پروانہ ہے
دل رہا میرا وہ صورت جلوہ گر جب تک رہی
اب میں بیگانہ ہوں دل سے مجھ سے دل بیگانہ ہے
میں ہوں اور میخانۂ خون محبت ہے عظیمؔ
زندگی میری فقط اک جرأت رندانہ ہے

(ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ)

اور جنسی جذبات کے دھاروں میں خود کو نہ بہنے دے تو اس کی شعوری صلاحیتیں سہ چند (تین گنا) ہو جاتی ہیں۔اس لئے کہ صنف نازک کے اندر اللہ تعالیٰ کے انوار کی دو لہریں ہمہ وقت اور ہر آن جاری و ساری ہیں جب کہ مرد کے اندر ایک لہر کام کرتی ہے۔

مشیت نے ایسے لوگوں کی افتادِ طبیعت یہ بنائی ہے کہ وہ لوگوں کے کام آئیں،ان کی خدمت کریں،ان کے ساتھ عجز و انکساری کے ساتھ پیش آئیں۔ ان کی طبیعت میں یہ نقش اتنا گہرا ہوتا ہے کہ جب بندے کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کا شرف نصیب ہوتا ہے تو اس کے اوپر یہ احساس محیط ہوتا ہے ـــ میرا سر خالق کائنات کے قدموں میں ہے۔

زاہدہ تبسم

فرد کہاں پر ریکارڈ ہے ــــ؟

ہم جو سوچتے ہیں اس کا فوراً کیمیائی زبان میں ترجمہ ہوجاتا ہے۔ یہ کیمیکل مخصوص جینز کے اظہار کو کنٹرول کرتے ہیں یعنی ہم جو کچھ ہیں اپنے ذہن کے معنی ومفہوم کے مطابق ہیں۔

کسی فرد کی خوب صورتی کی تعریف کریں۔اس کے بال، آنکھوں کا رنگ، پرکشش نقوش کو سراہیں اور متوازن قد کا ذکر کریں تو ہوسکتا ہے وہ خوش ہونے کے ساتھ آپ کو بتائے کہ اس کی خوب صورتی کی وجہ خفیہ جینیاتی کوڈ (Genetic code) ہے جو کھربوں خلیات کے مراکز میں موجود جینز (Genes) سے جاری ہوا ہے۔اس خفیہ پیغام کی ڈی کوڈنگ کے نتیجے میں امینوایسڈ جمع ہوکر ایسے پروٹین بناتے ہیں جس کی وجہ سے آدمی کی ظاہری ساخت ایک ہونے کے باوجود الگ الگ نظر آتی ہے۔ جینیاتی کوڈ کا یہ عمل آدمی کے علاوہ نباتات، حیوانات، معدنیات اور دیگر تمام مخلوقات کو بھی منفرد روپ دیتا ہے۔

دوست حسین ہونے کے ساتھ نیک اور خوش اخلاق ہے، اپنے شعبے میں کام یاب ہے اور زندگی کے بارے میں روشن ذہن رکھتا ہے تو محققین کہتے ہیں کہ یہ تمام خوبیاں اس کے جینوم (Genome) سے آگے یعنی ایپی جینوم (Epigenome) سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کا سورس جینیاتی کوڈ ہرگز نہیں ہے۔

ان اوصاف کے سگنل ماحول سے منتقل ہوتے ہیں۔ فرد ماحول کے اثرات کو جس انداز سے قبول کرتا ہے اس کے مطابق شخصیت تبدیل ہوتی ہے۔تبدیلیوں کی نشان دہی ڈی این اے (DNA) کی سطح پر کی جاسکتی ہے۔

ایپی جینوم سے پہلے یہ سمجھیں کہ جینوم کیا ہے۔

آدمی کی دوسری مخلوقات سے انفرادیت کی وجہ خلیے کے مرکز میں 46 کروموسومز یعنی 23 جوڑے ہیں۔ آدھا حصہ ماں کی طرف سے اور آدھا حصہ باپ کی طرف سے آتا ہے۔ کروموسومز دو نہایت باریک اور لچھے دار لڑیوں میں پروئے ہوئے ڈی این اے پر مشتمل ہوتے ہیں۔

انسانی کروموسومز میں تقریباً 20 سے 25 ہزار جینز ہیں۔انسان کے تمام جینز یا ڈی این اے کا مجموعہ انسانی جینوم (Human Genome) کہلاتا ہے۔ یہ وارثتی اطلاعات کا مجموعہ ہے جس میں جسم کی نشوونما

اوراعضا سے متعلق ہدایات ہوتی ہیں۔

46 کروموسومز میں تقریباً تین ارب اساسی جوڑے (base pairs) موجود ہیں۔ ہر تین اساسی اکائی (base units) مل کر ایک جینیاتی کوڈ بناتے ہیں تا کہ خلیے کو پیغام ملے کہ امینو ایسڈز کی ترتیب اس طرح کی جائے کہ جسم کے لئے ضروری فلاں پروٹین پیدا ہو۔ پیغامات کی تعداد ہزاروں ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر جلد، بالوں اور آنکھوں کا رنگ، خدوخال، جسم کی کارکردگی وغیرہ۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ حالات، تجربات، جذبات وغیرہ کا ہمارے ڈی این اے میں ''محفوظ معلومات'' سے تعلق نہیں ہوتا کیوں کہ یہ معاملات مادی جسم سے باہر ماحول میں رونما ہوتے ہیں۔ ہمارا طرز زندگی جینز کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ماحول پر منحصر ہے۔

پچھلے دو عشروں میں اس حوالے سے انقلابی تحقیق ہوئی ہے۔ ڈی این اے کی باریک لچھے دار لڑیوں میں کچھ خفیف نشانات ملے ہیں جو ماحول کے اثرات کو قبول کرتے ہیں اور ان نشانات کی وضاحت کافی حد تک ممکن ہوگئی ہے۔ یہ ٹیکنالوجی ایپی جینیٹکس کہلاتی ہے۔ یہ ایسے حیاتیاتی نظام کا مطالعہ کرتی ہے جو جینز کو آن یا آف رکھنے کا کام کرتا ہے۔

ڈی این اے پر بننے والے ان نشانات کو کوڈ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جس کی مدد سے کسی فرد کی انفرادیت کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رہن سہن کیسا ہے، عادتیں اور مشاغل کیا ہیں اور غذا کیسی ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ جینز جن کے ساتھ ہم پیدا ہوتے ہیں وہ نہیں بدلتے لیکن ایپی جینیٹکس ان کا اظہار بدلتی ہے لہٰذا ہم جینز نہیں، ماحول بدل سکتے ہیں۔

اب ایپی جینیٹکس کا میکانزم پڑھیں۔

ڈی این اے کی ایک اساسی اکائی ہے جسے سائٹوسین (cytocine) کہا جاتا ہے۔ سائٹوسین پر ایک مقام ہے جہاں میتھائل گروپ اس سے جڑتا ہے۔ میتھائل گروپ دراصل ایسا کیمیکل بانڈ بناتا ہے جو کسی خاص جین کو آن کرنے اور اسی سے منسلک دوسرے جین کو آف رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ عمل ڈی این اے کی ترتیب تبدیل کئے بغیر ہوتا ہے۔ اس میں میتھائل گروپ کے علاوہ ہسٹونز (histones) پروٹین اور Non coding RNA کا کردار بھی اہم ہے۔ سمجھ لیجئے کہ یہ چھوٹے چھوٹے کیمیائی tags ہیں جن کی مدد سے ڈی این اے (DNA) میں مختلف مقامات پر نشانات بنتے رہتے ہیں۔ مارکنگ کا یہ عمل پوری زندگی جاری رہتا ہے۔

''جینوم'' میں ایسی کروڑوں جگہیں ہوتی ہیں جہاں میتھائل گروپ اثر انداز ہوسکتے ہیں۔ انہی تبدیلیوں کی وجہ سے دو افراد کے جینیاتی نمونے مختلف ہوتے ہیں۔ مماثل جڑواں بچوں کے منفرد ہونے کی وجہ یہی ہے۔

تبدیل شدہ جینز کے مجموعے کو اپی جینوم کہتے ہیں اور یہ تبدیلیاں کئی نسلوں تک منتقل ہوتی ہیں۔ ہمارے والدین کا طرز زندگی اور سوچ پھر ان کے والدین کا رہن سہن اور طرز فکر ہمارے جینز پر اثر انداز ہوتی ہے۔

ہم جو سوچتے ہیں اس کا فوراً کیمیائی زبان میں ترجمہ ہوجاتا ہے۔ یہ کیمیکل مخصوص جینز کے اظہار کو کنٹرول کرتے ہیں یعنی ہم جو کچھ ہیں اپنے ذہن کے معنی ومفہوم کے مطابق ہیں۔

اپی جینیٹکس کا کردار رحم میں اعضا بنتے وقت نہایت اہم ہوجاتا ہے۔ میتھائل گروپ ہر خلیے میں غیر ضروری جینز کو بند کرنے میں مدد دیتے ہیں تاکہ دل کے خلیات، گردے کے طور پر ظاہر نہ ہوں اور معدے کے خلیات عصبی خلیوں میں نہ بدل جائیں۔ بچے کی نشوونما کا سورس (ماخذ) ماں کی سوچ، غذا اور اس کا طرز زندگی ہے۔ باپ کی غذائی عادات اور ذہنی رجحانات بھی اہم ہیں۔ اپی جینیٹکس کے محققین تلاش میں ہیں کہ کیا ماں کا شعور ہی وہ سگنل ہے جو بچے کے اعضا کی نشوونما کا ذمہ دار ہے؟ کیا یہی وہ سگنل ہے جو دل کے خلیات میں گردے بنانے والے جینز متحرک نہیں ہونے دیتا؟ ماں کے شعور کا سورس کیا ہے؟ اگر ماحول ہے تو یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ ماحول میں افراد اور قدریں کیسی ہیں؟ طے شدہ امر ہے کہ ماں کا رویہ بائیو کیمیکل سگنلز میں ترجمہ ہوکر بچے کے ڈی این اے تک پہنچتا ہے اور بچے کا ذہن ان سگنلز کے مطابق تیار ہوتا ہے۔

اب تک بیان کی گئی تفصیل سے محققین سمجھتے ہیں کہ اپی جینیٹکس ہماری زندگی کی کہانی منکشف کرسکتا ہے۔

خون کے چند قطروں سے معلوم ہوجاتا ہے کہ صحت اور عادات کیسی ہیں؟ جذباتی کیفیات اور زندگی کے تجربات کیا ہیں؟ چوں کہ یہ تبدیلیاں ساری عمر جاری رہتی ہیں اس لئے ان سے معاشی حالت اور معاشرتی ماحول کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کئی سال پرانے واقعات کی تفصیلات کا اشارہ مل سکتا ہے اور عمر کے دورانیے کا معلوم ہونا بھی ممکن ہے۔

اپی جینیٹکس فطری عمل ہے لیکن طرز فکر منفی ہو تو غلط سمت میں اثر انداز ہوتا ہے۔ سگریٹ نوشی، نشے کی عادت یا غذا میں بد احتیاطی وغیرہ اس ٹیکنالوجی سے شناخت کی جاسکتی ہیں اور بیماری میں مبتلا ہونے کے امکانات کے بارے میں معلوم کیا جاسکتا ہے۔

ماہر جینیات کے مطابق بیماری کا تعلق وراثت سے زیادہ اپی جینیٹکس (بیرونی سگنلز) سے ہے۔ ان سگنلز کا تعلق کسی حادثے، کیمیائی تبدیلی یا خیالات سے ہوسکتا ہے۔ یہ عناصر خصوصاً الزائمر اور کینسر میں متضاد رخ پر جینز کو نارمل سے ہٹ کر آن کردیتے ہیں۔ جینز اور ڈی این اے ہماری مکمل بیالوجی کنٹرول نہیں کرتے بلکہ ڈی این اے، خلیات سے پیغامات وصول کرتا ہے۔

خودکشی کے خیالات اور ڈپریشن کے اثرات بھی اپی

جینوم میں پڑھے جا سکتے ہیں۔ خوف سے وابستہ ایپی جینیٹکس تبدیلیاں ایسے ہارمونز میں اضافے کا باعث ہیں جن سے ذہنی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

خلیہ ڈی این اے میں موجود جینز کو ہمیشہ ''مفہوم'' کے ساتھ پڑھتا ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ ایپی جینیٹکس ہمارے فہم میں انقلاب لاسکتی ہے کہ ذہن اور جسم کا تعلق کیا ہے، کس طرح سے ہے اور اس کا اثر انفرادی اور اجتماعی زندگی پر کیسے مرتب ہوتا ہے۔

ایپی جینیٹک ٹیسٹنگ میں بہتری کی کوشش جاری ہے۔ مثلاً یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم ماضی میں کس تناؤ کا شکار تھے البتہ اس کی نوعیت کیا تھی یہ تفصیل ابھی سامنے نہیں آئی۔ محققین کا کہنا ہے کہ ان تفصیلات کا روشن رخ یہ ہے کہ ایپی جینوم کے وہ نشانات جو منفی تجربات اور کیفیات کا نتیجہ ہیں انہیں مٹانے کے ساتھ منفی کو مثبت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ آواز کنٹرول کرنے والے بٹن یا پنکھے کے ڈیمر سوئچ کی طرح اسے پیچھے بھی کیا جا سکتا ہے۔ کینسر سے حفاظت کرنے والے جینز منفی ایپی جینوم کی وجہ سے آف ہو جاتے ہیں، انہیں دوبارہ آن کیا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے دوا کے علاوہ مراقبہ اور سائیکوتھراپی سے مدد لی جا رہی ہے۔ مقصد توجہ میں مثبت تبدیلی پیدا کرنا ہے تا کہ تناؤ کے ہارمونز کی سرگرمی رک جائے۔

تحقیق کا خلاصہ ماہرین پیش کرتے ہیں کہ

''ہم اپنے ڈی این اے (DNA) پر حکم ران ہیں۔ ہمارے جذبات و احساسات جینز کو پیغامات بھیجتے ہیں۔ ہم اپنی بیالوجی کو چلاتے ہیں۔ یہ بات یقینی ہے کہ ایپی جینیٹکس منفی ہو یا مثبت، بلا ارادہ نہیں ہوتی۔ اور یہ اتفاقی عمل بھی نہیں ہے بلکہ ہم باقاعدہ اپنی پروگرامنگ خود کرتے ہیں۔''

اپنے ہونے کا احساس خیال کے ذریعے ہوتا ہے۔
ماحول کا ادراک بھی خیال کے تابع ہے۔
ہم قدم بہ قدم زندگی کے مراحل طے کرتے ہیں
اور یہ خیال کے بغیر ممکن نہیں۔
خیال نہ آئے تو سامنے رکھی شے نظر نہیں آتی۔

خیال اپنے سورس سے خوشی، اجتماعیت اور سکون کے عناصر لے کر آتا ہے جس میں فرد اپنے اندر یا باہر کے ماحول کے مطابق معنی پہناتا ہے۔ خوشی اور ناخوشی، سکون اور بے سکونی کا تصور ماحول سے ملتا ہے۔ بچپن سے بڑھاپے تک فرد جن تجربات سے گزرتا ہے وہ اس کا ذہن یا شعور بن جاتے ہیں۔ ماں باپ کی تربیت اور ماحول بچے کی غیر جانب دار فطرت کو جانب دار بنا دیتے ہیں۔ مثبت یا منفی interpretation سے ایک مخصوص سانچہ تشکیل پاتا ہے۔ انفرادی شعور کا سورس یہی سانچہ ہے۔ یہاں سے نشر ہونے والے ہزاروں پیغامات ہر لمحہ جینز پر اثر انداز ہوتے ہیں جس سے فرد کا انفرادی ریکارڈ (ایپی جینوم) بنتا ہے۔

اب پڑھئے کہ روحانیت اس نظام کے بارے میں کیا کہتی ہے۔ عظیم روحانی سائنس دان حضور قلندر بابا اولیاؒ کے مطابق روح کا ایک زون روشنی کا دائرہ ہے جس کا اصطلاحی نام جویہ ہے۔ ہر فرد کے جویہ میں انفرادی اعمال کا ریکارڈ موجود ہے۔

جویہ وسیع موضوع ہے جس میں تمام تشریحات شعوری زندگی سے متعلق ہیں۔ کچھ نکات یہ ہیں،

لاشعور سے شعور میں اطلاع کا منتقل ہونا جویہ میں منتقل ہونا ہے۔ ہر فرد اطلاع میں الگ معنی پہناتا ہے اس لئے کہ اس کے تجربات، مشاغل اور عادات منفرد ہیں۔ جویہ شعور کی بنیاد ہے۔ شعور کیا ہے ــــ؟ ادراک اور فہم ہے، سکت اور صلاحیت ہے۔

نور کی دنیا کا ادراک = نور کا شعور

اسفل دنیا میں انہماک = اسفل شعور

نگاہ جس طرف متوجہ ہوکر روشنی جذب کرتی ہے وہی اس کا شعور بن جاتا ہے۔ غصہ، سکون، صبر، محبت، نفرت سب شعوری سکت کا اظہار ہیں۔ ماحول کے ہجوم سے بہترین بات کا انتخاب کرنا شعوری صلاحیت ہے۔

سوال ہے کہ والد کے جینز میں غصہ ہے۔

کیا یہ لازمی ہے کہ بیٹے میں یہ وراثت متحرک ہو؟

اس کی توجیہ مضمون میں موجود ہے۔

جویہ کی مدد سے شعوری دائرہ کار میں تخلیقی عمل کی تشریح بیان ہوتی ہے کہ

مظاہرات کس طرح سامنے آتے ہیں؟

تجلی اور نور کا اظہار مادیت میں کس طرح ہوتا ہے؟

کھربوں خلیوں میں یکساں جینز ہونے کے باوجود اعضا الگ الگ کیوں ہوجاتے ہیں؟

مادی اشیا خاصیت کیوں بدلتی ہیں؟

یہ گھٹتی اور بڑھتی کیوں ہیں؟

مادی اجسام ٹوٹ پھوٹ کے کھلونے ہیں۔

یہ عارضی نظام کا احوال ہے۔

جویہ بتاتا ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔

ذہن انتخاب کرسکتا ہے اس نظام کا جو ''مستقل'' ہے۔

مستقل نظام کیا ہے ــــ؟ پیغمبرانہ تعلیمات راہ نمائی کرتی ہیں کہ انبیائے کرام نے اللہ تعالیٰ کے انسپائریشن سسٹم کا تعارف پیش کیا ہے۔ اس تعارف کے مطابق مادی جسم کو حرکت میں رکھنے والا کرنٹ اللہ کی صفات کے تابع ہے۔ صفات میں تفکر کرنے سے ذہن غیر جانب دار ہوجاتا ہے اور ضمیر کی آواز پر عمل کرتا ہے۔ ضمیر کی آواز نور باطن ہے جو نیکی اور بدی میں امتیاز پیش کرتی ہے۔

قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق اللہ نے نیکی اور بدی ہر جان پر الہام کردی ہے۔ جو لوگ پاکیزہ راستہ اختیار کرتے ہیں، وہ فلاح پاتے ہیں۔ محققین اگر جویہ سے واقف ہوجائیں تو فرد کا باطنی ریکارڈ ان کے سامنے آجائے گا۔

پیامِ شوق

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کے عزیز دوستوں میں ایک نام سید نثار علی بخاری صاحب کا ہے۔ ان سے تعلق خاطر کی ایک تصویر حضور بابا صاحبؒ کا یہ منظوم فراق نامہ ہے جو آپ نے باغپت (یو۔ پی) میں قیام کے دوران 5 دسمبر 1942ء کو اپنے دوست سید نثار علی بخاری صاحب کے نام لکھا تھا۔

السلام اے مہربانِ زندگانی السلام
اے نشاطِ بزمِ دل اے یار جانی السلام

اک فقیر بینوا کے دل میں تیری یاد ہے
تو خفا ہے جس سے وہ تیرے لئے ناشاد ہے

① شمع گر خواہد کہ سوزد خرمن پروانہ را
جُز بہ طاعت شرط نبود مذہب دیوانہ را

تو گلستانِ وطن کا سرو ہے شمشاد ہے
مرحبا اس انجمن پر جس میں تو آباد ہے

باغِ جنت سے فزوں تر ہے مجھے وہ انجمن
جس میں ہوتے ہیں مرے احباب سرگرمِ سخن

میرے دل کی خواہشیں ان آستانوں پر نثار
جو کہ ہیں قدموں سے یارانِ وطن کے ہمکنار

اے صبا لے جا پیامِ شوق اس منزل کے نام
فرض ہے جس کے ہر اک کوچہ کا مجھ پر احترام

سر جھکا کر عرض کرنا وہ ادب کا ہے مقام
دوست دارانِ سرور و شادمانی السلام

میں تمہیں محسوس کرتا ہوں دل و جاں کے قریب
پھر بھی تم بھولے ہوئے ہو مجھ کو یہ میرا نصیب

وہ سحر وہ شام وہ راتوں کی مجلس یاد ہے
ان بہاروں کے لئے دل مائلِ فریاد ہے

اس زمیں کی یاد میں قلبِ حزیں بیمار ہے
جس کا ہر ذرّہ تمہارے سایہ سے گلزار ہے

(۲) روزگارے شد کہ من کشتی در آب انداختم
کار درد و بندگی با عجز و زاری ساختم

السلام اے مہربانِ زندگانی السلام
اے نشاطِ بزمِ دل اے یار جانی السلام

۱۔ شمع اگر پروانے کے خرمن (ٹھکانہ، خزانہ) کو آگ لگانا چاہے تو دیوانگی کے مذہب میں اطاعت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔

۲۔ ایک زمانے سے میں نے اپنی کشتی پانی میں بہادی ہے۔ درد اور بندگی کے معاملات کو عجز و زاری سے سازگار کیا۔

گلِ نسرین

فراق ـــ وصال

نوجوان نے ریت کی دیواروں میں پڑنے والی دراڑ کو درست کرتے ہوئے کہا، فراق بھی وصال ہے۔ پانی میں رہ کر کوئی کیسے بتائے کہ پانی کیا ہے؟ پانی سے الگ ہو کر ہی وہ پانی کو دیکھتا ہے پھر احساس ہوتا ہے کہ کیا پانی کو پانی سے الگ ہو کر دیکھنا ممکن ہے؟

وہ شام کو ساحل پر ٹہلنے کے بعد گیلی ریت پر بیٹھ کر گھروندے بناتا تھا۔ پانی کی لہر آتی اور دیواروں کو بہالے جاتی۔ نہ جانے پانی اور مٹی سے کیا محبت تھی کہ یہاں آ کر وہ ان دونوں کے درمیان تعلق تلاش کرتا اور تلاش سمندر کی لہروں میں گم ہو جاتی۔

وہ سوچتا تھا کہ پانی جب تلوے چھوتا ہے تو ٹھنڈک پیروں سے ہوتی ہوئی سینے تک پہنچتی ہے جیسے مٹی سے بنے وجود کو اپنے اندر جذب کر رہی ہو یا مٹی کے ذرّات کو یکجا رکھنے والے پانی کو سمندر سے جوڑ رہی ہو۔ لہر سے مٹی کے گھروندے کی دیواریں بہہ جاتیں تو اسے خوشی ملتی تھی کیوں کہ پانی کی لہر پانی کو مٹی سے آزاد کر کے ساتھ لے جاتی۔ مگر خوشی کے ساتھ پانی کی پانی سے دوری مٹتے دیکھ کر اندر میں تشنگی بڑھ جاتی تھی۔ دراصل اس دوری کو وہ اپنے اندر مٹتے دیکھنا چاہتا تھا۔

وہ کہتا تھا کہ مٹی پانی اور خشکی تری کا سنجوگ عجیب ہے۔ یہ ساتھ رہتے ہیں، ایک دوسرے میں ملتے ہیں لیکن اپنی اپنی شناخت قائم رکھتے ہیں۔ نہ جانے انہیں فراق کیوں پسند ہے!

کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔

بھائی! جانتے ہو انجانے میں کیسا کھیل کھیل رہے ہو؟ لہروں کے بھنور میں پھنس گئے تو نکلنا ممکن نہیں۔

سر اٹھائے بغیر جواب دیا، پانی اور مٹی ایک دوسرے سے آزاد ہو کر اپنی اپنی مقداروں میں ملنا چاہتے ہیں۔ ساحل وصل اور فراق کا میدان ہے کوئی کھیل نہیں۔

نووارد بولا، تم دیکھتے نہیں کہ پانی ـــ پانی سے مل رہا ہے پھر کیسا فراق ـــ؟

نوجوان نے کہا، پانی ابھی پانی سے کہاں ملا ـــ؟

اگر مل گیا تو ساحل پر کیوں آتا ہے ـــ؟

اس میں اٹھنے والا مدوجزر کیا ہے ـــ؟

نہیں معلوم سمندر خود کو پانی دیکھتا ہے

یا پانی خود کو سمندر دیکھتا ہے!

شاید پانی کو معلوم نہیں کہ سمندر کیا ہے
یا سمندر پانی سے نا آشنا ہے!
کبھی اسے باہر پھینکتا ہے اور جب پانی دور ہوتا ہے
تو اندر سمیٹ لیتا ہے۔ اگر سمندر میں پانی وصل سے
واقف ہے پھر فراق کیا ہے اور فراق ہے کیوں ــــ؟

نو وارد نے آتی جاتی لہروں میں گھروندے بنانے
میں مشغول نوجوان کو کچھ دیر خاموشی سے دیکھنے کے
بعد جواب دیا، ممکن ہے کہ پانی آگہی کے مراحل سے
گزر رہا ہے اور ساحل پر آ کر احساس ہوتا ہے کہ میں
ہی سمندر ہوں اس لئے لوٹ جاتا ہے۔

نوجوان نے بے ساختہ سر اٹھا کر نو وارد کو دیکھا اور
کہا، اور تم کہتے ہو کہ میں بھنور میں پھنس جاؤں گا۔

وہ خاموش رہا۔

یاد رکھو! بھنور میں وہ شے پھنستی ہے جس کی سمت
باقی لہروں سے جدا ہو۔ جس کو تم بھنور کہتے ہو، کبھی غور
کیا ہے کہ وہ ہے کیا؟

لہجے پر زور دیتے ہوئے کہا، دائرہ ہے!

دائرے میں جو لہر ایک بار آ جائے، وہ اسے اپنے
محور سے نکلنے نہیں دیتا، دائرہ در دائرہ فاصلوں کو طے
کرتا ہوا اندر میں لے جاتا ہے اور خود سے متعارف
کرا دیتا ہے۔

میں تمہیں لہروں سے خبردار کرنے آیا تھا مگر خود اس
قصے میں گم ہو گیا۔ بھائی خود بھنور بھی تو حرکت میں
ہے۔ پھر وصال کیا ہے اور فراق کیا ہے ــــ؟

نوجوان نے ریت کی دیواروں میں پڑنے والی دراڑ
کو درست کرتے ہوئے کہا، فراق بھی وصال ہے۔ پانی
میں رہ کر کوئی کیسے بتائے کہ پانی کیا ہے؟ پانی سے
الگ ہو کر ہی وہ پانی کو دیکھتا ہے۔ پھر احساس ہوتا ہے
کہ کیا پانی کو پانی سے الگ ہو کر دیکھنا ممکن ہے؟ اور وہ
ایک بار پھر خود کو پانی کے سپرد کر دیتا ہے۔

نوجوان نے بتایا، میں برسوں سے سمندر کی کہانی
دیکھ رہا ہوں، سن رہا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں۔ کیا تم
نے لہروں میں تلاطم دیکھا ہے ــــ؟

نو وارد نے سر ہلایا کہ دیکھا ہے۔

نوجوان نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا، تم نے
نہیں دیکھا۔ اب میری نظر سے سمندر کو دیکھو!

نو وارد کی پشت سمندر کی جانب تھی، سر موڑ کر آبی
ذخیرے پر نگاہ کی تو نظر آیا کہ لہریں اٹھتی بیٹھتی اور
لپٹتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہیں۔

کیا نظر آیا ــــ؟

بے قراری ہے!

نوجوان نے تشنگی کو زبان پر لاتے ہوئے کہا، یہ
لہریں سمندر میں رہ کر فراق سے دوچار ہیں!

نو وارد بولا، میرا ذہن اس بات کو قبول نہیں کرتا۔
پانی اگر پانی میں رہ کر بے چین ہو تو وصل کیسے اور کہاں
ملے ــــ؟ اگر یہی وجہ ہے تو ان لہروں کو وصل نہیں مل
سکتا۔ مگر ایک بات غور طلب ہے۔

نوجوان نے پوچھا، وہ کیا—؟

اگر پانی کا وصل سمندر سے ہے تو پھر پانی اوپر کیوں اٹھتا ہے۔ نووارد نے دور اٹھنے والی اونچی لہروں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اسے تو اٹھنے کے بجائے بیٹھ کر نیچے تہ سے رجوع کرنا چاہئے۔

نوجوان کے چہرے پر گہری مسکراہٹ در آئی۔

کچھ دیر گزر گئی لیکن اس نے جواب نہیں دیا۔

نووارد بھی نوجوان کے ساتھ ریت پر گھر بنانے میں مشغول ہوگیا۔ سمندری ریت کی مخصوص مہک اندر سرایت کی تو کچھ دیر بعد مہک کا احساس ختم ہوگیا۔ یہ بھی یاد نہیں رہا کہ ہاتھ گیلے اور ریت سے لت پت ہیں۔

ریت میں جذب پانی سے نووارد کے ہاتھ گیلے ہوئے، چمک ہاتھوں پر لگی، پانی جذب ہوگیا اور چمک ہاتھوں پر چپک گئی۔ نگاہ چمک پر مرکوز کی — روزن کھلا اور اس روزن میں فضا کا عکس نمایاں ہوا، پھر بادل نظر آئے اور بادل سے اوپر آسمان تھا۔

نووارد نے ڈوبتی ابھرتی سوچوں سے گھبرا کر اچانک نوجوان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور خبر دیتے ہوئے کہا، زمین پر سمندر آسمان میں بادل ہے۔

اور ان بادلوں میں پانی ہے۔ آسمان سے توانائی بادلوں میں داخل ہوتی ہے تو بارش برستی ہے۔ لہریں اس لئے اوپر اٹھتی ہیں کہ ان کا سورس سمندر کا آبی سانچہ یا تہ نہیں، آسمان سے برسنے والا پانی ہے!

نوجوان نے بات مکمل کی۔

نووارد کو کچھ دیر پہلے اپنے سوال پر اس کی خاموشی اور گہری مسکراہٹ کی وجہ معلوم ہوگئی تھی۔

نوجوان جانتا تھا کہ یہ شخص روز اسے یہاں آتے دیکھتا ہے اور اس کے معمول سے واقف ہے۔ اسے علم تھا کہ میری طرح یہ بھی فراق میں مبتلا ہے اس لئے اپنے اندر کی تشنگی میرے اندر دیکھ کر آج یہ قریب آیا اور مجھے ان لہروں سے خبردار کیا۔ ورنہ روزانہ کتنے لوگ یہاں سے گزرتے ہیں، کبھی کسی نے رک کر نہیں پوچھا کہ بار بار گھر کیوں بناتے ہو۔ اس نے کہا،

آسمان، بادل، پانی، سمندر اور ساحل

ساحل، سمندر، پانی، بادل اور آسمان

سب فراق کا نظام اور وصال کے سلسلے ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے الگ لیکن ملے ہوئے ہیں۔ پانی کبھی ساحل پر جاتا ہے، کبھی نیچے بیٹھتا ہے اور کبھی اوپر اٹھتا ہے — بے قراری بتاتی ہے کہ پانی سفر میں ہے۔

نووارد ہنستے ہوئے بولا، میں تمہیں خبردار کرنے بیٹھا تھا اور تمہارے پاس بیٹھ کر خود خبر بن گیا۔ ان لہروں اور گیلی ریت میں تسکین کیسی ہے؟

نوجوان نے متوجہ کیا، ریت میں چمک بھی تو ہے۔

ہاں! اس چمک میں ایک در کھلا اور میں نے آفاق کو انفس میں دیکھا۔ اسی چمک میں مجنوں لیلیٰ کو دیکھتا تھا۔ وہ بھی تمہاری طرح سمندر کے کنارے بیٹھا ریت

چھان رہا تھا۔ میری طرح کسی نے اس سے پوچھا،

میاں مجنوں! ریت کیوں چھان رہے ہو—؟

مجنوں نے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا اور جواب دیئے بغیر ریت چھاننے میں مصروف ہوگیا۔ وہ بندہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور پوچھا، مجنوں بھائی یہ کام کب سے کررہے ہو—؟

مجنوں بولا، پتہ نہیں۔

ریت کیوں چھان رہے ہو—؟

اس بار مجنوں نے نہایت اشتیاق سے کہا، لیلیٰ کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ اسے تعجب ہوا کہ لیلیٰ! کیا لیلیٰ ریت میں رہتی ہے—؟

مجنوں کی نگاہیں یک لخت ریت کے ذرّات میں گم ہوگئیں۔ آنکھ کے ڈیلے ٹھہر گئے اور اس نے کہا، اگر ریت میں لیلیٰ نہیں ہے تو پھر ریت میں چمک دمک کیسی؟ یہ لیلیٰ کے حسن کا جمال ہی تو ہے جس سے ریت میں ذرّات چمک رہے ہیں۔

کہانی سن کر نوجوان نے کہا، زمین بے قرار ہے اور گردش میں ہے کہ اس کا مرکز آسمان ہے۔ آسمان بے قرار ہے، ایسا بے قرار کہ تکمیل کی تلاش میں نفی کرکے اپنی سمتیں گم کردی ہیں۔ آسمان کا دوسرا رخ زمین ہے۔ پانی، مٹی، آسمان، زمین اور جو کچھ ان میں ہے، یہ سب ایک دوسرے سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان کے ملن اور دوری سے کائنات کا نظام قائم ہے۔

نووارد بولا، لگتا ہے تم قریب آگئے ہو؟

نوجوان نے بے نیازی سے کہا، دور میں پہلے بھی نہیں تھا۔ بس ناواقف تھا اور ناواقفیت دوری بن گئی۔ جو پانی سمندر ہے، کیا یہاں بیٹھ کر میرے ہاتھوں میں جذب نہیں ہوگیا—؟ ریت میں چمک آئینہ ہے اور میں اس آئینے میں کیا کیا نہیں دیکھتا۔ ریت میں ٹھنڈک جسم کا حصہ محسوس ہوتی ہے۔ لگتا ہے کہ کمہار نے اسی مٹی سے مجھے بنایا ہے، ایک روز اسی میں مل جاؤں گا، لہر آئے گی اور مجھے سمندر سے آشنا کرے گی اور سمندر بخارات بن کر بادلوں تک پہنچا دے گا۔ پانی کی طرح میں بھی سفر میں ہوں!

وقت کے ابدال کا کہنا ہے،

دنیائے طلسمات ہے ساری دنیا
کیا کہئے کہ ہے کیا یہ ہماری دنیا
مٹی کا کھلونا ہے ہماری تخلیق
مٹی کا کھلونا ہے یہ ساری دنیا

گھروندا مکمل ہوا تو ایک بڑی لہر آئی اور ریت کے ذرّات بہا لے گئی۔ جو باقی رہ گئے وہ ایک بار پھر قالب میں ڈھلنے کے لئے کمہار کے منتظر تھے۔

وہ دونوں کچھ کہے بغیر اٹھے اور کل پھر ملنے کے لئے متضاد سمتوں میں چل دیئے۔

★ قارئین! مضمون غور سے پڑھئے۔ اس میں جو قوانین بیان کئے گئے ہیں، لکھ کر ادارے کو بھیج دیجئے۔

سید اسد علی

دیکھا جو اسے بعد فنا ہونے کے

بادشاہ کو ہر وقت خدشہ رہتا تھا کہ دشمن قتل نہ کر دیں چناں چہ محل میں متعدد خواب گاہیں بنائی جاتی تھیں۔ کسی کو علم نہ ہوتا کہ بادشاہ آج کس کمرے میں ہے۔

حامل علم لدنّی حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں:

''اقتدار کی خواہش، جنس کا غلبہ اور غصہ ـــ آدمی کی تین بنیادی کم زوریاں ہیں۔ کوئی فرد اس وقت تک روحانی انسان نہیں بن سکتا جب تک وہ ان کم زوریوں پر قابو نہ پالے۔''

یہ خامیاں فرد کی انفرادی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں، گھر، خاندان اور محلے کے ماحول کو پراگندہ کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں اور اجتماعی سطح پر شدید اضطراب اور بے چینی پھیلانے کا سبب بنتی ہیں۔ معاشرے اور قوموں کے مزاج میں شامل ہو کر احساس محرومی اور فتنہ و فساد پیدا کرتی ہیں۔ تینوں خامیاں وسیع عنوانات ہیں جن پر لکھنے کے لئے مشاہدات اور تاریخی صفحات کی کمی نہیں ہے۔ رسالے میں صفحات کے پیش نظر مضمون میں ان خامیوں میں سے ایک، اقتدار کی خواہش کا تاریخی حوالے سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ ہزاروں سال کی معلوم تاریخ میں اس منفی خواہش نے ایسے واقعات جنم دیئے ہیں کہ انسانیت رہتی دنیا تک شرمندہ رہے گی۔

آدمی ابتدائی دور سے اقتدار کی خواہش کے زیر اثر رہا ہے البتہ مورخین کے مطابق جب شہری ریاستیں وجود میں آئیں تو اقتدار کی رسہ کشی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس زمانے میں مذہبی دانش وروں اور حکم رانوں میں اقتدار کی جنگ ہوتی تھی۔ دونوں اجارہ داری چاہتے تھے۔ بادشاہوں کو حکومتی امور میں مداخلت ناپسند تھی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ آدمی اقتدار پرستی میں حدود پار کر جاتا ہے۔ نمرود نے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے خدائی کا دعویٰ کیا۔ وہ قوی ہیکل اور بااثر تھا، دانش وروں کے بنائے ہوئے نظام کو تہس نہس کر دیا، عوام کے سامنے خود دیوتا بن کر آیا اور اپنی مورتی کی پرستش کرائی۔

قدیم ایران کے ساسانی بادشاہ بھی یہی چاہتے تھے کہ رعایا ان کی پرستش کرے۔ بادشاہ کو اختیار تھا کہ مقدمہ چلائے بغیر موت کا حکم دے۔ بادشاہ کی ماں اور اس کی بڑی ملکہ کو بھی اختیارات حاصل تھے کہ جسے چاہیں موت کے گھاٹ اتار دیں۔

اقتدار پرستی عدم تحفظ میں مبتلا کرتی ہے۔ بادشاہ کو

ہر وقت خدشہ رہتا تھا کہ دشمن قتل نہ کر دیں چناں چہ محل میں متعدد خواب گاہیں بنائی جاتی تھیں۔ کسی کو علم نہ ہوتا کہ بادشاہ آج کس کمرے میں ہے۔

کہتے ہیں کہ اردشیر اول، خسرو اول، خسرو دوم اور کئی دوسرے ساسانی بادشاہوں کے لئے چالیس کمروں میں بستر بچھائے جاتے تھے۔ بعض اوقات بادشاہ ان میں سے کسی کمرے کو استعمال نہ کرتا بلکہ عام کمرے میں بغیر بستر کے ہاتھ کا سرہانہ بنا کر سو جاتا تھا۔

قدیم ایران میں سلاطین اور امرا بھی اقتدار پرست تھے۔ وہ خود کو دیوتا کہتے تھے۔ رعایا ان کو سجدے کرتی تھی۔ ان کے جرائم معاف تھے اور کسی کو ان کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں تھی۔

مصری معاشرے میں اعلیٰ طبقہ مذہبی پیشواؤں اور امرا کا تھا۔ یہ تعداد میں کم لیکن اختیارات اور اثر و رسوخ میں زیادہ تھے۔ ان کے پاس غلاموں کی فوج تھی۔ اسی طرح مصر میں زمین فرعون کی ملکیت تھی اور ہر شخص احکامات ماننے پر مجبور تھا۔ عوام کی حیثیت فرعون کے غلاموں کی تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ہمارا اقتدار مرنے کے بعد قائم رہے گا۔ بادشاہ کو ایک کمرے میں دفن کیا جاتا، زیورات اور اجناس رکھے جاتے اور غلاموں اور کنیزوں کی جماعت ساتھ ہوتی۔ دروازہ بند کر کے مٹی کا ڈھیر لگا دیا جاتا کہ پتہ نہ چلے کہ بادشاہ ساز و سامان کے ساتھ مدفون ہے۔ بادشاہ کی میت پر جو گزرتی ہوگی سو گزرتی ہوگی لیکن غلاموں اور کنیزوں کے زندہ دفن ہونے کے تصور سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

گروہوں میں اقتدار کی خواہش پروان چڑھتی ہے تو ہر گروہ خود کو زیادہ با عزت اور معتبر ثابت کرنے میں لگ جاتا ہے۔ نتیجے میں معاشرہ فرقوں میں بٹتا ہے جس کی بنیاد نسلی یا خاندانی امتیازات ہوتے ہیں یا یہ تقسیم زبان اور مذہب کے نام پر ہوتی ہے۔

مورخین کے مطابق جب رومیوں کا دور آیا تو ایک وقت کے بعد پیشواؤں نے حکومتی امور میں مداخلت شروع کر دی۔ قیصر نے مجبوراً کچھ اختیارات انہیں دیئے۔ رفتہ رفتہ وہ حکومت پر قابض ہو گئے۔ قیصر کی حکومت برائے نام رہ گئی۔ پھر ایک وقت کے بعد اقتدار کی تقسیم پر پیشواؤں میں اختلافات کی وجہ سے فرقے بنے اور حکومت میں ان کا عمل دخل کم ہوتا گیا۔

ہندومت میں ذات برادری کی تقسیم کے حوالے سے سرکار زینی جارچوی ''مادر کائنات'' میں لکھتے ہیں،

''ہندو مذہب میں جن چار طبقوں برہمن، کھتری، ویش اور شودر کا ذکر ملتا ہے، ان کے متعلق بالتحقیق متفقہ طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ ابتدا میں ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ معاشرے میں طبقاتی تقسیم کی ابتدا بھی بعد میں ان پنڈتوں اور پروہتوں نے کی تھی جو مذہب کے ٹھیکے دار بن گئے تھے۔ حالاں کہ ان سے ذرا پہلے اسی دور میں مساوات اس حد تک تھی کہ ویش کی لڑکی کھتری اور برہمن کو بیاہی جا سکتی تھی۔ وید کے اشلوک شودر بھی اسی

طرح سن سکتا تھا جس طرح برہمن، کھتری اور ویش۔
اس کے کانوں میں پگھلا سیسہ نہیں ڈالا جاتا تھا۔''

بادشاہوں کے واقعات کا مطالعہ کیا جائے تو انہوں نے اقتدار پرستی کے لئے خونی رشتوں کی عزت، احترام اور تقدس کو پامال کیا۔ اکبر بادشاہ بنا تو سوتیلے بھائی مرزا عبدالحکیم نے سازش کی اور لاہور پر حملہ کر دیا۔ اکبر نے شکست دی اور مرزا عبدالحکیم نے عمر قید میں گزاری۔

اکبر کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا۔ جہانگیر کے بیٹے خسرو نے بغاوت کر دی۔ باغیوں کو شکست ہوئی اور سرعام پھانسی دی گئی جب کہ اپنے بیٹے شہزادہ خسرو کو اندھا کروا کر قید میں ڈال دیا۔ جہانگیر کے بعد شاہ جہاں تخت نشین ہوا۔ اس کے دو بھائی شہزادہ شہریار اور داور نے بغاوت کر دی۔ شاہ جہاں نے بغاوت کچل کر شہریار کو اندھا کر دیا اور شہزادہ داور مارا گیا۔

شاہ جہاں کی زندگی میں اس کے بیٹوں (داراشکوہ، اورنگ زیب، شجاع اور مراد) کے درمیان تخت کے حصول کے لئے خوں ریز جنگیں ہوئیں جن میں اورنگ زیب کو فتح ہوئی، باقی شہزادے مارے گئے۔

اورنگ زیب نے اقتدار سنبھال کر باپ شاہ جہاں کو لال قلعے میں قید کر دیا۔ زندگی کے آخری آٹھ سال باپ نے بیٹے کی قید میں گزارے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں میں دس سال کے عرصے میں سات (7) خوں ریز جنگیں ہوئی۔ بڑی تعداد میں فوجی مرے اور مغل سلطنت کم زور ہوگئی۔

اقتدار کے حصول کے لئے ناحق خون کرنا اور خونی رشتوں کو قربان کرنے کی روایات صرف برصغیر میں نہیں تھیں، یہ بادشاہوں کے مزاج کا خاصّہ رہا ہے۔

سکندر اعظم کا شمار دنیا کے بڑے بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ اس نے تخت و تاج سنبھالنے کے بعد اقتدار پر گرفت مضبوط کرنے اور مستقبل میں ممکنہ سازشوں سے بچنے کے لئے کئی خونی رشتوں کو قتل کیا۔ چچازاد بھائی ''اے منٹاس'' جو رقیب ثابت ہوسکتا تھا، اسے راستے سے ہٹایا۔ دو سابق شہزادوں اور سوتیلی ماں قلوپطرہ کے چچا اٹالس کو قتل کرایا۔ وہ اس کے خلاف سازشوں میں شریک تھے۔ یہاں تک کہ سگی ماں کے اکسانے پر نوزائیدہ دودھ پیتی سوتیلی بہن کو قتل کرا دیا۔

600 ق م میں قدیم ایران کا مشہور بادشاہ کوروش اعظم گزرا ہے۔ اس کی قیادت میں ایران نے جنوب مغربی ایشیا، وسطی ایشیا، یورپ کے کچھ علاقے اور کوہ قاف فتح کیا۔ مغرب میں بحیرہ روم اور درۂ دانیال سے لے کر مشرق میں ہندوکش تک کا علاقہ فتح کر کے اس دور کی عظیم ترین سلطنت قائم کی۔

کوروش کی پیدائش سے پہلے اس کا نانا استاغیث تخت نشین تھا۔ بیٹی نے خواب دیکھا کہ ایک سیلاب اٹھا پھر پھل دار بیلیں ملک میں پھیل گئیں۔ مشیروں نے بادشاہ استاغیث کو تعبیر بتائی کہ اس کا نواسہ ایک دن

بغاوت کر کے تخت الٹ دے گا۔

بادشاہ استاغیث نے بیٹی ''منڈانے'' کو ایک علاقے ایکبا تانہ بھیج دیا۔ بیٹی امید سے تھی۔ نومولود کے قتل کی ذمہ داری مقامی چرواہے کے سپرد کی گئی۔ چرواہے کے گھر انہی دنوں بچہ کی پیدائش ہوئی۔ بچہ مردہ تھا۔ اس نے کوروش کو گود لے کر اپنے بیٹے کو کوروش ظاہر کیا۔

مورخین کے مطابق تقریباً پانچ ہزار سال قبل مسیح میں زمین پر مادری نظام رائج تھا اور خاندان، وراثت اور شجرہ عورت سے منسوب کیا جاتا تھا۔ معاشرے میں خواتین اول حیثیت رکھتی تھیں ۔ پھر سمیری دور، جو 4000 قبل مسیح میں شروع ہوا، مردوں نے ہوشیاری سے خواتین کے اقتدار پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ پہلی حکمت عملی یہ وضع کی کہ مردوں کے بت بنائے جانے لگے جنہیں عوام میں دیوتا کی حیثیت سے پیش کیا جاتا۔ عوام ان بتوں سے مرادیں مانگتی اور پرستش کرتی تھی۔ آج بھی کئی تہذیبوں میں مردوں کے بتوں کی پوجا ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جنوب مشرقی افریقا کا ''دورمباز'' قبیلہ اپنے راجا کو دیوتا مانتا ہے۔

وسطی افریقا کے ''باگاندہ'' قبیلے کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ان کا ساحر دیوتا پہاڑ میں رہتا ہے۔ ایک دوسری قوم ''اروار'' کا سردار بھی خود کو دیوتا سمجھتا ہے۔ وہ کئی دن تک کچھ نہیں کھاتا اور کہتا ہے کہ مجھے کھانے کی ضرورت نہیں، کبھی کبھار شغل کے طور پر کچھ کھا لیتا ہوں۔ غرض ہر دور میں شر پسند لوگوں کی طرف سے خدائی کے دعوے ہوئے اور ان دعووں کی طرح وہ سب خاک میں مل گئے۔

رومی تہذیب میں بھی مردوں نے رفتہ رفتہ عورتوں کے اقتدار پر قبضہ کیا اور انہیں قید میں ڈال دیا۔ عورتوں کے ساتھ حیوانوں سے بدتر سلوک کیا گیا۔ بیویوں اور کنیزوں کے بعد کنواری لڑکیوں کے گھروں سے نکلنے پر پابندی عائد کی گئی۔ مردوں سے بات کرنے کی ممانعت تھی۔ ایتھنز کے لوگ عورتوں کو گھر کے علیحدہ حصے میں رکھتے تھے۔ ان سے صرف عورتیں مل سکتی تھیں۔ بیویوں کی حفاظت کے لئے کتّے پالے جاتے تھے۔

ایشیا کے لوگ پہرے کے لئے خواجہ سرا رکھتے تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اکبر کے ایک قاضی کے متعلق ''دربار اکبری'' میں لکھا ہے کہ وہ جب دربار میں حاضری دینے جاتا تو بیویوں کو قید کر کے چابیاں ساتھ لے جاتا تھا۔ یہ طریقہ سولہویں صدی عیسوی تک یورپ میں بھی جاری رہا۔ رفتہ رفتہ اقتدار پر مرد پوری طرح قابض ہو گئے۔ اب مرد معاشروں میں عورت نحوست اور بدقسمتی کی علامت تھی جس کی پیدائش پر سوگ منایا جاتا اور زندہ دفن کیا جاتا تھا۔ عورت نے شوہر کی چتا کے ساتھ جلنے اور کاروکاری جیسی روایت کو بھی جھیلا ہے۔

یہ اقتدار کی خواہش تھی کہ معلم الملکوت، شیطان مردود بن گیا۔ شیطنت کے زیر اثر بادشاہوں اور دیگر

لوگوں نے دنیا کے سکون کو پامال کیا۔

اقتدار کی خواہش کیوں پیدا ہوتی ہے ــــ؟

مخلوق وسائل کی محتاج ہے۔ جب ذہن پر سے تخلیق کرنے والی ہستی کا تصور مغلوب ہوتا ہے تو فریب زدہ سوچ کو بنیاد فراہم کرنے کے لئے وہ مال و دولت، جائیداد اور طاقت کا سہارا لیتے ہیں اور خود کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ موت شداد کو بھی آئی جس نے مصنوعی جنت بنائی تھی۔ اہل فکر خواتین وحضرات کے مطابق اقتدار ملکیت کا تقاضا ہے۔ ابدالِ حق رباعی میں فرماتے ہیں،

انسان کا غرور اقتدار و زر ہے
گر یہ بھی نہیں تو مذہب و منبر ہے
دیکھا جو اسے بعد فنا ہونے کے
معلوم ہوا یہ خاک مٹھی بھر ہے

آدمی ساری زندگی میرا مال میرا مال کرتا ہے۔ سونے چاندی کے ذخیرے جمع کرتا ہے۔ معیار زندگی کو بلند سے بلند کرنے میں حدود کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ نام ونمود کے لئے رشتوں کا تقدس پامال کرتا ہے اور ناحق خون بہانے سے گریز نہیں کرتا۔ پھر عمر بھر کی بھاگ دوڑ کیا ہوئی؟ جب دولت یہاں سے بعد کی دنیا میں کام نہیں آتی تو ہم اس کو ذخیرہ کیوں کرتے ہیں؟ قرآن کریم میں اقتدار اور ملکیت کے بارے میں ارشاد ہے:

''اللہ زمین اور آسمان کی ساری موجودات کا مالک ہے اور سخت تباہ کن سزا ہے قبول حق سے انکار کرنے والوں کے لئے۔'' (ابراہیم:۲)

علمائے باطن فرماتے ہیں،

''آدمی خالی ہاتھ آتا ہے اور خالی ہاتھ چلا جاتا ہے۔ جب آتا ہے تو جسم پر کپڑے نہیں ہوتے اور جب مرتا ہے تو کتنا ہی امیر آدمی کیوں نہ ہو اس کے کپڑے قینچی سے کاٹ کر اتار دیئے جاتے ہیں ــــ پھر ملکیت اور اقتدار کا دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے ــــ؟''

زندگی خود کو مسافر سمجھ کر گزارنی چاہئے۔ مسافر سرائے میں ٹھہرتا ہے وہاں موجود چیزیں استعمال کرتا ہے لیکن اس کے دل و دماغ میں راسخ ہوتا ہے کہ وہ مہمان ہے، ایک روز سب چھوڑ کر چلے جانا ہے۔

حامل علم لدنّی ابدالِ حق فرماتے ہیں،

''اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر آن اپنی مخلوق کی خدمت میں مشغول ہیں، مخلوق کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی زندگی کے لئے وسائل فراہم کرتے ہیں لیکن اس معاملے میں مخلوق سے کوئی صلہ اور بدلہ نہیں چاہتے۔ بندہ اگرچہ خالق کی طرح مخلوق کی خدمت نہیں کرسکتا لیکن اپنی سکت، صلاحیت، بساط کے مطابق کسی صلے یا بدلے کے بغیر وہ اللہ کی مخلوق کی خدمت کرسکتا ہے۔ وہ مخلوق ہوتے ہوئے وسائل کی احتیاج سے ماورا نہیں ہوسکتا لیکن اپنی ہر حاجت اور ضرورت کو اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے وابستہ کرسکتا ہے۔ اس طرز عمل کی وجہ سے وہ اللہ کی بادشاہت کا ایک رکن بن جاتا ہے۔''

مرکزی مراقبہ ہال کراچی

چھبیسویں

روحانی ورکشاپ

''اسلام اور تصوف''

سلسلہ عظیمیہ کے امام حضور قلندر بابا اولیاؒ کے اکتالیسویں عرس کے موقع پر **26 جنوری 2020ء بروز اتوار**، مرکزی مراقبہ ہال میں منعقد ہونے والی روحانی ورکشاپ کا عنوان مرشدِ کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے ''اسلام اور تصوف'' مقرر کیا ہے۔

رجسٹریشن کا آغاز	08 دسمبر 2019ء بروز اتوار
رجسٹریشن فیس	-/1800 روپے
16 سال سے کم عمر	-/1200 روپے

نوٹ : نشستوں کی تعداد محدود ہے۔ رجسٹریشن جلد از جلد کروائیں۔

★ 11 سے 16 سال تک کی عمر/سیکنڈری اسکول کے طالب علموں کے لئے بھی نشستیں مخصوص کی گئی ہیں۔

ورکشاپ میں شرکت کے خواہش مند خواتین وحضرات کی سہولت کے لئے عرض ہے کہ ناموں کے اندراج اور فیس جمع کرنے کے لئے اپنے شہر میں قائم مراقبہ ہال کے نگراں سے رابطہ کریں۔

رابطہ کے لئے: آرگنائزر روحانی ورکشاپ، مرکزی مراقبہ ہال، ST-06، سرجانی ٹاؤن، کراچی

پوسٹ کوڈ: 75850 فون نمبر: 36912786-21-92+، فیکس نمبر: 36910786-21-92+

ای میل: markazi.muraqaba.hall@gmail.com

http://Facebook.com/Roohani.Workshop/

ڈاکٹر احمد ممتاز اختر

وہم کا گیٹ

وہ شک کے سبب عدم تحفظ کا شکار ہوا، یہ نہیں دیکھا کہ جس کو سجدے کا حکم ہے وہ مٹی کا پتلا نہیں، پتلے میں موجود صفاتی علوم ہیں۔

تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر
(اقبالؔ)

اسرارِ کُن فیکون کے واقف ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ مینارہ نور ہیں جن کی تعلیمات بھٹکی ہوئی، سسکتی ہوئی اور غم و آلام میں ڈوبی ہوئی نوع انسانی کے لئے سکون و آشتی کا پیغام ہیں۔ ان کی تعلیمات پر تفکر کر کے نوع آدم انفرادی و اجتماعی ترقی کے ساتھ کائنات کے رازوں سے پردہ اٹھا سکتی ہے اور دنیا کو امن و سکون کا گہوارہ بنا سکتی ہے۔

سرچشمۂ صدق و صفا بابا قلندر اولیاؒ
تابندہ از نورِ خدا بابا قلندر اولیاؒ
تکریم بھی، تعظیم بھی، تسلیم بھی، تحریم بھی
سکھلا گئے کیا کیا ادا بابا قلندر اولیاؒ

حضور قلندر باباؒ نے سرور کائناتؐ کی پیروی کر کے نوع آدم کو فکر کا ایسا ورثہ عطا کیا ہے جو تعصّبات کی زنجیریں توڑ کر سب کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرتا ہے۔

موجودہ دور میں تفریق کی ایک وجہ زبانوں کی تبدیلی سے پیدا ہونے والے مسائل ہیں۔ قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات بتاتی ہیں کہ الفاظ سے زیادہ ان کی معنویت کی حیثیت ہے کیوں کہ الفاظ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ خالق کائنات کو مختلف زبانوں میں مختلف نام سے پکارا جاتا ہے، سب کا مقصد صرف لامحدود اور عظیم ذات کو پکارنا ہے۔ اسی طرح ہر دور میں روح کا نام زبان کی مناسبت سے بدلتا رہا۔ کسی نے soul اور کسی نے آتما کہہ دیا۔ نام تبدیل ہوتے رہے لیکن حقیقت نہیں بدلی۔ زبان بولنے والوں نے معنی پر دھیان نہیں دیا، الفاظ کو اہمیت دی اس لئے معنی نظر انداز ہو گئے اور الفاظ میں فرق سے ذہن میں شک پیدا ہوا۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ کا طرز تعلیم جدید زمانے کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے۔ انہوں نے شک سے بچنے پر بہت زور دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں،

''وہم (شک۔doubt) میں پھنسنا نہیں چاہئے

اس لئے کہ وہم تذبذب کو جنم دیتا ہے۔

انما امرہٗ اذا اراد شیاً ان یقول لہٗ کن فیکون

کسی بات کا ارادہ کرتے ہی ہو جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ وہم کا گیٹ کلوز رہنا چاہئے۔ اگر کسی شخص کے سر پر ہاتھ رکھ کر ـــ ان اللہ علیٰ کل شیئٍ قدیر ـــ گیارہ مرتبہ پڑھا جائے اور دم کیا جائے اور تین مرتبہ اس طرح کیا جائے تو وہم کا گیٹ کلوز ہو جائے گا۔ وہم کے قریب نہیں جانا چاہئے کہ وہ doubt پیدا کرتا ہے اور شک کی پرورش ہوتی ہے اور اس طرح ڈالی پہ ڈالی پھیلتی چلی جاتی ہے۔ اس کا بڑھنا رکتا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ شک کو ناپسند کرتے ہیں جو وہم کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے۔'' (کتاب: قدرت کی اسپیس)

حامل علم لدنّی قلندر بابا اولیاءؒ کے فرمان کے مطابق انفرادیت ایسا عمل ہے جو ایک شخص، ایک جماعت یا پوری قوم پر مشتمل ہوسکتا ہے۔ فرد کی سطح پر انفرادیت سے ہم واقف ہیں۔ جماعت اور قوم کی سطح پر انفرادیت یہ ہے کہ ایک گروہ خود کو دیگر سے ممتاز سمجھے اور دوسروں کا استحصال کر کے اپنے مفاد کو اولیت دے۔ بظاہر وہ ترقی کرتا ہے لیکن اس ترقی کے باطن میں شک اور تغیر کے سوا کچھ نہیں۔ فطرت کے برعکس سوچ میں خیر کے بجائے شر اور عدم تحفظ ہوتا ہے۔ ایسی صورت حال میں فرد، جماعت یا قوم کا یقین ٹوٹ جاتا ہے۔

''جب شک زمین میں پھیل جاتا ہے تو اس انتشار سے آفات ارضی حرکت میں آجاتی ہیں اور پھیل جاتی ہیں۔ چناں چہ سیلاب، زلزلے، وبائیں وغیرہ ظہور میں آتی ہیں۔ کبھی کبھی خانہ جنگی بھی ہوتی ہے جس سے قوم اور افراد کا اعصابی نظام تباہ ہو جاتا ہے جو طرح طرح کی بیماریاں پھیلنے کا موجب بنتا ہے۔''

شک کی ابتدا کیا ہے ـــ؟ اللہ تعالیٰ نے آدم کا پتلا بنایا اور فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا تو سب نے سجدہ کیا مگر عزازیل نے انکار کر دیا۔ وہ شک کے سبب عدم تحفظ کا شکار ہوا، یہ نہیں دیکھا کہ جس کو سجدے کا حکم ہے وہ مٹی کا پتلا نہیں، پتلے میں موجود صفاتی علوم ہیں جس کی وجہ سے خاکی وجود کو کائنات میں تمام مخلوقات سے اشرف قرار دیا گیا ہے۔ غور طلب ہے کہ جب فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں تو آدم اس وقت علم الاسما سے واقف تھے اور انہوں نے اس کا مظاہرہ کیا۔ نافرمانی پر عزازیل ـــ ابلیس بن گیا۔

آدم کا مستقر جنت قرار پایا۔ وہاں ٹائم اور اسپیس کی آزادی ہے۔ انہیں حکم ہوا کہ جہاں سے جی چاہے، خوش ہو کر کھاؤ پیو اور شجر ممنوعہ کے قریب نہ جانا۔

خوش رہنے میں حکمت یہ ہے کہ وقت اور اسپیس کا احساس نہیں ہوتا، اطمینان وسکون غالب ہونے سے ذہن تقسیم نہیں ہوتا بلکہ اللہ سے قربت کا احساس ہوتا ہے اور یہی خوشی کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

آدم نے جب تک حکم کی تعمیل کی ـــ جنت کی ہر شے

اس کے لئے مسخر تھی۔ بالآخر شیطان کے اکسانے پر وہ درخت کی طرف متوجہ ہوگیا۔ یہ نافرمانی یعنی اللہ سے دوری تھی جس نے یقین اور خوشی کو پس پشت ڈال کر ناخوشی اور بے یقینی کو بیدار کیا اور آدم شک میں مبتلا ہوگیا۔ شک کا سبب اللہ سے دوری ہے۔

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

(البقرۃ: ۱۵۳)

صلوٰۃ کے معنی ربط ہیں اور صبر یقین کے ساتھ راضی برضا رہنا ہے۔ صبر اور صلوٰۃ — قدرت کی اسپیس ہیں جو اس نے خود تک پہنچنے کے لئے مخلوق کو عطا فرمائی ہیں۔ یہ الفاظ کلیدی حیثیت رکھتے ہیں کہ صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔ صبر کی اسپیس سے گزرنے والے پر اللہ کی خصوصی توجہ ہوتی ہے کیوں کہ وہ اپنے اور خالق کے درمیان ربط میں شیطان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا لہٰذا اللہ تعالیٰ اسے اپنے خاص بندوں میں شامل کر کے شک سے محفوظ کر دیتے ہیں۔

''اس بدانجامی سے اللہ کے وہی بندے محفوظ ہیں جنہیں اللہ نے اپنے لئے خالص کر لیا ہے۔''

(الصّٰفّٰت: ۷۴)

اللہ تعالیٰ نہایت مہربان اور بے پایاں محبت کرنے والے ہیں۔ اللہ نے مخلوقات پر سب سے بڑا کرم اور احسان اپنے محبوب رحمۃ للعالمینؐ کی صورت میں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آخری الہامی کتاب قرآن میں وہ فارمولے نازل فرمائے جن کا علم حاصل کر کے ہم شک سے نکل کر واپس جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔

جنت حضوری کی اسپیس ہے۔

دین و دنیا کے فرائض پر غور کریں۔

۱۔ اللہ پر ایمان، انبیائے کرام پر ایمان، الہامی کتابوں پر ایمان، فرشتوں پر ایمان اور یوم حساب پر ایمان۔ ان کی حکمت میں ظاہر کے ساتھ باطن کا علم ہے۔ اللہ پر ایمان سے شک دور ہوتا ہے۔ انبیائے کرام کی تعلیمات پر عمل کرنے سے امتوں کے درمیان شر پسند گروہ کی پیدا کردہ تفریق ختم ہوتی ہے اور سب جان لیتے ہیں کہ اللہ کا پیغام شروع سے آخر تک ایک ہے۔ الہامی کتب اور آخری آسمانی کتاب قرآن کریم میں معاشرت کے اصول اور تکوینی قوانین ہیں۔ فرشتوں کا مشاہدہ ہو جائے تو فرشتے اللہ کے حکم سے ہر وقت فرد کی خدمت میں حاضر باش رہتے ہیں۔ اور یوم حساب کے معنی ہیں کہ بندہ اللہ کی طرف سے ہے، اللہ کی طرف لوٹتا ہے اور اس کے ایک ایک عمل اور دل میں آنے والے ہر خیال سے اللہ واقف ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اعزہ، اقربا، یتیموں، مساکین اور مسافروں کی خدمت اور مدد کا حکم دیا ہے۔ اس سے دولت کے ارتکاز کی نفی ہوتی ہے۔

۳۔ صلوٰۃ قائم کرنا اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پاسداری ہے۔ ان سے دنیاوی

معاملات میں منہمک رہنے کی نفی ہوتی ہے۔ بندہ جانتا ہے میں اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کر رہا ہوں۔

۴۔ روزے سے تغیر کا ترک ہوتا ہے اور بیداری میں نیند کی دنیا کے حواس غالب ہوتے ہیں۔

۵۔ حج کی ادائیگی میں دنیاوی جاہ وحشم کی نفی ہے۔

ناظم آباد کے مکان میں ایک صاحب ملاقات کے لئے آئے۔ باتوں کے دوران وہ جسم کھجا لیتے تھے۔ عظیمی صاحب نے سبب دریافت کیا تو بتایا کہ خارش کی شکایت ہے۔ انہوں نے دم کر دیا۔ وہ ملاقات کر کے چلے گئے لیکن عظیمی صاحب مرض سے متاثر ہو گئے۔ انہوں نے اپنے مرشد کریم قلندر بابا اولیاؒ سے عرض کیا۔ قلندر باباؒ نے فرمایا کہ کچھ نہیں ہے، آپ کے ذہن نے خارش کو نوٹ کر لیا۔ جیسے ہی قلندر بابا اولیاؒ نے یہ فرمایا، شاگردِ رشید کے ذہن سے خارش کا خیال نکل گیا اور وہ صحت یاب ہو گئے۔

زندگی توجہ کا نام ہے اور اسی کے سبب تحریکات ظاہر ہوتی ہیں۔ توجہ نافرمانی کی طرف ہے تو ذہن شکوک و شبہات میں مبتلا رہتا ہے۔ توجہ اللہ کی طرف ہے تو دل یقین سے منور ہوتا ہے۔ ہر شے جس کا ہم تذکرہ کرتے ہیں، وجود رکھتی ہے اور اس سے ہم کسی نہ کسی درجے میں متاثر ہوتے ہیں۔ اسی لئے دینی فرائض میں ہے کہ ہمہ وقت اللہ سے ارتباط رہے تاکہ دوسرا نقش غالب نہ ہو۔

عظیمی صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرے مرشد کریم قلندر بابا اولیاؒ فرماتے تھے کہ فقیر کی عجب شان ہے۔

عرض کیا کہ حضور کیا شان ہے؟

فرمایا، لوگ بے وقوف بناتے ہیں، آخر تک بنتا رہتا ہے۔ فقیر یہ سمجھتا ہے کہ مجھے بے قوف بنا کر یہ خوش ہو رہا ہے تو چلو اسے خوش ہونے دو۔ وہ بے وقوف بنتا چلا جاتا ہے تاوقتیکہ وہ بندہ خود ہی بھاگ جائے یا اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ سیدنا حضور پاکؐ فرماتے ہیں،

''مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔''

مومن کا دیکھنا عام انسانوں کی طرح ہے لیکن وہ اللہ کے نور کے ذریعے جو کچھ دیکھتا ہے اس کا اظہار نہیں کرتا۔ اسے جو علم عطا کیا گیا ہے وہ امین بن کر حفاظت کرتا ہے۔ اللہ کے دوست شک کے جال میں پھنسنے سے بچنے کے لئے ماضی میں تفکر کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ماضی جنت کی دنیا ہے جس میں یقین کی اسپیس غالب ہے جب کہ عالم ناسوت میں شک کی اسپیس کا غلبہ ہے۔ دعا ہے کہ ہم سب شک سے دور ہو جائیں اور یہ اولیاء اللہ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ممکن ہے کہ اللہ کے دوستوں کو خوف وغم نہیں ہوتا۔

اس عظیمی کارواں کے خواجہ ہیں روح رواں
محور حق و آگہی قلندر بابا اولیاؒ
نظر کرم لازم ہے اب نادم بہت خادم ہے اب
بحر سخا کامل عطا بابا قلندر اولیاؒ

ڈاکٹر نعیم ظفر

غیب ظاہر غیب

حامل علم لدنّی حضور قلندر بابا اولیاؒ کے عرس جنوری 2017ء میں خانوادہ سلسلہ عظیمیہ جناب عظیمی صاحب نے خطاب میں غیب حاضر غیب کی مفصل تشریح کی اور تخلیقی رموز منکشف کئے۔ ایک نکتہ ایسا تھا جس کے متعلق فرمایا کہ یہ بات میں آپ کو خاص اجازت لے کر بتا رہا ہوں۔ ہزاروں حاضرین نے دیکھا، سامعین نے سنا اور ہزاروں قارئین نے بعد میں اس خطاب کو مارچ 2017ء کے شمارے میں پڑھا۔ زیرِ نظر مضمون اس خطاب کے مذکورہ نکتے کا ایک تفہیمی زاویہ ہے۔

کمپیوٹر پروگرامنگ میں اکثر پروگرام کی ڈویلپمنٹ کے دوران مخصوص ڈائیگرام استعمال کی جاتی ہے جو انگریزی حرف V کے مشابہ ہے۔ سمجھنے کے لئے شکل P دیکھیں۔ آسانی کے لئے ہم V کے دائیں جانب سے پروگرام کو بنانے کے مختلف درجات کو سمجھتے ہیں۔ یہ تسلسل نیچے کی طرف جھک کر مکمل ہوتا ہے اور بائیں جانب اپنی انتہائی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

اللہ نے ایسا پروگرام بنایا ہے جس میں ایک پروگرام سے دوسرا پروگرام نکلتا ہے۔ اسے ہم دو فیز کہتے ہیں۔ ابدالِ حق نے اس کے لئے ''مراتب'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ غیب تخلیق ہوا یعنی تمام اشیا کا علم پہلے فیز میں ہے۔ یہ ''علمِ شے'' فارمولے ہیں۔ الہامی کتابوں میں مقداروں کا لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے جسے عام فہم الفاظ میں ''فارمولا'' کہا جاتا ہے۔

''پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے مقداروں سے تخلیق کی اور ان مقداروں کی ہدایت (فھدٰی) بخشی۔'' (الاعلیٰ: ۱-۳)

تخلیق میں عناصر کو مختلف تناسب سے ترتیب دیا جاتا ہے پھر اس کی نشوونما کا پیٹرن قائم کیا جاتا ہے۔ متذکرہ بالا آیات میں ''فھدٰی'' کا قریب ترین لفظ ہدایت دینا یا pattern مہیا کرنا ہے۔

قرآن کریم میں علمِ شے کا ذکر اس طرح ہے،

''کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟'' (الدھر: ۱)

اور شے کے بارے میں ارشاد ہے،

''ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لئے ہم نے اسے

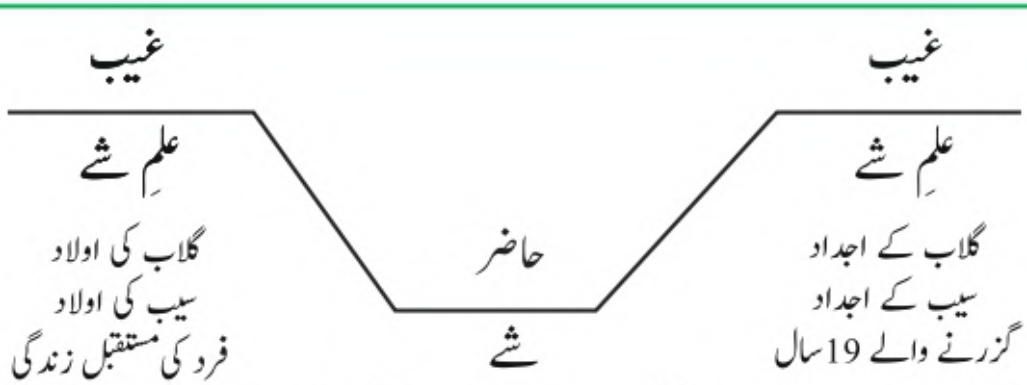

(گلاب سیب 20 سالہ فرد)

شکل نمبر P

سننے اور دیکھنے والا بنایا۔'' (الدھر:۲)

الہامی کتابوں کے مطابق بلند مرتبہ ذات نے مخلوقات تخلیق کیں، توازن پیدا کیا اور شے کو فعال کر دیا جیسے سننا، بولنا اور دیکھنا وغیرہ۔ آدمی علمِ شے کو نہیں، شے کو دیکھتا ہے۔ سامنے ڈسپرین کی گولی رکھی ہے تو آپ گولی دیکھتے ہیں علمِ شے کو نہیں۔ اسی طرح آنکھ معجون کو دیکھتی ہے ــــ معجون کا فارمولا غیب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے متوجہ کیا ہے،

''تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ جمے ہوئے ہیں مگر یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔''

(النمل: ۸۸)

ایک اور آیت میں ارشاد ہے،

''اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تا کہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے۔'' (النحل:۱۵)

شے اور علمِ شے کے ضمن میں عمر کا تجزیہ کیا جائے تو 20 سالہ شخص کی عمر کے 19 سال کہاں گئے اور 21 واں سال کہاں موجود ہے ــــ؟

شکل P میں وضاحت ہے کہ دورانیہ غیب حاضر غیب کا ہے۔ بائیں طرف مستقبل ہے، نشیب (تنزل) حاضر ہے اور دائیں جانب غیب ہے۔ 20 سال ظاہر ہونے کا مطلب ہے کہ 19 سال (علم) کہیں چلے گئے اور بیس سال کے بعد کی زندگی بھی کہیں پر ہے۔

اس طرح سیب ہے، پھر سیب کی اولاد۔ وہ کہاں ہے ــــ؟ تصویر میں بائیں جانب دیکھیں تو وہ غیب کے زون میں نظر آئے گی۔ حاضر سیب سے یہ بات کھلتی ہے کہ سیب کے اجداد کہیں نہ کہیں پر ہیں۔ یہی مثال گلاب کی اولاد، گلاب اور گلاب کے اجداد کی ہے۔

علمِ شے فنا نہیں ہوتا جب کہ شے تغیرات سے گزرتی ہے اور فنا ہو جاتی ہے۔ قارئین جان سکتے ہیں کہ نفی، اثبات اور نفی کا دورانیہ کن اصولوں کے تحت ہے۔

علمِ شے کیوں فنا نہیں ہوتا؟ اس لئے کہ یہی پہلی template ہے جسے اسکول، کالج اور یونی ورسٹی میں zigen vector یا ''اصل'' کے نام سے پڑھایا جاتا ہے۔ اس کی ایکویشن مندرجہ ذیل لکھی جا سکتی ہے۔

کلی تخلیق = علم شے + نفس کلی + عدم + بقائے دوام

جزوی تخلیق = شے + نفس جزوی + تغیر در تغیر + فنائیت

نفس کلی کا مطلب اصل ہے۔ جیسے آدم کی اصل سے کالے، گورے اور گندمی رنگ لوگ پائے جاتے ہیں۔ کہیں ناک چپٹی، گول اور ستواں ہے تو کہیں کان لمبے، چھوٹے اور اوسط ہیں۔ کندھے گول، چوڑے، جھکے یا ڈھلکے ہوتے ہیں۔ شباہت میں جزوی فرق کو نفس جزوی کہہ سکتے ہیں۔ بقیہ اصطلاحات عام فہم ہیں۔

عالم غیب میں موجود علمِ شے کو منعطف (خم کھانا، مڑنا) کیا جائے تو شے رنگوں میں مظہر بنتی ہے۔ یاد رہے کہ یہاں لفظ منعکس استعمال نہیں کیا گیا۔

دونوں اصطلاحات میں کیا فرق ہے؟

ایک فعل دونوں میں مشترک ہے کہ منشور کے موافق اطلاعات رنگوں میں ڈھلتی ہیں۔

عام سمجھ کے تحت شہادت واقعے کو ممکنہ درستی کے تحت اپنی سمجھ کے مطابق پیش کرنے کو کہتے ہیں۔ اس دنیا میں ظاہر ہونے والی صورتیں جیسے پرندوں کا اڑنا، دریا بہنا، چشمہ پھوٹنا، بادل گرجنا، بجلی کڑکنا، صحرا، سمندری کورل میں رنگ برنگی مچھلیاں، درخت، آتش فشاں، پہاڑ، آدمی، بلی، گلاب، آم، ہاتھی وغیرہ سب خالق کائنات کا مظہری پروگرام ہے، علم الشھادۃ ہے۔ یہ ایسا عالم، زون یا اسکرین ہے جو اپنی اصل یعنی علمِ شے (غیب) یا عالم غیب کو حاضر کرتا ہے۔

سوال ہوسکتا ہے کہ تخلیقات لمحہ در لمحہ غیب کے زون سے حاضر زون میں آتی ہیں۔ حاضر ہمیں یاد رہتا ہے کیوں کہ وہ ہمارے شعور میں ریکارڈ ہو جاتا ہے۔ بقیہ اول الذکر اور آخر الذکر زون کا ریکارڈ کہاں ہے — ؟

یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ 20 سالہ شخص سے پوچھا جائے پہلی جماعت میں فلاں واقعے کی تفصیل کیا تھی، وہ ذہنی بساط کے مطابق کوئی جواب ضرور دے گا۔ یہ جواب کہاں سے آیا اور اس کا ریکارڈ کہاں ہے — ؟

تخلیقات کے غیب حاضر غیب کے سائیکل کا لمحوں میں جائزہ لیں تو حیات لمحہ در لمحہ کھلتی اور بند ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ لمحات کا ہم ریکارڈ رکھیں تو کہہ سکتے ہیں کہ پہلا لمحہ M1، دوسرا M2، تیسرا M3 — اسی طرح فرد Mn لمحات میں جیتا ہے۔ آدمی M1 لمحے میں ظاہر ہوا پھر ریکارڈ بن گیا۔ کہاں ریکارڈ بنا — ؟ اس پر اسی مضمون میں آگے بات ہوگی۔ جب M1 کا ریکارڈ غائب ہو تو اگلے لمحے M2 مظہر ہو گیا۔ M2 ریکارڈ میں غائب ہوا تو M3 حاضر ہو گیا حتیٰ کہ مقررہ لمحات اپنی انتہا Mn تک پہنچے۔ حسابی طور پر زندگی کو مندرجہ ذیل طریقے سے لکھ سکتے ہیں۔

$$\text{لائف} = M1 + M2 + M3 \ldots\ldots + Mn$$

یا

$$\text{لائف} = \sum_{i=1}^{n} Mi$$

یہ فارمولا زندگی پر محیط ہے۔ یہی فارمولا ہر لمحے کی مقداروں میں غیب، حاضر اور غیب سے گزرتا ہے۔

مظاہر اطلاع پر قائم ہیں۔ چیونٹی، کنکر، درخت،

پھول، پہاڑ، آدمی، جنات، فرشتے، سمندر، دیدہ نادیدہ مخلوق چاہے وہ زمین کے اندر ہو، سطح زمین کی مکین ہو یا فضاؤں میں رہتی ہو، سب اطلاعات کے بہاؤ پر قائم ہیں۔ بہاؤ میں تعطل نہیں ہے۔

تخلیقات کے لئے ذرّے کا لفظ استعمال کریں تو ذرّے کا وجود اطلاع سے ہے۔ ذرّے کو اطلاعات بغیر تعطل اور مقداروں میں تبدیلی کے بغیر مہیا ہوتی ہیں۔ قابل غور ہے کہ ذرّہ یا شے کا وجود چاہے دیدہ ہو یا نادیدہ، ان میں ہر صورت اطلاعات کا بہاؤ جاری رہتا ہے۔ شے غیب میں ہو، حاضر ہو یا پھر غیب میں چلی جائے، کائناتی ریکارڈ میں موجود رہتی ہے۔ اطلاعات کے بہاؤ کے لئے ''قلندر شعور'' کے حاملین تجلی کے بہاؤ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

کائنات کی بنیاد تجلی ہے۔ دنیا کی تخلیق میں پانی کا دو تہائی کردار نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر اینٹوں کا بنانا، لوہے کی شیٹ بنانا، شکم مادر ہو یا زمین ہر جگہ تخلیق میں پانی ہے۔ تجلی بہرحال پانی کی اساس ہے اور شے کو وجود بخشتی ہے۔

محققین کہتے ہیں کہ ہماری دنیا تقریباً 1500 عناصر سے تخلیق ہے۔ تخلیقات خالق کائنات کی صفات ہیں۔ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے ان کی تعداد تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار منکشف کی ہے۔ کائنات کے معلوم نامعلوم زون ان ہزاروں اسمائے الٰہیہ کی مختلف مقداریں ہیں۔ ہر تجلی ایک صفت ہے۔

کائنات کی تمام اشیا ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ ان میں ایک طرح کا ربط ہے۔ ہوسکتا ہے خیال آئے کہ جب ساڑھے گیارہ ہزار (ترکیبی عناصر) تجلیات مختلف ہیں تو ربط کہاں ہے—؟

ابدالِ حق تفصیل بیان کرتے ہیں کہ ہر تجلی کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں اس کی اپنی صفت ہے جیسے صفت کریم، رحیم، علیم، قدیر، سمیع، بصیر— جب کہ ہر صفت کے بقیہ حصے میں دو مزید صفات ''قدرت'' اور ''رحمت'' ہر صفت کے ساتھ منسلک ہیں۔

تمام تخلیقات میں تجلیات دور کر رہی ہیں اس لئے ہمیں لاشمار انواع و اقسام نظر آتی ہیں۔ ان میں فرق مقداروں کی وجہ سے ہے مگر ساتھ ہی وہ دیگر تخلیقات سے قدرت اور رحمت کے صفاتی میکانزم کے تحت جڑی ہوئی ہیں۔ اللہ رب العالمین قادر مطلق ہیں۔ اللہ کے محبوب حضور پاکؐ رحمۃ للعالمین ہیں۔ محبوبیت کی یہ ڈور تخلیقات کو اکائی میں پرو کر رکھتی ہے۔

''نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے، سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔'' (یٰسٓ: ۴۰)

خاتم النبیین حضور پاکؐ کے تربیت یافتہ صحابی امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں دریائے نیل کا واقعہ پیش آیا۔ امیر المومنین نے دریائے نیل سے

مخاطب ہوکر فرمایا،

''اگر تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے چل رہا ہے تو سرکشی سے باز آجا ورنہ عمر کا کوڑا تیرے لئے کافی ہے''۔

اس بیان میں آپ اکائیت کی اہمیت سمجھ سکتے ہیں۔

شے اس لئے ظاہر ہوتی ہے کہ اس کا علم پہلے سے موجود ہے یعنی علمِ شے کو شے پر اولیت ہے۔ شے کا غیب سے مظہر ہونا پھر غائب ہو جانا سب تجلی کے مختلف فیز یا مراتب ہیں جو یکے بعد دیگرے رونما ہوتے ہیں۔

سامنے بلند و بالا عمارت ہے۔ کھڑکیاں، دیوار، زینے، جالیاں، بالکنی، بلب، رنگ اور بیرونی آرائش آپ دیکھتے ہیں مگر سیمنٹ، بلاک، بجری، عمارت کی تعمیر کا علم اور اس سے منسلک دیگر علوم پر توجہ نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بندے میں وہ طرز فکر بیدار نہیں ہوئی جو گہرائی میں تجزیہ یا مشاہدہ کرے۔ مشاہدے سے مراد تمام حواس کا استعمال ہے۔

یاد رہے کہ حواس پانچ تک محدود نہیں۔

گہرائی میں دیکھنے کی طرز فکر کا حصول آسان ہے۔ سوچ جس شے میں دلچسپی رکھتی ہے، اس کی شباہت و شکل سے مزاج میں کیفیات پیدا ہوتی ہیں جیسے برف کے تصور سے ٹھنڈ کا احساس ہوتا ہے۔ احساس جتنا گہرا ہوتا ہے، اسی مناسبت سے حواس بیدار ہوتے ہیں۔ آدمی کے اندر زندگی کے آثار کسی ایجنسی کے تحت ہیں۔ ایجنسی جب تک ساتھ دیتی ہے، آدمی سنتا، بولتا، کھاتا اور پیتا ہے۔ ایجنسی ساتھ چھوڑ دے تو حواس کے آثار نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

طبی ماہرین بتاتے ہیں آدمی میں زندگی قائم رکھنے کے لئے لازم عضو دل، گردے، پھیپھڑے، جگر، معدہ اور دماغ ہیں۔ علمائے باطن بتاتے ہیں کہ وہ ایجنسی جس پر آدمی کی زندگی قائم ہے اس میں چھ عضو ہیں جن کو لطائف کہا جاتا ہے۔

دلچسپی سے کیفیات موجزن ہوتی ہیں۔ کیفیات کے اثرات سے لطائف میں روشنی کم یا زیادہ ہوتی ہے۔ جیسے ہم چراغ کی روشنی کم زیادہ کرتے ہیں۔ روشنی کی لو لطافت و کثافت دونوں جانب پھیل سکتی ہے۔ لو کا رخ لطافت کی جانب موڑا جائے تو لطافت میں پھیلنے اور سکڑنے کی رفتار کا تعین ممکن نہیں۔ اس کے برعکس لو کا رخ کثافت یا مادی دلچسپی کی جانب موڑا جائے تو لطافت میں پھیلنے اور سکڑنے کی رفتار کا تعین ممکن ہے۔

فکر یا طبیعت کے رجحان کو علمائے باطن نے نسبت کہا ہے۔ باطنی علوم کے ماہرین سے نسبت کا رجحان آدمی کو حقیقت سے روشناس کراتا ہے۔ اس کے برعکس بندہ فکشن کی محدودیت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ سکون آشنا زندگی کے لئے نسبت کی کیا اہمیت ہے۔

غیب ظاہر کے ضمن میں اب تک جو بیان کیا گیا اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ شے کا وجود علمِ شے سے ہے۔ علم کہاں سے آتا ہے — یہ اطلاعات کا output ہے۔ اطلاع لمحہ لمحہ کیسے غیب سے حاضر ہو رہی ہے؟ ابدالِ حق فرماتے ہیں کہ نور میں ہر طرح کی اطلاعات ہیں مثلاً کھانا، پینا، سونا، جاگنا، سانس لینا وغیرہ۔ اطلاعات کے تنزل کی ایکویشن یوں بنائی جاسکتی ہے۔

اسمائے الٰہیہ — تجلیات — نور — روشنی — مظہر

ہر نوع کی تخلیق اور فعالیت میں مختلف اسما متحرک ہیں اور یہ سب علم ہیں۔ ہر نوع میں ''والذی قدر فھدیٰ'' کے مصداق مقداروں کا مخصوص تناسب ہے۔ ہم واضح کر چکے ہیں کہ ہر نوع ایک دوسرے کو اس لئے پہچانتی ہے کہ اس کی ترکیب میں جو اسم کی تجلی فعال ہے وہ اگرچہ مخصوص ہے مگر اس میں صفت قدرت اور صفت رحمت کا اشتراک ہے۔

قل ھواللہ احد کی تفسیر کی جائے تو احدیت کی معنویت روشن ہوتی ہے۔ آدم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بحیثیت نائب علم عطا کیا گیا ہے۔ آدم صفات باری تعالیٰ سے واقف ہو جائے تو وہ کائناتی انواع کے آثارِ زندگی، ان کے رجحانات اور حرکت و عمل سے واقف ہو جائے گا۔

بارہا یہ ذکر ہو چکا ہے کہ علم کو اولیت ہے جو کسی نہ کسی

حامل علم لدنّی قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

اب ذکرِ زمین و آسماں کیونکر ہو
یہ عمر ہے کیا اس کا بیاں کیونکر ہو
جس لمحہ کے آسماں زمیں ٹکڑے ہوں
وہ لمحۂ پیچیدہ عیاں کیونکر ہو

طرح درجہ بدرجہ مراحل سے گزر کر فرد کی زندگی بنتا ہے اور زندگی ریکارڈ ہے۔ اطلاعات بصورت تجلی تنزل کرتی ہیں، ان میں فرد سے متعلق علم، احساس اور فعالیت موجود ہوتی ہے اور آدمی کو زندہ رکھنے والی ایجنسی میں مسلسل داخل ہوتی ہیں۔ ابدالِ حق نے اس ایجنسی کو نسمہ کا نام دیا ہے۔

نسمہ وہ روشنی ہے جس سے مادی جسم تخلیق ہوتا ہے۔ لمحے کی اطلاعات کا تجزیہ کریں تو غیب سے تجلی کے ذریعے اطلاعات نشر ہوتی ہیں اور مخلوق میں تقسیم ہوتی ہیں۔ ان کا تقسیم ہو کر ظاہر ہونا — حاضر کی دنیا ہے، جسے عالم شہادت کہتے ہیں۔ ابتدا سے انتہا اور باطن سے ظاہر تک ہر شے اللہ کی صفات کے تابع ہے۔

''وہی اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے۔'' (الحدید: ۳)

آدمی ظاہر دیکھتا ہے مگر باطن نہیں دیکھتا۔

جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ تو دیکھتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ کس سے دیکھ رہے ہیں!

عبدالوحید نظامی

چاند، سورج اور ستارے

سائنس جس ٹائم اور اسپیس میں داخل ہونے کی کوشش کر رہی ہے، اللہ کے مقرب بارگاہ بندے اس اسپیس میں دن رات رہتے ہیں۔

کوئی مخلوق ایسی نہیں جو خواب نہ دیکھتی ہو۔ خواب میں مستقبل سے متعلق اشارے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں چھ خوابوں کا تذکرہ ہے جن کا تعلق مستقبل سے ہے۔ ان میں تین خواب انبیائے کرام کے ہیں، ایک بادشاہ، ایک بادشاہ کا ساقی اور ایک خواب شاہی باورچی کا ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے کے لئے عہدے کی تخصیص نہیں۔ قدرت کی طرف سے ہر فرد کو راہ نمائی ملتی ہے۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

''فی الواقع اللہ نے اپنے رسولؐ کو سچا خواب دکھایا تھا جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق تھا۔ انشاء اللہ تم ضرور مسجد الحرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہو گے، اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے، اور تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ اللہ اس بات کو جانتا تھا جسے تم نہ جانتے تھے اس لئے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے اس نے یہ قریبی فتح تم کو عطا فرما دی۔'' (الفتح: ۲۷)

نبی کریمؐ نے خواب دیکھا کہ وہ صحابہ کرام کے ساتھ مکہ میں عمرہ کر رہے ہیں۔ جس وقت خواب دیکھا اس وقت آپؐ مدینہ میں تشریف فرما تھے۔ مکہ میں کفار کی دشمنی عروج پر تھی۔ انہیں عمرہ کے لئے مکہ جانا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے خواب میں آنے والے واقعے کی نشان دہی فرما دی۔ خواب کے دو سال بعد مکہ فتح ہوا۔ نبی کریمؐ ہزاروں افراد پر مشتمل لشکر کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے، سب کو امان دی اور عمرہ ادا کیا۔ اللہ نے اپنے محبوب رسولؐ کا خواب سچا کر دکھایا۔ حضور پاکؐ کے خواب میں دو سال کے مستقبل کی نشان دہی ہے۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب:

''آخر کو جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا۔ اور ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیمؑ! تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔''

(الصّٰفّٰت: ۱۰۳-۱۰۵)

حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں اپنے پیارے بیٹے

حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کی ہدایت دی گئی۔خواب کا تذکرہ بیٹے حضرت اسماعیلؑ سے کیا تو دونوں نے تسلیم و رضا کا مظاہرہ کیا۔ جب قربانی کا وقت آیا تو غیب سے قربانی کے لئے جانور حاضر ہوا۔اس طرح حضرت ابراہیمؑ کا خواب پورا ہوا۔

۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب:

''یہ اس وقت کا ذکر ہے جب یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا، ابا جان میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے ہیں اور سورج اور چاند ہیں اور وہ مجھے سجدہ کررہے ہیں۔'' (یوسف:۴)

حضرت یوسفؑ — حضرت یعقوبؑ کے لاڈلے بیٹے تھے۔ایک روز والد سے عرض کیا کہ ابا جان! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مجھے سورج، چاند اور گیارہ (11) ستارے سجدہ کررہے ہیں۔حضرت یعقوبؑ نے تعبیر بتائی کہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ تمہیں بزرگی اور بلند مرتبہ عطا فرمائیں گے لیکن خواب کا تذکرہ کسی سے نہیں کرنا۔تقریباً 40 سال کے بعد تعبیر پوری ہوئی۔حضرت یوسفؑ کو پیغمبر ہونے کے ساتھ مصر کی بادشاہت بھی ملی۔

۴۔ بادشاہ ملک الریان کا خواب:

''ایک روز بادشاہ نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور اناج کی سات ہری بالیں ہیں اور دوسری سات سوکھی۔اے اہل دربار! مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خوابوں کا مطلب سمجھتے ہو۔''

(یوسف: ۴۳)

خواب کی تعبیر حضرت یوسفؑ نے یہ بتائی کہ سات سال میں ملک میں غلّے کی فراوانی ہوگی اور سات سال قحط رہے گا۔بادشاہ ملک الریان کے خواب میں 14 سال کی اسپیس سامنے آتی ہے۔

۴۔ ساقی + باورچی کا خواب:

''اس کے ساتھ دو اور جوان بھی قید خانے میں داخل ہوئے۔ایک روز ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب کشید کررہا ہوں، اور دوسرے نے کہا، میں نے دیکھا کہ میرے سر پر روٹیاں رکھی ہیں اور پرندے ان کو کھا رہے ہیں۔ دونوں نے کہا ہمیں اس کی تعبیر بتایئے، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نیک آدمی ہیں۔'' (یوسف: ۳۶)

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو خواب کی تعبیر کا علم عطا کیا تھا۔جب حضرت یوسفؑ قید ہوئے تو ان کے ساتھ قید خانے میں دو قیدی اور تھے جن کا تعلق شاہی دربار سے تھا۔ایک ساقی اور دوسرا باورچی تھا۔

حضرت یوسفؑ نے تعبیر بتائی کہ انگور نچوڑنے والا واپس عہدے پر فائز ہوجائے گا اور سر کے اوپر روٹی جسے پرندے کھا رہے ہیں، یہ خواب دیکھنے والے کو پھانسی ہوگی۔دونوں کے مقدمات چلے۔سال گزرنے کے بعد ایک بری ہوکر عہدے پر بحال ہوا اور دوسرے

قیدی کو پھانسی دے دی گئی ۔یعنی ان کے خوابوں میں ایک سال کی اسپیس کا احاطہ ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے،

''خواب علم نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔''

الہامی کتابیں، احادیث اور اولیاء اللہ کے فرمودات وضاحت کرتے ہیں کہ خواب کا انسان کی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کتاب ''لوح وقلم'' میں تحریر فرماتے ہیں،

''جس کو ہم خواب دیکھنا کہتے ہیں، ہمیں روح اور روح کی صلاحیتوں کا سراغ دیتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ہم سوئے ہوئے ہیں، تمام اعضا بالکل معطل ہیں۔صرف سانس کی آمد و شد جاری ہے لیکن خواب دیکھنے کی حالت میں ہم چل پھر رہے ہیں، باتیں کر رہے ہیں، سوچ رہے ہیں، غم زدہ اور خوش ہو رہے ہیں کوئی کام ایسا نہیں ہے جو کہ ہم بیداری کی حالت میں کرتے ہیں اور خواب کی حالت میں نہیں کرتے۔

اب ہم ان صلاحیتوں کا تذکرہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جو خواب یعنی رویا کے نام سے روشناس ہیں۔ چناں چہ عالم خواب میں انسان کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا ہے۔اس کے معنی یہ ہوئے کہ روح گوشت پوست کے جسم کے بغیر بھی حرکت کرتی اور چلتی پھرتی ہے۔روح کی یہ صلاحیت جو صرف رویا میں کام کرتی ہے ہم کسی خاص طریقے سے اس کا سراغ لگا سکتے ہیں اور اس صلاحیت کو بیداری میں استعمال کر سکتے ہیں۔انبیا علیہم السلام کا علم یہیں سے شروع ہوتا ہے اور یہی وہ علم ہے جس کے ذریعے انبیائے کرام نے اپنے شاگردوں کو یہ بتایا ہے کہ پہلے انسان کہاں تھا اور اس عالم ناسوت کی زندگی پوری کرنے کے بعد کہاں چلا جاتا ہے۔''

خواب غیب کی دنیا کا علم ہے۔ ہر فرد اس دنیا میں داخل ہوتا ہے اس لئے روحانی صلاحیت سے واقفیت کی صلاحیت سب کو عطا کی گئی ہے۔

زندگی میں ایسے خواب ضرور آتے ہیں جس سے فرد پر پاکیزگی لازم ہو جاتی ہے۔اسی طرح جو خواب آج دیکھا من وعن وہ کچھ وقت کے بعد پورا ہو جاتا ہے۔ یہ متوجہ کرتا ہے کہ مادی جسم خواب میں متحرک جسم سے منسلک رہتا ہے اور اس کی تحریکات سے متاثر ہوتا ہے۔لہٰذا خواب کے علم اور راہ نمائی سے زندگی صراط مستقیم پر قائم ہو جاتی ہے۔

محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''انسان خواب اور بیداری کے حواس کا مجموعہ ہے۔ اگر انسان کے اندر خواب کے حواس نہ ہوتے تو انسان کبھی بھی مستقبل میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ جنت جہاں ماضی ہے وہاں مستقبل بھی ہے جو انسان کا اصل مقام اور وطن ہے۔اگر بیداری کے حواس کو خواب کے حواس پر غلبہ حاصل ہو جاتا تو انسان غیب کی دنیا میں اپنے لئے کوئی مقام منتخب نہیں کر سکتا تھا۔''

کہتے ہیں کہ سویا اور مویا برابر ہے۔حواس کا بیداری

سے خواب کے عالم میں منتقل ہونا جسم پر عارضی موت یا نیند ہے۔ دونوں عالمین میں حواس مشترک ہیں۔ حواس کی طرف توجہ کی جائے تو سوائے برقی رو یا کرنٹ کے کوئی چیز سامنے نہیں آتی۔ برقی رو کا تعلق لاشعوری دنیا سے ہے اور یہ لہروں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

شہنشاہ ہفت اقلیم حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ نے ان کو ''انا کی لہریں'' کہا ہے۔

انا کی لہریں کائنات میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ ٹائم اور اسپیس میں رہ کر ٹائم اور اسپیس سے آزاد ہیں۔ ہر مخلوق کی تخلیق ان لہروں سے ہوتی ہے اور مخلوقات میں رابطے کا ذریعہ بھی انا کی لہریں ہیں۔ انسان اپنے اندر کام کرنے والی لہروں سے واقفیت حاصل کرلے تو غیب — ظاہر ہوجاتا ہے۔

میڈیکل سائنس باطنی دنیا سے واقف ہونا چاہتی ہے جب کہ باطنی علوم کے ماہرین خواب کی دنیا کے حواس سے واقف ہیں، ان کے معمولات اور اقوال میں ٹائم اور اسپیس کے فارمولے ہیں۔ سائنس جس ٹائم اور اسپیس میں داخل ہونے کی کوشش کررہی ہے، اللہ کے مقرب بارگاہ بندے اس اسپیس میں دن رات رہتے ہیں۔

مخلوقات میں کروموسومز کے مخصوص جوڑے ہیں۔ کروموسومز ظاہر میں رنگ ہیں اور رنگوں کا باطن روشنی ہے۔ ہر فرد کے ڈی این اے (DNA) میں کروموسومز کا ریکارڈ ہے۔ یہ ریکارڈ بیداری کی اسپیس سے ماورا ہے۔ DNA کے اندر موجود ریکارڈ خواب اور اس سے ماورا اسپیس ہے۔ سائنس کی ترقی میں جو عمل کار فرما ہے وہ ٹائم اور اسپیس پر گرفت اور رفتار سے واقف ہونے کی کوشش ہے۔ فرد شب بیداری کی عادت اختیار کرے اور اس وقت کو اللہ سے واقف ہونے کے لئے وقف کرے تو خواب کی زندگی بیداری کی طرح سامنے آجاتی ہے۔ ابدالِ حق کا فرمان ہے،

''جس کو ہم خواب دیکھنا کہتے ہیں ہمیں روح اور روح کی صلاحیتوں کا سراغ دیتا ہے۔''

علم ظاہری ہو یا باطنی — لاشعور سے شعور میں منتقل ہوتا ہے۔ محقق Elias Howe سلائی کے لئے مشین بنانے کی کوشش میں تھا۔ 1845ء کی ایک صبح خواب میں دیکھا کہ وہ کسی جنگلی قبیلے کی قید میں ہے۔ قبیلے کے سردار کا حکم ہے کہ چوبیس گھنٹے کے اندر سلائی مشین بنادو ورنہ قتل کردیئے جاؤ گے۔ کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر سردار نے نیزہ بردار محافظوں کو اسے ہلاک کرنے کا حکم دیا۔ جوں ہی محافظ قریب آئے، ہووے نے دیکھا کہ ان کے نیزوں میں نوک کے ساتھ سوراخ ہیں۔ نیند سے بیدار ہوا تو سمجھ میں آگیا کہ مشین کے لئے عام سوئی کے برخلاف ایسی سوئی درکار ہے جس میں نوک کے پاس سوراخ ہو۔ اس طرح سلائی مشین ایجاد ہوئی۔

سید نوشاد کاظمی

ہیڈ ماسٹر صاحب ــــ؟

یا الٰہی! میں خطا کار ہوں تب بھی تیرا ہوں۔ ریا کار ہوں تب بھی تو ہی جائے پناہ ہے۔ اگر کچھ بھلائی کا کام تیری توفیق سے ہوا ہے تب بھی میں تیرے سامنے تہی دست ہوں۔ میرے اندر پارسائی کی رمق نہیں ہے۔ میں خالی دامن ہوں۔ اس دامن کو اپنی یاد سے بھر دے۔

بس اسٹاپ پر پہنچا تو رات کے آٹھ بج کر پندرہ منٹ تھے۔ اسٹاپ مرکزی سڑک سے تقریباً 20 کلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ میں نے جلدی جلدی چائے پی۔ اس وقت چائے پینا مجبوری تھی کیوں کہ سر بھاری ہو رہا تھا۔ پھر دوران سفر نیند کے سبب طاری ہونے والی سستی دور کرنے کی خاطر چائے پی تھی۔

مرکزی سڑک پر واقع ہوٹلوں میں چائے اچھی ملتی تھی۔ پھر ایک ٹیکسی والے سے بات کی کہ وہ مجھے اس بس اسٹیشن پر چھوڑ آئے جہاں سے گاڑی میرے گاؤں جاتی ہے۔ اس نے زیادہ نرخ بتائے۔

اللہ کی رحمت دیکھئے کہ اس اثنا میں رکشے والا رکا اور پوچھا، بابو جی! کدھر جانا ہے؟ بس اسٹیشن کا نام بتایا تو وہ بولا، بابو جی! سو کا نوٹ ہوگا؟ کرایہ مناسب تھا، میں جلدی سے رکشے میں بیٹھا اور تاکید کی کہ اسٹاپ پر نو بجے تک پہنچا دو ورنہ گاؤں کی بس نکل جائے گی۔

وہ بولا، مشکل ہے بابو جی۔ سڑک پر کام ہو رہا ہے، جگہ جگہ سے سڑک اکھاڑی گئی ہے۔ نو بجے تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ میرے چہرے پر مایوسی دیکھ کر وہ فوراً بولا، پریشان نہ ہوں، میں کوشش کرتا ہوں۔

میں سڑک کی مرمت و بحالی سے بے خبر تھا۔ ایک سال بعد گھر جا رہا تھا۔ رکشے والے سے پوچھا، سڑک کی مرمت کب شروع ہوئی؟

بابو جی! پانچ چھ ماہ ہو چکے ہیں۔ مرمت کے لئے ساری سڑک اکھاڑ دی گئی ہے۔ دو تین ماہ یوں ہی پڑی رہی۔ اب کام شروع ہوا ہے مگر سست روی سے۔ گاؤں والوں کو سخت مشکلات درپیش ہیں۔ اکثر مریض اسپتال پہنچنے سے پہلے راستے میں دم توڑ دیتے ہیں۔

''اوہ! میں چونکا پھر کہا، خیر کام تو ہو رہا ہے۔ سڑک ٹھیک ہو جائے گی۔ ان کاموں میں وقت لگتا ہے۔

رکشے والے نے تبصرہ نہیں کیا اور انہماک و احتیاط کے ساتھ اونچے نیچے گڑھوں پر سے رکشہ گزارتا رہا۔

رکشے کی رفتار سست تھی۔ ہچکولے کھاتے ہوئے گزر رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اسی لئے ٹیکسی والے نے زیادہ کرایہ بتایا تھا۔ اماں جی کی فکر کھا رہی تھی ۔ وہ بیمار تھیں۔ انہیں صبح راولپنڈی کے اسپتال لے جانا تھا۔ اس سڑک سے لے جانا مشکل اور ان کے لئے تکلیف دہ ہوگا۔ کوشش تھی کہ نو بجے تک گاؤں کے لئے جانے والی گاڑی کے بس اسٹیشن پر پہنچ جاؤں۔

جاڑے کا موسم تھا۔ آٹھ نو بجے آدھی رات کا گمان ہوتا تھا۔ رکشے کی ماند ہوتی ہوئی ہیڈ لائٹ سے سڑک پر جابجا گڑھے اور پتھر نظر آئے۔

مجھے خاموش دیکھ کر رکشہ ڈرائیور بولا، بابو جی مجبوری ہے، گڑھوں پر تیز نہیں چلا سکتے۔ گاڑی کو نقصان ہوگا۔ رات کو گھر جانا ہوتا ہے اسی لئے یہاں سے گزرتا ہوں۔ ورنہ باہر کی گاڑیاں ادھر نہیں آتیں، اگر آ جائیں تو زیادہ کرایہ لیتی ہیں۔

پوچھا، کہاں رہتے ہو؟

بابو جی !'' سنگڑی میرا ڈھوک'' ہے نا، وہاں رہتا ہوں۔ بال بچوں کا ساتھ ہے ۔ رزق اللہ دیتا ہے مگر جسمانی اعضا کا وظیفہ ضروری ہے اس لئے محنت مزدوری کرتا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے گزارہ ہو جاتا ہے۔

''سنگڑی میرا'' وہی اسٹیشن تھا جہاں سے میرے گاؤں کے لئے بسیں جاتی تھیں۔ قسمت اچھی تھی کہ اسی اسٹاپ کار کشے والا مل گیا۔ اسے گھر پہنچنے کی جلدی تھی اور اپنے اسٹاپ کی سواری بھی مل گئی تھی۔ حسن اتفاق میں دونوں کا بھلا تھا۔

رکشہ انتہائی سست روی سے رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ رفتار دیکھ کر نو بجے بس اسٹیشن پہنچنے کی امید اب ختم ہوگئی۔ چند منٹ باقی تھے۔ اللہ اللہ کر کے اسٹیشن پہنچا۔

اب بس پکڑنے سے تو رہا مگر رکشے کے ہچکولوں نے بھوک بڑھا دی تھی۔ بازار نو بجے سے قبل بند ہو جاتا تھا۔ بازار میں سناٹا تھا۔ مجھے اتار کر ڈرائیور آگے بڑھ گیا۔ ہیڈ لائٹ کی روشنی میں آوارہ کتے ادھر ادھر پھرتے نظر آئے۔ آواز سن کر بھونکنا شروع کر دیا۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ ان کے تخلیے میں کون کہاں سے آ گیا۔

رکشہ اندھیرے میں ڈوبے بازار کے آخری سرے پر پہنچ کر رک گیا۔ گاڑی روک کر ڈرائیور چھپر ہوٹل کی طرف بڑھا، ہوٹل کے باہر بلب روشن تھا۔ روشنی کی وجہ سے عقبی دیوار دور سے مجھے نظر آ رہی تھی کیوں کہ گھپ اندھیرے میں بلب کی روشنی نے ہوٹل کو روشن کر دیا تھا۔ یک گونہ اطمینان ہوا کہ ہوٹل کھلا ہے کچھ نہ کچھ کھانے کو مل جائے گا۔ میں پیدل چلتے ہوئے وہاں تک پہنچا، رکشے والا جا چکا تھا۔

چارپائی پر بیٹھے شخص کے حلیے بشرے سے مجھے لگا کہ یہ مالک ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کوئی نہیں تھا۔ آگے بڑھ کر سلام کیا اور پوچھا، کھانے کو مل سکتا ہے؟

وہ سلام کا جواب دے کر بولا، بابو جی! صرف مسور کی

دال ہے۔ چپاتیوں کے ساتھ دے سکتا ہوں۔

اچھا پھر جلدی کرو۔ کہہ کر میں احاطے میں بچھی بان کی چارپائیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ بیمار ماں کی پریشانی ذہن پر سوار تھی۔ گاؤں یہاں سے 80 کلومیٹر دور تھا۔ رات میں سفر پیدل طے نہیں کر سکتا تھا۔

بے چینی سے ہوٹل والے سے پوچھا، بھائی! جبال پور جانے کے لئے اس وقت گاڑی مل سکتی ہے؟

جبال پور میرا گاؤں تھا۔ ہوٹل والا بولا نہیں صاحب! آخری گاڑی ٹھیک نو بجے نکل جاتی ہے۔ اس کے بعد جبال پور کے لئے کوئی گاڑی نہیں جاتی۔ کسی ٹیکسی، موٹر سائیکل والے کی لفٹ مل جائے تو آپ جا سکتے ہیں۔

میں ''ہوں'' کہہ کر خاموش ہو گیا اور سوچا کہ کچھ وقت موٹر سائیکل سوار یا ٹیکسی کا انتظار کروں گا ورنہ یہیں سو جاؤں گا۔ یہ بھی تو یہاں سوتا ہوگا۔ کھانا کھانے کے پندرہ بیس منٹ بعد تک چارپائی پر بیٹھا رہا کہ شاید کوئی گاڑی آ جائے۔ ایک ٹریکٹر والا آیا۔ پوچھنے پر بتایا کہ وہ پانچ کلومیٹر آگے اپنے گھر جا رہا ہے۔

سوا دس بجے کے بعد ہوٹل کے مالک نے سامان سمیٹنا شروع کیا۔ ہولناک سناٹے میں صرف آوارہ کتّوں کے بھونکنے کی آوازیں تھیں۔ جب چارپائیاں اٹھا کر دیوار کے ساتھ کھڑی کیں تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ یہ تو ہوٹل بند کر رہا ہے۔ حیرت اور پریشانی سے پوچھا، کیا آپ رات کو یہاں نہیں سوتے؟

نہیں صاحب! گھر قریب ہے۔ گھر جاتا ہوں۔ آپ جاتے ہوئے چارپائی دیوار کے ساتھ الٹے رخ پر کھڑی کر دینا، آوارہ کتّے ان پر سو جاتے ہیں۔

اس کی بے رخی سے میری پریشانی مزید بڑھ گئی۔

پریشان تھا کہ ویران جگہ پر کیسے رہوں گا۔ آنکھ بند ہو گئی تو کتّے مجھے بھنبھوڑ دیں گے۔ گھر پہنچنا ضروری تھا۔ اگر صبح گھر پہنچا تو اماں کو راولپنڈی لے جانے میں تاخیر ہو جائے گی۔

چارپائی سے اٹھتے ہوئے کہا، بھائی! میں بھی جا رہا ہوں۔ پیدل سفر کروں گا، اللہ گھر پہنچنے کا کوئی سبب بنا دے گا۔ آپ چارپائی کھڑی کر دیں۔

جی اچھا صاحب۔ اس نے چارپائی اٹھا لی اور میں اللہ کا نام لے کر جاڑے کی سرد رات میں گاؤں جانے والی سڑک پر پیدل چل پڑا۔

اچھی خاصی سردی تھی۔ پیدل چلنے سے سردی کا احساس جاتا رہا البتہ ہاتھ اور منہ یخ ہو گئے تھے۔ مفلر لپیٹ لیا۔ تقریباً گھنٹا بھر چلنے کے بعد تھکاوٹ ہوئی۔ زیادہ سے زیادہ پانچ کلومیٹر فاصلہ طے کیا تھا۔ ساڑھے گیارہ بج گئے تھے۔ سوچا کہ مزید چلنا حماقت ہے۔ رات بھر چلنے کے باوجود 80 کلومیٹر کا سفر طے نہیں ہوگا۔ مجبوری اور بے بسی پر دکھ ہوا۔ کاش ہوٹل کا مالک مجھے سونے کی جگہ دے دیتا یا رہنے کا بندوبست کر دیتا!

یا اللہ! ویرانے میں رات کے اس پہر کیا کروں؟

دور دور تک لوگ نہیں۔ آوارہ کتّے بھونکتے تو دل پر

یاسیت چھا جاتی۔ یہیں بیٹھ کر بھولی بسری گاڑی کا انتظار کرنا مناسب سمجھا۔

بیٹھنے کے لئے سڑک کے کنارے پتھر سے بنے جنگلے کو لائٹر کی روشنی میں دیکھا کہ کہیں موذی حشرات نہ ہوں۔ پھر بیگ سے چادر نکال کر بچھائی اور آلتی پالتی مار کر ''یا حی یا قیوم'' کا ورد ردھم میں شروع کیا۔ ذہنی یکسوئی ہوئی اور بڑھتی گئی۔ دعا کی کہ

''یا الٰہی ! میں خطا کار ہوں تب بھی تیرا ہوں۔ ریا کار ہوں تب بھی تو ہی جائے پناہ ہے۔ اگر کچھ بھلائی کا کام تیری توفیق سے ہوا ہے تب بھی میں تیرے سامنے تہی دست ہوں۔ میرے اندر پارسائی کی رمق نہیں ہے۔ میں خالی دامن ہوں۔ اس دامن کو اپنی یاد سے بھر دے۔ یہ ٹوٹا پھوٹا، بے نوا آدمی تیرے علاوہ جائے کہاں؟ اس کے لئے تو کوئی جائے استقرار نہیں ہے۔ تو میری مشکل جانتا ہے اور دور کرنے پر قادر ہے۔ تیرے علاوہ میرا کوئی نہیں ہے۔ میری مدد فرما اور اپنی حفظ وامان میں رکھ۔''

نہیں معلوم کتنی دیر یا حی یا قیوم کا ورد جاری رہا۔ خیال آیا کہ اللہ کے ایک دوست کے سلسلے کا غلام ہوں۔ اللہ ان کے طفیل میری مشکل دور فرما دے گا۔

یا حیی یا قیوم کے ورد سے طبیعت میں سکون پیدا ہوا۔ ورد ختم کرنے کا دل نہیں چاہا۔ گھڑی دیکھی تو ایک بجا تھا۔ دو گھنٹے ایک نشست میں بیٹھنے سے ٹانگیں شل ہوگئی تھیں۔ چند قدم ٹہلا پھر دور سے کسی بائیک یا رکشے کی ہیڈ لائٹ نظر آئی اور آہستہ آہستہ آواز قریب آتی گئی۔

موٹر سائیکل سوار قریب پہنچ کر رکا۔ میں نے دیکھا وہ ہمارے گاؤں کے ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ میں میٹرک میں ان سے پڑھ چکا تھا۔

موٹر سائیکل کھڑی کر کے مجھ سے بغل گیر ہوئے۔ حال احوال پوچھا اور حیرت کا اظہار کیا کہ رات کے ایک بجے ویرانے میں کیا کر رہے ہو؟

ماجرا سنایا کہ ایک سال بعد چھٹی پر گھر آیا ہوں۔ اسٹیشن پر پہنچنے میں تاخیر ہوگئی اور آخری بس نکل گئی۔ پیدل چل دیا کہ اللہ کوئی سبب پیدا کر دے گا۔ یہاں پہنچ کر گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔

انہوں نے کہا، میری سواری حاضر ہے۔ میں نے اس مدد پر اللہ کا شکر ادا کیا اور موٹر سائیکل پر ان کے ساتھ گاؤں آیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے استفسار پر بتایا کہ ان کی رہائش اسکول میں ہے۔ وہ شہر گئے ہوئے تھے اور اب واپس آ رہے ہیں۔

ہائی اسکول میرے گھر سے قریب تھا۔

فاصلہ حیران کن طور پر جلدی گزر گیا، وقت کا پتہ نہیں چلا اور میں گھر کے دروازے پر تھا۔

اصرار کیا کہ وہ گھر میں آئیں اور رات قیام کریں۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نہیں مانے اور کہا، بیٹا! رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے، آپ گھر جائیں۔ میں اسکول میں ہوں۔ پھر ملاقات ہوگی۔ کل پرسوں آ جانا۔

صبح اماں جی کو اسپتال لے گیا۔ ان کی بیماری کی وجہ

سے راولپنڈی میں چند دن ٹھہرنا پڑا۔ہم پانچویں دن شام کو گھر پہنچے ۔ اگلی صبح ہیڈ ماسٹر صاحب سے ملنے اور شکریہ ادا کرنے اسکول آیا۔

اسکول پہنچے پر معلوم ہوا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کا تو چھ ماہ قبل تبادلہ ہوگیا ہے،ان کی جگہ یہاں کوئی اور ہے۔

یعنی جن صاحب (ہیڈ ماسٹر صاحب) نے میری مدد کی تھی،وہ چھ ماہ پہلے یہاں سے جا چکے تھے۔

مجھ پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

ہیڈ ماسٹر صاحب کے روپ میں مجھے موٹر سائیکل پر لانے والا کون تھا ــــ؟

غیبی مددگار یا کوئی فرشتہ ــــ؟

میں نے چپ سادھ لی اور اسکول میں اساتذہ سے مل کر اپنے گھر چلا آیا۔

قارئین! حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ نے واقعہ لکھا ہے ــــ لڑائی ہورہی تھی اور حضرت خضرؑ ایک صاحب کے ہمراہ مٹکا لئے زخمیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ لباس دھوتی اور قمیص تھا۔کسی نے پوچھا،آپ نے یہ لباس کیوں پہنا ہوا ہے؟یقیناً اس میں کوئی حکمت ہے۔

حضرت خضرؑ نے فرمایا،یہ لباس میں نے اس لئے پہنا ہوا ہے کہ یہاں زخمیوں میں ہندو اور مسلمان دونوں ہیں۔اس لباس میں دیکھ کر وہ مجھے اپنا سمجھیں گے اور انہیں میرے پانی پلانے پر اعتراض یا خدشہ نہیں ہوگا۔

مستِ الست

زندے وہی ہیں جو کہ ہیں تم پر مرے ہوئے
باقی جو ہیں سو قبر میں مردے بھرے ہوئے

مستِ الست قلزم ہستی میں آئے ہیں
مثل حباب اپنا پیالہ بھرے ہوئے

اللہ رے صفائے تن نازنین یار
موتی ہیں کوٹ کوٹ کے گویا بھرے ہوئے

دو دن سے پاؤں جو نہیں دبوائے یار نے
بیٹھے ہیں ہاتھ ہاتھ کے اوپر دھرے ہوئے

ان ابروؤں کے حلقہ میں وہ انکھڑیاں نہیں
دو طاق پر ہیں دو گل نرگس دھرے ہوئے

بعد فنا بھی آئے گی مجھ مست کو نہ نیند
بے خشت خم لحد میں سرہانے دھرے ہوئے

نکلیں جو اشک بے اثر آنکھوں سے کیا عجب
پیدا ہوئے ہیں طفل ہزاروں مرے ہوئے

لکھے گئے بیاضوں میں اشعار انتخاب
رائج رہے وہی کہ جو سکے کھرے ہوئے

الٹا صفوں کو تیغ نے ابروئے یار کی
تیر مژہ سے درہم و برہم پرے ہوئے

آتشؔ خدا نے چاہا تو دریائے عشق میں
کودے جواب کی ہم تو ورے سے پرے ہوئے

(کلام: حیدر علی آتشؔ)

محمد عاصم بیگ

محافظ موت

موت سے آپ ڈریں یا نہ ڈریں اگر عمر باقی ہے تو ملک الموت پابند ہے کہ آپ کو دنیا سے نہ لے جائے اور اگر وقت پورا ہو گیا ہے تو ایک سیکنڈ بھی دنیا میں نہیں رہ سکتے۔ اس حقیقت سے دنیا کا ایک فرد انکار نہیں کر سکتا۔

عالم ناسوت میں زندگی کا تذکرہ کیا جائے تو ایک رخ یہ ہے کہ زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ جس شے کی ابتدا ہو اس کی انتہا بھی ہوتی ہے۔ زندگی کی انتہا کو اس دنیا میں موت کا نام دیا جاتا ہے۔

موت کیا ہے ــــ؟ زندگی کا تسلسل ہے۔

زندگی ہماری ہو یا کسی اور مخلوق کی، دو رخ موت حیات پر قائم ہے اور ان ہی میں ردّ و بدل ہوتی رہتی ہے۔ حرکت مادی وجود کو میڈیم بنائے تو آنکھ شے کو چلتا پھرتا اور تقاضے پورے کرتا دیکھتی ہے، اس رخ کو زندگی سمجھا جاتا ہے اور جب حرکت مادی وجود کے بغیر ہو تو آنکھ شے کو بے حرکت دیکھتی ہے اور اسے موت سمجھتی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ ہم جسم کے حرکت میں رہنے کو زندگی اور جسم کے بے حرکت ہونے کو موت اس لئے کہتے ہیں کہ ہم جسم کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں جب کہ موت و حیات ایک ہیں۔ ایک عالم میں موت دوسرے عالم میں حیات ہے۔

حیات و ممات کا نظریہ ــــ مادی وجود کے زیر اثر ہے۔ تصویر کا غیر جانب دار رخ یہ ہے کہ جسم محض لباس ہے۔ حرکت لباس کے تابع نہیں بلکہ ہر فرد کی شعوری سطح کے لحاظ سے خود کو لباس میں ظاہر کرتی ہے۔

رسول اللہؐ کا ارشاد عالی مقام ہے،

''جب تم قبرستان میں جاؤ تو کہو ــــ السلام علیکم یا اہل القبور۔''

حضور پاکؐ نے یہ بھی فرمایا ہے،

''قبر میں رہنے والے تمہارے سلام کا جواب دیتے ہیں لیکن تم سنتے نہیں۔''

اس دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہونے والے افراد ناسوتی لباس کی قید سے آزاد ہو جاتے ہیں جب کہ اُس عالم (عالم اعراف) میں بھی لباس کا عمل دخل ہے۔

زمینی لباس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

معلوم ہے تجھے زندگانی کا راز؟
مٹی سے یہاں بن کے اڑا ہے شہباز
اس کے پر و پرزے تو یہی ذرّے ہیں
البتہ کہ صناع ہے اس کا دم ساز

ہم جس چیز کو زندگی کا نام دیتے ہیں وہ قدرت کی بنائی ہوئی تصویر ہے۔ ان تصاویر کا زمین پر مظاہرہ زندگی ہے۔ زمین صرف عالم ناسوت میں نہیں ہے، جتنے عالمین ہیں، زمین و آسمان سب میں ہیں۔

دوسرا رخ جو زندگی کا تسلسل ہے، وہاں بھی تقاضے ہیں۔ ایک وقت میں ایک رخ ظاہر ہے۔ مادی حواس جس رخ کا ادراک کرتے ہیں، اسے زندگی سمجھتے ہیں۔ اور جب حرکت نظر سے اوجھل ہوتی ہے، اسے موت کہتے ہیں۔ زندگی ظاہر ہو تو اس کا مغلوب رخ موت وہ زندگی ہے جس میں حرکت ناسوتی لباس کے بغیر ہوتی ہے۔ غالب مغلوب کا تعلق حرکت سے نہیں — جسم سے ہے۔ حرکت دونوں کیفیات میں غالب ہے۔

① سنیما میں اسکرین ہے، پروجیکٹر ہے، پروجیکٹر پر فلم لگی ہے مگر پروجیکٹر بند ہے نتیجے میں اسکرین تاریک ہے یا اسکرین پر زندگی مفقود ہے۔ جیسے ہی پروجیکٹر چلتا ہے، اس میں سے روشنی فلم پر ریکارڈ تصویروں کو کھینچ کر لہروں میں منتقل کرتی ہے۔ لہریں لینس میں سے گزر کر اسکرین پر ظاہر ہوتی ہیں — تصویریں چلتی، پھرتی، رقص کرتی، گنگناتی اور باتیں کرتی نظر آتی ہیں جب کہ تصویریں عکس ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''وہ زندہ کو مردے میں سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکال لاتا ہے۔ اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ اسی طرح تم بھی حالتِ موت سے نکال لئے جاؤ گے۔'' (الروم: ۱۹)

اسکرین کو غور سے دیکھیں اور بتائیں کیا ہوا؟

پہلے اسکرین نظر آ رہی تھی اور تصویریں پردے میں تھیں، اب اسکرین چھپ گئی ہے اور تصویریں نظر آ رہی ہیں۔ جیسے ہی پروجیکٹر رکتا ہے، اسکرین پھر سے تاریک ہو جاتی ہے۔ جو تصویریں سنیما کی اسکرین پر مظاہرہ بن رہی تھیں وہ فلم کے فیتے میں موجود ہیں لیکن ہم نہیں دیکھتے۔ فیتہ بھی اسکرین ہے مگر نظر اس اسکرین سے ناواقف ہے۔

② آسمان سے پانی زمین پر نازل ہوتا ہے اور زمین میں جذب ہو کر پھول، درخت، پھل، گھاس اور ہر طرح کے جان داروں کے ظہور کا ذریعہ بنتا ہے۔ پانی اور زمین کے ملاپ سے جو تخلیقات وجود میں آتی ہیں، ان سے زمین چھپ جاتی ہے اور ہم رنگ برنگ تخلیقات کو دیکھتے ہیں یعنی زندگی جس بساط پر ظاہر ہو رہی ہے وہ چھپ گئی اور رنگ سامنے آ گئے۔

''اور یہ جو بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کی ہیں، ان میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔'' (النحل: ۱۳)

زمین پر نظر آنے والی شے کہیں سے آتی (منتقل) ہے اور مظاہرے کے بعد چلی جاتی ہے۔ آنے کے بعد جانا دوسرے مقام پر منتقل ہونا ہے۔ منتقلی کے عمل کو

''انتقال'' کہتے ہیں۔ غور کریں کہ شے کے ایک مرتبہ انتقال کو زندگی جب کہ دوسرے انتقال کو موت کا نام دیا جاتا ہے۔ انتقال زندگی کی بنیاد ہے اور موت بن کر زندگی کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ ایک لمحے پر موت نہ آئے تو دوسرا لمحہ زیر بحث نہیں آتا۔

معاشرے میں موت سے متعلق جو تصورات رائج ہیں انہوں نے ایسی فضا قائم کی ہے کہ موت سے ناواقف شخص خوف زدہ رہتا ہے۔ ابدالِ حق اس خوف کے بارے میں فرماتے ہیں،

''آدمی بے وقوف ہے، موت سے ڈرتا ہے جب کہ موت آدمی کی سب سے بڑی محافظ ہے۔''

شاگردِ رشید عظیمی صاحب تشریح کرتے ہیں کہ،

''ملک الموت کی جہاں یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ روح قبض کرے — ملک الموت کی یہ بھی ڈیوٹی ہے کہ وقت معینہ سے پہلے کسی بھی آدمی کو اس دنیا سے باہر نہ جانے دے۔ انسان کی سب سے بڑی محافظ اس کی موت ہے اور انسان اپنی سب سے بڑی محافظ سے ہی ڈرتا رہتا ہے۔ موت سے آپ ڈریں یا نہ ڈریں اگر عمر باقی ہے تو ملک الموت بھی آپ کی طرح مجبور ہے اور اگر وقت آ گیا ہے تو آپ ایک سیکنڈ بھی دنیا میں نہیں رہ سکتے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس حقیقت سے دنیا کا ایک فرد انکار نہیں کر سکتا۔''

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ پھر تم ہماری طرف پلٹا کر لائے جاؤ گے۔'' (العنکبوت: ۵۷)

انتقال عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب منتقل ہونا یا جگہ بدل لینا ہے۔ جب کہ ''مرنا'' ہندی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی امر ہونا ہے۔

آیئے جانتے ہیں کہ جدید سائنس موت کے بارے میں کیا کہتی ہے۔ آکسفورڈ یونی ورسٹی میں ریاضی اور طبیعیات کے پروفیسر راجر پینروز کا کہنا ہے،

''مادی زندگی جو ہم گزار رہے ہیں صرف ہمارا تصور ہے۔ جب مادی جسم کی موت ہوتی ہے تو اس کے پیچھے لامحدودیت ہے۔''

لامحدودیت کے بارے میں وہ کہتے ہیں،

''لامحدودیت ایسی حقیقت ہے جو بہت وسیع ہے اور اس مادی دنیا کی بنیاد ہے۔ ہماری زندگی پر اگلی دنیا نے احاطہ کیا ہوا ہے۔ جسم مرتا ہے لیکن روحانی کوانٹم جاری رہتا ہے۔ اس طرح میں امر ہوں۔''

کوانٹم فزکس کے محققین کافی حد تک متفق ہیں کہ شعور ایسا یونٹ ہے جو اطلاعات کو محفوظ کرتا ہے اور یہ یونٹ مادی جسم سے باہر موجود رہ سکتا ہے۔ اس بنا پر شعور کی حیثیت مادی جسم سے زیادہ ہے۔ اس بات کو بنیاد بنا کر وہ شعور کی مختلف تشریحات کر رہے ہیں۔ جہاں محقق اس بحث میں مشغول ہیں کہ شعور کیا ہے وہیں بعض محققین نے دنیا کے سامنے یہ نتائج پیش کئے ہیں کہ اطلاع کوانٹم کے درجے میں محفوظ ہوتی ہے۔

امریکی محقق رابرٹ لانزا اپنی Biocentrism

کی تھیوری میں کہتے ہیں کہ

''اسپیس اور ٹائم ایسی شے نہیں ہے جیسا ہم ان کو سمجھتے ہیں۔ Timelessness (لازمانی) اور spaceless (لامکانی) کی دنیا میں موت وجود نہیں رکھتی۔''

سائنس کے مطابق کوانٹم توانائی کی وہ مقدار ہے جو اکائی کی حیثیت رکھتی ہے۔اور کوانٹم فزکس میں توانائی اور مادّے کا مطالعہ ایٹم اور ایٹم کے بنیادی ذرّات کے درجے میں کیا جاتا ہے۔

قارئین! الہامی کتابوں نے ہر فرد کو اس بات کی فہم عطا کی ہے کہ شے ایک رخ میں محدود اور دوسرے رخ میں لامحدود ہے۔محدود رخ میں شے ایک مقام پر نظر آتی ہے جب کہ لامحدودیت میں ڈائی مینشن مغلوب ہوجاتے ہیں۔کتاب ''نظریۂ رنگ و نور'' میں اس الہامی قانون کی وضاحت اس طرح ہے،

''ہر انسان کے اندر بیک وقت دو دنیائیں آباد ہیں۔ ایک شعوری دنیا اور دوسری لاشعوری دنیا۔شعوری دنیا محدود ہے اور لاشعوری دنیا لامحدود ہے۔لامحدود دنیا میں لاکھوں کہکشائیں اور کہکشاؤں میں کروڑوں دنیائیں آباد ہیں۔ماہرین اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ ہر دنیا میں آدم زاد برادری موجود ہے۔زمانیت کی درجہ بندی کی وجہ سے اس انسانی برادری کے خدوخال میں تو کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی البتہ تخلیقی فارمولے میں یہ فرق ہوجاتا ہے کہ کسی دنیا کی مخلوق ٹرانسپیرنٹ ہے، کسی دنیا کی مخلوق سنہری ہے اور کسی دنیا کی مخلوق مرکری ہے۔لیکن ہر دنیا میں دوسری مخلوقات کے علاوہ آدم زاد یا انسان یقینی طور پر موجود ہے۔''

جب کچھ نہیں تھا تو اللہ تھا۔اللہ نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔تعارف کے لئے خلق کا موجود ہونا، خلق کے لئے وسائل کا موجود ہونا اور وسائل کی موجودگی کے لئے earth کا ہونا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کُن فرمایا — کائنات وجود میں آئی۔ کُن میں کائنات کا ریکارڈ ہے اور یہ ریکارڈ کُن کی گونجار ہے جو ازل سے ابد تک جاری ہے۔ہر شے کُن میں ہے، اسی کے مطابق عالم در عالم منتقل ہوتی ہے اور مظاہرہ کر کے ریکارڈ میں چلی جاتی ہے۔ایک دن کا بچہ جب دس دن کا ہوا تو دس دن کہاں گئے — ؟ختم نہیں ہوئے، ریکارڈ میں موجود ہیں۔جو فرد ریکارڈ پڑھنا سیکھ لے وہ مستقبل اور حال کو ماضی میں دیکھتا ہے۔ موت دراصل شے کا ریکارڈ میں لوٹنا ہے۔

محققین نے کائنات کے رموز سمجھنے کی جتنی کوششیں کی ہیں، ان کی بنیاد تغیر ہے کیوں کہ وہ خالق کو جانے بغیر تخلیق کو سمجھنا چاہتے ہیں اور ظاہر کو بنیاد بنا کر باطن پر غور کرتے ہیں۔80 سال میں فرد کا ظاہر وہ نہیں ہے جو پہلے دن تھا۔لیکن یہ پہلے دن کا وجود ہی ہے جو 80 سال تک پہنچا۔

تغیر کی بنیاد پر محقق کو ڈگری ملتی ہے، کچھ عرصے بعد

دوسرا محقق اپنی تحقیق پیش کر کے پہلی کو مسترد کرتا ہے، اسے بھی ڈگری اور انعامات ملتے ہیں مگر پہلے محقق سے ڈگری واپس نہیں لی جاتی۔ مسترد شدہ تحقیق پر علوم کے جو شعبے اور نظریات بنتے ہیں، انہیں بھی رد نہیں کیا جاتا۔

★ اطالوی محقق انریکو فرمی کو دنیا کے پہلے نیوکلیئر ری ایکٹر کا بانی کہا جاتا ہے۔ فرمی کو 1938ء میں نئے ریڈیو ایکٹو عناصر کی دریافت پر نوبل انعام دیا گیا۔ اس نے یہ عناصر اپنی تحقیق میں یورینیم ایٹموں کی نیوٹران پر بمباری کے دوران دریافت کئے تھے۔ کچھ عرصے بعد جرمن محقق اوٹو ہان نے انکشاف کیا کہ یہ نئے عناصر نہیں ہیں بلکہ نیوٹران پر بمباری کے دوران یورینیم کے ایٹم تقسیم ہو جاتے ہیں۔ تحقیق کے نتائج غلط ثابت ہونے کا اعتراف خود فرمی نے بھی کیا لیکن فرمی سے نوبل انعام واپس نہیں لیا گیا۔ اوٹو ہان کو اس کی تحقیق پر 1944ء میں نوبل انعام دیا گیا۔

★ 1907ء میں کوپن ہیگن یونی ورسٹی کے پروفیسر جوہانس فیبیگر نے تجربات سے پیٹ کے کینسر کا سبب بننے والے طفیلی کیڑوں کی دریافت کا دعویٰ کیا اور کیڑوں کو Spiroptera Carcinoma کا نام دیا۔ یہ طب کی تاریخ میں بڑی تہلکہ خیز دریافت تھی جس پر فیبیگر کو 1926ء میں نوبل انعام دیا گیا۔ جوہانس فیبیگر کی موت کے بعد کچھ محققین ان کیڑوں پر تحقیق کر رہے تھے، انہوں نے ثابت کیا کہ پیٹ کے کینسر کا سبب Spiroptera Carcinoma نہیں ہیں۔ تحقیق غلط ثابت ہونے پر فیبیگر سے نوبل انعام واپس نہیں لیا گیا۔ دانش ور اسے نوبل انعام کی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی مانتے ہیں۔

الہامی کتب کے بغیر کائنات کو سمجھنا ممکن نہیں۔ جو محقق کسی حد تک کائناتی راز کی درست تصویر کشی کرتا ہے، اس کی تحقیق الہامی کتب میں تفکر کا نتیجہ ہے مگر محققین اسے اپنا نظریہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔

مادی محققین کے نظریات بدل جاتے ہیں اور انہی کے گروہ کا فرد ان نظریات کو مسترد کرتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے قوانین تبدیل نہیں ہوتے۔

''پس تو اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی اور کوئی تعطل نہیں پائے گا۔'' (فاطر:۴۳)

موت سے قریب ترین ایک حالت خواب ہے۔

''اور وہی تو ہے جو رات کو تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کی خبر رکھتا ہے۔ پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے تاکہ معین مدت پوری کر دی جائے۔ پھر تم کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ تم کو تمہارے عمل جو تم کرتے ہو بتائے گا۔''

(الانعام: ۶۰)

خواب ایسی کیفیات سے روشناس کراتا ہے جہاں ارادے کی حیثیت حکم کی ہے۔ خواب ایسی اسپیس ہے کہ بیداری میں مشق (مراقبہ) کے ذریعے اس میں داخل ہوا جا سکتا ہے اس کے لئے سونا ضروری نہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ کا ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے۔

شاگردِ رشید عظیمی صاحب تحریر فرماتے ہیں،

رات کے وقت میں حضور بابا صاحبؒ کی کمر دبا رہا تھا۔ پسلیوں کے اوپر جب ہاتھ پڑا تو حضور بابا صاحبؒ کو تکلیف محسوس ہوئی۔ کرتا اٹھا کر دیکھا تو تقریباً چار پانچ انچ کا زخم تھا۔ میں یہ دیکھ کر بے قرار ہوگیا اور پوچھا کہ یہ کیسا زخم ہے، حضور؟

فرمایا۔۔۔ میں درّے میں سے گزر رہا تھا۔ جگہ کم تھی، پہاڑ کی نوک سے یہ زخم آ گیا۔

چوں کہ رات کافی گزر چکی تھی، تقریباً بارہ بجے کا وقت تھا اس لئے میں کوئی دوا نہ لا سکا۔ جب انھوں نے مجھے پریشان دیکھا تو کہا، کوئی بات نہیں۔ صبح مرہم پٹی ہو جائے گی۔ آپ نے کا ہے کا غم کیا ہے؟

صبح میں نے کرتا اٹھا کر دیکھا تو زخم کا نشان تک جسم پر نہیں تھا۔

تمام آفاقی مذاہب نے مرنے کے بعد کی زندگی کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ سزا، جزا، دوزخ یا جنت کا حصول جس عالم یا زندگی میں بتایا گیا ہے، اس کی بنیاد اِس دنیا کی زندگی ہے۔

''اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔''

(الملک:۲)

سرورِ کائناتؐ کا فرمان ہے،

''مرنے سے پہلے مر جاؤ''

اس زندگی میں موت کے بعد والی زندگی سے واقف ہوکر اپنے اوپر سے قید و بند کی دبیز چادر اتار پھینکو۔

موت اصل زندگی ہے اس کا علم حاصل کر کے ہمیں اس ہستی کا ادراک ہوسکتا ہے جو زندگی کا سورس ہے۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

حق یہ ہے کہ بیخودی خودی سے بہتر
حق یہ ہے کہ موت زندگی سے بہتر
البتہ عدم کے راز ہیں سربستہ
لیکن یہ کمی ہے ہر کمی سے بہتر

سوالیہ نشان

یوم ۔۔۔ دن اور رات پر مشتمل ہے۔ محقق جب روشن رخ کو دن سمجھ کر تاریکی نظر انداز کر دیتا ہے تو تحقیق قابل اعتبار نہیں کیوں کہ نتیجہ ایک رخ کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔ کچھ عرصے بعد دوسرا محقق یوم کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے وہ دن کو نظر انداز کر کے رات کو یوم سمجھتا ہے۔ اس کی تحقیق بھی مخصوص زاویے تک محدود ہونے کی وجہ سے تغیر پر مبنی ہے۔ تھوڑا عرصہ گزرتا ہے نئی تحقیق سامنے آتی ہے اور تغیر در تغیر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جب تک دیکھنے والے کے سامنے ساری سمتیں مشاہدہ نہ ہوں ۔۔۔ اس کا علم سوالیہ نشان ہے۔

شہر بانو

رنج سے خوگر ہوا انساں

ایک خاتون کے چشمے کھو گئے۔ پورے گھر میں ڈھونڈ لئے، کہیں نہیں ملے۔ وہ ان کی آنکھوں پر لگے ہوئے تھے جس کی مدد سے وہ چشمہ ڈھونڈ رہی تھیں۔

تین سال پہلے دندان ساز (dentist) نے مجھے بریسز (braces) لگانے کی تجویز دی تا کہ دانتوں کی ترتیب متوازن ہو جائے۔ دانتوں کے ٹیڑھ پن کی وجہ سے مسلسل تکلیف اور علاج میں پیچیدگی کا سامنا تھا۔ میں نے تجویز پر عمل کیا اور ایک ہفتے بعد پہلے اوپر کے دانتوں پر بریسز لگے۔ ڈینٹسٹ کا کہنا تھا کہ اوپر کے دانت ترتیب میں آنے میں دو سال لگیں گے۔ پھر مسوڑھے کم زور ہونے کی وجہ سے انہوں نے ایک سال مزید بڑھا دیا۔

تجربے سے گزرنے والے واقف ہیں کہ بریکٹ، وائر اور بینڈز پر مشتمل بریسز کے ساتھ ابتدائی چند روز انتہائی تکلیف میں گزرتے ہیں۔ دباؤ کی وجہ سے پہلے ہفتے شدید درد رہا حتیٰ کہ جَو کا دلیہ چبانا مشکل ہو گیا۔

بریسز لگانے کے لئے تار مناسب مقدار میں کسا جاتا ہے جس سے دباؤ پیدا ہوتا ہے البتہ کوشش کی جاتی ہے کہ دانت ٹوٹنے سے محفوظ رہیں۔ دباؤ سے دانت آہستہ آہستہ سرکنا شروع ہوتے ہیں۔ منہ میں تار لگنے سے ہونٹ ابھر جاتے ہیں اور چہرے کی ساخت میں عارضی طور پر فرق پڑتا ہے۔ معمولی تبدیلی سے شیشہ دیکھنے پر مجھے اپنا چہرہ نامانوس لگتا۔

آدمی کی فطرت ہے کہ وہ تبدیلی کو جلد قبول نہیں کرتا۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ سب کا پہلا تبصرہ ہوتا، ہونٹوں کو کیا ہوا۔ جواب میں ہنستے ہوئے بتیسی روشن ہوتی تو وہ لفظ کو طول دیتے ہوئے کہتے، اچھاااا۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو جس تناسب میں بنایا ہے، وہ بہترین ہے۔ خوب صورتی تناسب میں توازن سے ہے۔ مشاہدہ ہے کہ معمولی فرق سے کس طرح ساخت بدل جاتی ہے۔ احسن الخالقین اللہ تعالیٰ کی بڑائی ہے کہ اس نے ہر فرد کو دوسرے سے مختلف بنایا ہے اور ان کی ساخت میں توازن قائم رکھا ہے۔ جیسے کہ نوع آدم میں شماریات سے زیادہ شکلیں ہیں، سب کو دیکھ کر یہی خیال آتا ہے کہ یہ نوع آدم ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے شکل وصورت میں تبدیلی کے باوجود ہر فرد میں اپنی نوع

کی شناخت برقرار رکھی ہے۔

بہرحال چند ہفتوں بعد مجھے خود کو بریسز کے ساتھ دیکھنے کی عادت ہوگئی۔تین سال کے بعد بریسز ہٹے اور دانت ترتیب میں آ گئے۔دانتوں میں توازن سے چہرہ پھر بدلا مگر اس تبدیلی نے چہرے کو متوازن کر دیا۔

عجیب بات ہے کہ سفر کے دوران مسافت طویل لگتی ہے لیکن منزل پر پہنچنے کے بعد پیچھے دیکھیں تو طوالت گم ہو جاتی ہے جیسے فاصلہ لپٹ گیا ہو۔

ہم آرام سے کہہ دیتے ہیں کہ میں گریجویٹ ہوں۔ لفظ گریجویٹ میں وہ عرصہ زیر بحث آتا ہے جس میں چودہ جماعتیں پاس کی گئیں مگر گریجویٹ کہتے ہوئے چودہ سال کی اسپیس ذہن میں نہیں آتی جس میں ہم مستقل تربیت اور امتحان سے گزرے۔

تین سال تک ڈاکٹر کے پاس آنا جانا، چیک اپ، دانتوں کے ساتھ بریسز کی صفائی ، وائر کی تبدیلی اور بالآخر بریسز کا ہٹنا۔خوشی کے ساتھ عجیب محسوس ہوا۔

کیوں ــــ ؟ اب کسی چیز کی کمی کا احساس تھا!

ہم چیزوں سے مانوس ہوکر زندگی گزارتے ہیں کیوں کہ زندگی انسیت کے بغیر نہیں گزرتی ۔تبدیلی محسوس کرنے کی وجہ انسیت ہے۔چہرے سے مانوس نہ ہوں تو ڈھلتی عمر کا احساس نہیں ہوگا۔دن رات کا پتہ نہ ہو، رات دن کا ادل بدل ذہن سے نکل جائے گا۔ تھوڑی دیر کے لئے انگوٹھی اترتی ہے تو انگلی خالی محسوس ہوتی ہے۔کمرے میں پلنگ کی جگہ بدل دیں، کمرا پہلے سے الگ لگتا ہے جب کہ کمرا تبدیل ہوا ہے نہ پلنگ۔ پلنگ کو جس جگہ دیکھنے سے ہم مانوس ہیں، وہ جگہ خالی ہے یا وہاں کچھ اور ہے۔بالوں کا اسٹائل بدلنے سے چہرہ نیا لگتا ہے لیکن چہرہ وہی ہے۔پھر نیا پن کیا ہے؟

شے سے نامانوس ہونے کو ہم نیا پن کہتے ہیں!

یہاں کچھ نیا نہیں، ایک شے مختلف زاویوں سے ہمارے سامنے آرہی ہے۔ہم نے بالوں کو اولیت دے کر چہرے کو دیکھا ہے یا چہرے کو بالوں کے تناظر میں دیکھتے ہیں اسی لئے بال بدلنے سے چہرہ تبدیل محسوس ہوتا ہے۔

بہت غور کیا کہ انسیت کیا ہے ــــ ؟

لاشعور نے بتایا کہ انسیت ــــ وزن ہے۔

وزن سمجھنے کے لئے انگلی میں انگوٹھی بہترین مثال ہے۔مانوس ہونے سے ذہن میں چپک پیدا ہوتی ہے اور چپک سے وزن کا اضافہ ہوتا ہے جیسے انگوٹھی انگلی سے اترنے پر ہاتھ خالی یا ہلکا لگتا ہے۔ہم انگوٹھی کی شکل میں وزن اٹھائے پھرتے ہیں۔اسی طرح بریسز لگے، منہ بھاری ہوگیا اور جب بریسز ہٹے تو وزن بے وزن ہونے کا احساس ہوا۔

رشتوں کی بھی یہی مثال ہے۔

جہاں کسی کے آنے سے ذہن میں اسپیس کا اضافہ ہوتا ہے، وہاں کسی کے جانے سے اسپیس بدل جاتی

ہے جس کو ہم اپنے اندر خلا کہتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ ہم چیزوں اور رشتوں سے جتنا مانوس ہوتے ہیں، ذہن پر پرتیں چڑھتی ہیں اور وزن بڑھتا ہے۔ کیا یہ وزن شے میں ہے یا ہمارے ذہن میں؟ وزن ذہن میں ہے۔ جس چیز میں دلچسپی لیں گے اس کا وزن محسوس ہوگا۔ عدم دلچسپی سے اہمیت (وزن) ختم ہوجاتی ہے۔

قانون: جن چیزوں پر توجہ ہے ہم نے اسے کیئر آف اللہ نہیں دیکھا اور نہ سمجھا اس لئے ذہن میں ثقل غالب ہوگیا اور ثقل وزن ہے۔ جو لوگ شے اور تعلق کو دیکھنے سے پہلے کیئر آف اللہ سوچ رکھتے ہیں ان کے ذہن بھاری نہیں ہوتے ان پر وزن کے بجائے لطافت غالب ہوتی ہے۔ رشتوں کے کھونے کا احساس انہیں بھی ہوتا ہے لیکن یہ لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں اس لئے کھونے کے بوجھ سے جلد نکل آتے ہیں۔ انسیت کی ضرورت ان کو بھی ہے اور ان کی سوچ کا محور اللہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت لطیف ہے۔ ذہن میں اللہ کا خیال ہو تو صفتِ لطافت متحرک ہوتی ہے۔ لطافت سے مانوس ہونے والا کثافت میں کیوں آئے گا!

تبدیلی سے میں خوش تھی مگر ہر خوشی اک وفقۂ تیاری سامان غم کے مصداق ڈینٹسٹ (طبیب دندان۔ دندان ساز) نے کہا اب ریٹینر پہننا ہوگا۔ بعض واقعات میں بریسز اتارنے کے بعد دانت واپس پرانی جگہ پر چلے جاتے ہیں، ریٹینر اس عمل کو روکتا ہے اور دانت نئی جگہ کے عادی ہوجاتے ہیں۔

ڈاکٹر نے میرے تاثرات دیکھتے ہوئے کہا کہ تین چار دن میں عادی ہوجائیں گی، ان کو نہیں اتارنا۔ میں خاموشی سے مسکرادی۔ تکلیف کی وجہ سے سر میں درد ہوگیا تھا اور آنکھیں درد سے پانی!

ریٹینر ٹرانسپیرنٹ تھے اور مجھ سمیت کسی کو نظر نہیں آتے تھے۔ دانتوں پر انتہائی دباؤ تھا جیسے رسہ کشی کا کھیل ہو جس میں جبڑے، دانت، ہڈیاں ایک طرف اور ریٹینر ایک طرف — دونوں میں سے پیچھے ہٹنے پر کوئی راضی نہیں تھا اور ان کی وجہ سے میں مشکل میں تھی۔ تیسرے دن دباؤ غائب ہوگیا۔

کئی سوالات ذہن میں آئے۔ کیا درد چلا گیا یا میں عادی ہوگئی؟ ریٹینر اتار کر دیکھا تو وہ درست حالت میں تھا یعنی اس نے دانتوں کو سرکنے نہیں دیا۔ پھر تبدیلی کہاں واقع ہوئی؟ تین سال پہلے جب مجھے بریسز کی عادت ہوگئی تو ایک بار دانتوں کو ہاتھ لگانے پر وائبریشن محسوس ہوئی۔ یعنی دانت مسلسل حرکت میں تھے۔ فرق مجھ میں آیا جس نے تبدیلی کو قبول کیا۔ برصغیر کے معروف شاعر اسداللہ خاں غالبؔ فرماتے ہیں،

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

درد کو قبول کیا تو درد نے تکلیف پہنچانا چھوڑ دی۔ اس خیال سے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی کہ جب ہم کسی شے کو گلے لگاتے ہیں، وہ جیسی ہے اسی حالت میں قبول

کرتے ہیں، اس کے خلاف مدافعت نہیں دکھاتے تو یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب ہم خود کو ان سے آزاد کر لیتے ہیں۔

جبر یا خوشی سے حالات کو قبول کرنا ہے تو پھر ہم ارادی طور پر کیوں قبول نہیں کرتے ــــ؟

ہر شے پر احساس غالب ہے۔ جس طرح کے معنی پہنا دیئے جائیں، جذبات اسی کے مطابق متشکل ہوتے ہیں۔ درد کو درد سمجھیں تو درد بڑھ جاتا ہے، درد سے خوگر ہو جائیں تو درد مٹ جاتا ہے۔ محسوس نہ کریں تو یہاں کسی شے کا وجود نہیں، محسوس کر لیں تو ہر شے موجود ہے۔ محسوسات سے زندگی کی طرزیں تشکیل پاتی ہیں۔

مارشل آرٹس کے ماہر بروس لی کا کہنا ہے،

''پانی کی طرح بنو جو اپنا راستہ شگافوں میں سے نکال لیتا ہے۔ جارحانہ رویہ مت اپناؤ بلکہ شے کے مطابق خود کو ڈھال لو اور پھر تم اس میں سے یا اس کے اطراف میں راستہ ڈھونڈ لو گے۔ جب تمہارے اندر سے سختی یا اکڑپن ختم ہوگی تو چیزیں تم پر ظاہر ہو جائیں گی۔ ذہن کو خالی کرو ــــ بے شکل و صورت ہو جاؤ، پانی کی طرح بے وضع ہو جاؤ۔ پانی کو پیالے میں ڈالو، وہ پیالہ بن جاتا ہے۔ بوتل میں ڈالو تو بوتل بن جاتا ہے۔ چائے دانی میں ڈالو تو چائے دانی بن جاتا ہے۔ پانی میں بہاؤ ہے۔ میرے دوست! پانی بنو۔''

زندگی تمام وسائل کے ساتھ اپنے مرکز میں گھوم رہی ہے ــــ جن چیزوں کو ہم اہمیت دیتے ہیں وہ ہماری زندگی کا حصہ بن جاتی ہیں۔ توجہ نہ دیں تو ان کا وجود بے معنی ہو جاتا ہے۔ کہانی آپ نے سنی ہوگی کہ ایک خاتون کے چشمے کھو گئے۔ پورے گھر میں ڈھونڈ لئے، کہیں نہیں ملے۔ وہ ان کی آنکھوں پر لگے ہوئے تھے جس کی مدد سے وہ چشمہ ڈھونڈ رہی تھیں۔ نظر وہی آتا ہے جسے دیکھنے کی کوشش کی جائے۔ اور جسے نہ دیکھنا چاہیں، اسے نظر انداز کرنے کی صلاحیت بھی ہمارے اندر ہے۔ اسی طرح اللہ ہر جگہ موجود ہے لیکن یقین نہ ہونے کے باعث اللہ کی موجودگی کا احساس نہیں ہوتا۔

- اندر میں کوئی ہے جو مٹی کو سہارا دیتا ہے لیکن؟
- کُن کی گونج جاری ہے ــــ سنائی نہیں دیتی۔

پیغمبران کرام اور اولیاء اللہ کی زندگی میں سبق ہے کہ وہ وقت سے نہیں لڑے ــــ گزر گئے۔ اللہ پر یقین ہونے کے باعث انہوں نے تصویر کا ایک رخ دیکھنے کے بجائے مکمل تصویر دیکھی۔ بہتری کے لئے کوشش کی اور تکالیف کو قبول کیا۔ دشوار حالات کا مقابلہ کرنا ان ہستیوں کا دستور ہے۔ وہ نا امیدی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ استقامت کی وجہ سے کام یاب ہوئے اور اللہ صاحب استقامت لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

بریسز کے تجربے سے زندگی میں انسیت کی اہمیت کو سمجھا۔ ذہن اللہ کی طرف نہ ہو تو آدمی بار بار کھونے اور پانے کے تجربے سے گزرتا ہے اور رنج والم میں مبتلا رہتا ہے۔ ذہن اللہ کی طرف ہے تو وسائل کم ہوں یا زیادہ، بندہ کھونے اور پانے کے غم سے نکل جاتا ہے۔

صوفیہ رفعت
(برطانیہ)

رنگ برنگ دنیا

لائبریری خوش نما باغ کی مانند ہے جہاں کتابوں کی صورت میں پھولوں سے بھرے ہوئے بہت سے درخت ہیں ان درختوں سے لوگوں کو بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں جس میں سب سے بڑا فائدہ سکون ہے۔ لائبریری کا مقصد یہ ہے کہ آپ علم حاصل کریں اور اس علم سے دوسروں کو فائدہ بھی پہنچائیں۔

میرے لئے وہ بہت پیاری شام تھی کہ جس کی آمد سے تفکر کے دریچے کھل گئے۔ بیٹھک میں کسی کام میں مصروف تھی کہ غیر ارادی طور پر نگاہ کمرے میں موجود LED TV اسکرین پر پڑی۔ ٹی وی بند تھا مگر بند ٹی وی کی سیاہ اسکرین پر جو منظر نظر آیا اس نے مجھے حیران کر دیا۔ ذہن کے پٹ کھلے اور ادراک ہوا کہ اسکرین پر خوب صورت رنگ کوئی کہانی سنا رہے ہیں جیسے پوچھ رہے ہوں کہ جانتی ہو ہم کون ہیں ــــ؟

جستجو ہوئی کہ یہ رنگ کہاں سے آ رہے ہیں اور وہ کون سا منظر ہے جس نے سیاہ اسکرین کو مظاہرے کے لئے مسکن بنایا ہے ــــ؟ نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ یہ رعنائی کمرے میں ایک بلب کے سبب ہے جس میں روشنی اسکرین پر دلکش رنگ بکھیر رہی ہے۔ حیرت اس بات کی تھی کہ بلب کا رنگ ایک ہے لیکن جب وہ اسکرین پر منعکس ہوا تو کئی رنگ ظاہر ہو گئے۔

میں نے ایک شے کے دو مظاہرے دیکھے۔

۱۔ بلب میں سے روشنی کا بلب کے رنگ میں ظاہر ہونا

۲۔ ظاہر شدہ روشنی کا دوبارہ کسی میڈیم سے ٹکرا کر مزید رنگوں میں مظاہرہ۔

نتیجہ یہ تھا کہ شے جب ایک سے زیادہ میڈیم سے گزرتی ہے تو اس کی روشنی رنگوں میں تقسیم در تقسیم ہوتی جاتی ہے۔ مجھے خیال آیا کہ بلب سے کمرے میں پھیلنے والے رنگ اور کائنات کی اسکرین پر بکھرنے والے رنگوں میں کیا فرق ہے ــــ؟ کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ ذہن اس سوال میں گم ہو گیا کہ رنگ کیا ہیں ــــ؟

ایک بار ذہن رنگوں کی کھوج میں کیا لگا کہ اب توجہ رنگین منظر پر مرکوز ہوتی تو میں اس خیال کا خیر مقدم کرتی۔ کچھ دیر اس کے بارے میں سوچ کر نہیں معلوم میری توجہ ادھر ادھر کیوں ہو جاتی تھی۔ ممکن ہے کہ یہ رنگوں کا کمال ہو کہ وہ اپنے ردّوبدل سے مجھے دنیا کے ردّوبدل کی طرف متوجہ کر رہے تھے یہی وجہ ہے کہ تفکر

کے دوران میں ارادی اور غیر ارادی طور پر کسی اور کام میں مصروف ہوجاتی تھی۔

دن گزرتے رہے ــــ ایک روز حسب معمول بیٹھک میں ''صفائی نفس ایمان ہے'' پر عمل کی کوشش کے دوران اسکرین پر وہی رنگ منظر بن کر اپنے ہونے کا احساس دلا رہے تھے۔ میں نے فوراً بلب کی طرف دیکھا کیوں کہ دن کا وقت تھا اور بلب روشن نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ اس بار رنگوں کا سبب بلب نہیں بلکہ آفتاب کی کرنیں تھیں جو بغیر آہٹ کے چپکے سے صاف و شفاف کھڑکی سے گزر کر اسکرین پر چمک رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ

- کیا بلب کی روشنی اور سورج کی روشنی دونوں میں ایک جیسے رنگ چھپے ہوئے ہیں ــــ؟
- مختلف ذرائع سے ایک شے بار بار دعوتِ فکر دیتی ہے۔ آخر یہی منظر میری توجہ کا مرکز کیوں بنتا ہے ــــ؟
- ان رنگوں کے اندر کیا حکمت ہے ــــ؟

ہے کیوں کہ ہمیں اسکرین کے بغیر شے نظر نہیں آتی۔ آخر اسے کون سی اسکرین مہیا ہے۔ اسکرین تو ایک طرح کی رکاوٹ ہے جس سے روشنی ٹکراتی ہے۔ فضا میں کون سی رکاوٹیں ہیں ــــ؟ کیا یہ رکاوٹیں مخصوص جگہ پر ہیں یا ساری خلا اسکرین ہے ــــ؟

سوچ کے دریچوں سے آواز آئی، لطائف کے بھی رنگ ہوتے ہیں۔ لطائف ہر فرد کے اندر رنگ اور روشنی کے زون ہیں۔ ان کی تعداد ہر مخلوق میں مختلف ہے۔ ہر زون علم کا درجہ ہے۔ مخلوقات سب میں موجود ہیں۔ ہم پر آخری زون یعنی نفس کا غلبہ ہے۔

ذہن مرکوز ہونے سے نئے نئے سوالات سامنے آرہے تھے جن سے آگے بڑھنے کی راہ ہموار ہوئی۔ جیسے میں کائناتی کلاس میں ہوں اور مجھے ہوم ورک مل رہا ہے۔ اس طرح ذوق سفر کے ساتھ جاننے کی لگن مزید بڑھتی گئی۔

بزرگوں کا قول ہے کہ

''کائنات میں گھڑی بھر کا تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔''

دل کی سرزمین جستجو پر شوق کی سواری کو تیار پا کر سفر کا ارادہ کیا۔ ذوق و شوق کے ساتھ قدم بڑھائے۔ دوران سفر ایک روز چرخِ کہن پر خوش رنگ قوس قزح دیکھی تو یہ نظارہ پہلے تجربات جیسا تھا، بس زاویہ مختلف تھا۔ میں نے سوچا کہ یقیناً یہ بھی کسی اسکرین پر مظہر بنا

رم جھم برسات میں باہر جانے کا اتفاق ہوا۔ راستے میں گیراج کے سامنے کھڑے پانی میں سے گزرنا پڑا۔ لگتا ہے کہ میں جن مقامات سے گزرتی ہوں وہ سب باتیں کرتے ہیں اس لئے میں نے دیکھا کہ راستہ پانی کی جل تھل سے مطمئن تھا۔ لہٰذا میں نے بھی منہ بنائے بغیر اطمینان سے خوشی خوشی پانی میں سے گزرنے کا تجربہ کرنا چاہا۔

پیر پانی میں رکھے، قدم آگے بڑھے اور پھر رک

گئے۔ یہ کیا صاحب! وہی منظر اور رنگین روشنیاں پانی میں محو رقص تھیں۔ اب تو ہر منظر میں رنگوں کا انعکاس نظر آتا تھا۔ یہ انہونی نہیں ہے، دوسرے لوگ بھی وہی سب دیکھتے ہیں جو میں دیکھ رہی ہوں لیکن وہ اسے معمولی اور غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

میں نے روحانی استاد سے سیکھا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی شے پر تفکر کریں، چاہے ہماری نظر میں اس کی اہمیت ہو یا نہ ہو۔

یہ منظر معمولی کیسے ہوسکتا ہے! اس میں انعکاس اور انعطاف (لاء آف ریفلیکشن اور ریفریکشن) کا قانون ہے کہ چیزیں مظہر کیسے بنتی ہیں۔ یہ آتی کہاں سے ہیں، یہ حقیقت ہیں یا میڈیم کے سبب نظر آ رہی ہیں؟

ابتدا میں مجھے حیرت ہوئی مگر وقت گزرنے کے ساتھ تعجب اور حیرانی دور ہوئی کہ حیرانی لاعلمی کا اظہار ہے۔ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

خیال نے مجھے جس طرف متوجہ کیا، میں نے ان چیزوں کو محسوس کرنا ضروری سمجھا۔ اس بار رنگوں نے پانی کو اسکرین بنا کر مظاہرہ کیا۔ رنگوں کی اس شرارت پر دل مسکرا اٹھا اور سفر مزید پُرلطف ہوگیا۔ کئی چھوٹے چھوٹے تجربات کیے، فون کے ٹارچ سے دیکھا تو منظر الگ تھا۔ نئے زاویے سے آشنا ہوئی کہ پانی بھی اسکرین ہے۔ اس سے قبل میں نے مادی عناصر سے بنی اسکرین دیکھی تھی، پھر قوسِ قزح کو خلا کی اسکرین پر دیکھنے کا تجربہ ہوا اور اب پانی! یہ ٹھیک ہے کہ رنگوں میں تغیر ہے لیکن اس تغیر میں قدرت کی کوئی حکمت ہے۔

زبان پر کلام آیا اور وجود گنگنا اٹھا،

تیرے رنگ رنگ تیرے رنگ رنگ
تیرے رنگ رنگ مولا رنگ رنگ
میں جہاں بھی جاؤں دنیا میں
تیرے جلوے میرے سنگ سنگ
ہر سو ہر جا ہر سو ہر جا
تیرے رنگ رنگ مولا رنگ رنگ
تیرے رنگ رنگ تیرے رنگ رنگ

سفرِ علم کی سواری کا رخ لائبریری کی طرف ہوا تو میں نے اپنی ڈائری کھولی۔ ڈائری میں اپنی مدد آپ کے تحت مددگار اقوال و نکات منتقل کرنے کی مجھے عادت ہے۔ یہ ضرورت کے وقت بے حد کام آتے ہیں۔ جس موضوع کی تلاش ہوتی ہے، اس سے متعلق نوٹ کئے ہوئے نکات راہ نمائی کرتے ہیں۔

لائبریری کیوں اہم ہے، اس سلسلے میں ڈائری میں نوٹ کی ہوئی سب سے زیادہ مددگار اور راہ نما عبارت عظیمی صاحب کا فرمان ہے،

''لائبریری ایک راستہ ہے جہاں سے علم کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ علم کی آبشار گرتی ہے۔ لائبریری خوش نما باغ کی مانند ہے جہاں کتابوں کی صورت میں پھولوں سے بھرے ہوئے بہت سے درخت ہیں ان درختوں سے لوگوں کو بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں جس میں سب سے بڑا فائدہ سکون ہے۔ لائبریری

کا مقصد یہ ہے کہ آپ علم حاصل کریں اور اس علم سے دوسروں کو فائدہ بھی پہنچائیں۔''

فکر انگیز فرمان سے سفرِ علم آسان ہوا اور مسافر کو منزل کا نشان دے گیا۔ میرا رخ تصوف کی کتب کی طرف تھا۔ وہ کتب جن میں رنگوں کے ظاہر و باطن کی معلومات ذخیرہ ہیں۔ جو معلومات میں نے ڈائری میں لکھیں، ان میں کچھ آپ کے لئے منتخب کی ہیں۔

'' رنگ کا جو منظر ہمیں نظر آتا ہے اس میں روشنی، آکسیجن گیس، نائیٹروجن گیس اور قدرے دیگر گیسیں (gases) بھی شامل ہوتی ہیں۔ ان گیسوں کے علاوہ کچھ سائے (shades) بھی ہوتے ہیں جو ہلکے ہوتے ہیں یا دبیز، کچھ اور اجزا اسی طرح آسمانی رنگ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان ہی اجزا کو ہم مختلف قسمیں کہتے ہیں یا مختلف رنگوں کا نام دیتے ہیں۔''

(کتاب: رنگ و روشنی سے علاج)

یہ نظریۂ رنگ و نور کے محقق خانوادہ سلسلہ عظیمیہ عظیمی صاحب کی تصنیف ہے۔ مندرجہ بالا اقتباس میں کئی سوالات کا جواب ہے جیسے کہ میں سوچتی تھی کہ خلا اسکرین کیسے بنتی ہے۔

''دراصل فضا کیا ہے؟ رنگوں کی تقسیم ہے۔ رنگوں کی تقسیم جس قدر ہوتی ہے وہ اکیلے فوٹان کی رَو سے نہیں ہوتی بلکہ ان حلقوں سے ہوتی ہے جو خود فوٹان بنتے ہیں۔ جب فوٹانوں کا ان حلقوں سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو اسپیس یا رنگ وغیرہ کئی چیزیں بن جاتی ہیں۔''

مذکورہ کتاب کے باب سوم میں لکھا ہے،

''لہروں کے ذریعے انسان کے اندر رنگ ٹوٹ کر زندگی بنتے ہیں۔ جب یہ رنگ انسانی جسم میں اپنی صحیح مقدار میں موجود ہوتے ہیں تو انسان بالکل تندرست رہتا ہے۔ اگر ان رنگوں میں اعتدال باقی نہ رہے تو کوئی نہ کوئی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر رنگ کی مقدار کو کنٹرول کر لیا جائے تو مرض کا علاج ہو جاتا ہے۔ ان رنگوں کی کمی کو پورا کرنے یا زیادتی کو ختم کرنے کے لئے سورج کی شعاعوں اور روشنی سے مدد لی جاتی ہے۔''

تحریر سے ظاہر ہے کہ جسم رنگوں سے بنا ہے۔ ابھی رنگ کی بنیاد روشنی کی بات نہیں ہو رہی۔ رنگوں میں بے اعتدالی سے ذہنی و جسمانی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اب جاننا بہت ضروری ہے کہ رنگ کیا ہیں — ؟ وہ لکھتے ہیں کہ رنگ مقداریں ہیں۔ میں نے اسے مثال سے سمجھا کہ اگر میں کسی شے کو مختلف تناسب میں تقسیم کروں تو کئی مقداریں ظاہر ہوتی ہیں۔

۱۔ شے میں تقسیم ہونے کی صلاحیت ہے۔
۲۔ ہر تقسیم ایک مقدار ہے جو مزید تقسیم ہوتی ہے۔
۳۔ شے مقداروں کا مجموعہ ہے اس لئے تقسیم ہو جاتی ہے۔

مغربی ملک کے ایک کثیر الاشاعت اخبار کی نمائندہ نے عظیمی صاحب کا انٹرویو کیا۔ پہلے رنگوں کے اوپر بات ہوئی کہ رنگ ساری کائنات کی اصل ہیں اور ان کے امتزاج سے نوعوں کا وجود قائم ہے۔ قصہ مختصر وہ بہت

متاثر ہو کر گئیں اور کہا رنگوں کی یہ عجیب وغریب تھیوری ہم آئندہ بدھ کو اخبار میں شائع کریں گے۔ بات ایڈیٹر سے ڈائریکٹر تک پہنچی پھر بورڈ بیٹھا اور انٹرویو شائع نہیں ہوا۔ انہوں نے باقاعدہ معذرت کی کہ بورڈ کی رائے یہ ہے کہ انٹرویو شائع نہ کیا جائے۔

انٹرویو اس لئے شائع نہیں ہوا کہ وہ اپنی عوام کو یہ نہیں بتانا چاہتے تھے کہ کوئی مسلمان رنگوں کی کائناتی تھیوری جانتا ہے۔ مجھے یہ بات جان کر افسوس ہوا کہ ایک محدود ذہن نے کتنے لوگوں کو حقیقی علم سے دور کر دیا۔ اگر رنگ کی تھیوری عوام تک پہنچتی تو اس پر بڑے پیمانے پر تحقیق کی جاتی اور یونی ورسٹیوں میں رنگ وروشنی کے شعبے قائم ہوتے۔

خوش آئند بات یہ ہے کہ جن لوگوں اور معاشروں نے اس علم کو قبول کیا، وہ خود ایک درس گاہ بن گئے یعنی علم رکا نہیں، جاری ہے۔

جب رنگ تخلیقات ہیں اور نسل کی افزائش کا نظام ان پر قائم ہے تو میں نے ہر رنگین شے پر غور کرنا شروع کیا—اور پھر دیکھا کہ یہاں کوئی شے بے رنگ نہیں۔ خاکی اور خاک میں بے شمار رنگ، آسمان کے رنگ، سورج، چاند، بارش، بادل، پہاڑ، رنگ رنگ پرندے اور حیوانات، خلا کا رنگ جس کا تجربہ قوسِ قزح سے ہوا۔ گرمی، سردی، رات اور دن کا رنگ، بال اور آنکھوں کا رنگ، ناک کا بیرونی اور اندرونی رنگ، زبان، دانت، حلق، نرخرے، جلد، دل کا اندرونی و بیرونی رنگ، معدہ، جگر، پھیپھڑے، گوشت، کھال، ہڈی اور جسم کا ظاہری رنگ۔ غرض کہ ہر مخلوق رنگوں کا امتزاج ہے۔

''اور یہ جو بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کی ہیں ان میں غور کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔'' (النحل: ۱۳)

جو رنگ سامنے آیا اس کے پس پردہ ایک اور رنگ تھا۔ لگتا ہے کہ رنگوں نے دنیا کو طلسم کدہ بنا دیا ہے۔ کہیں سے آواز سنائی دی،

دنیائے طلسمات ہے ساری دنیا
کیا کہئے کہ ہے کیا یہ ہماری دنیا
مٹی کا کھلونا ہے ہماری تخلیق
مٹی کا کھلونا ہے یہ ساری دنیا

ذہن راہ نمائی کر رہا تھا۔ کس کا ذہن—؟ مجھے نہیں معلوم! میں اتنا جانتی تھی کہ جو بندہ نظام کائنات میں تفکر کرتا ہے، قدرت اس کی مدد کرتی ہے اور ہر وہ شے سامنے لاتی ہے جس کی پرتوں کو کھول کر وہ منزل تک پہنچے۔ اشیا پر تفکر کیسے کرتے ہیں، یہ منزل بھی انسان دوست ہستی نے آسان کی۔

''آیئے فروٹ کے اوپر غور وفکر کرتے ہیں۔ یہ ایک صحت مند اور خوب صورت بڑی نارنگی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس کی کوئی چیز بے رنگ نہیں۔ چھلکے کے اوپر کا حصہ خوش رنگ اور چمک دار نارنجی ہے۔ چھلکے کے اندر کا حصہ سفید ہے۔ چھلکے سے بنا ہوا غلاف کھول کر دیکھیں تو اندر ہمیں آپس میں جڑی ہوئیں قاشیں

ملتی ہیں۔ ہر قاش کے اوپر ایک پردہ ہے یہ پردہ بھی رنگین ہے۔ اسی پردے کے نیچے tissues ایک دوسرے سے پیوست نظر آتے ہیں۔ یہ بھی رنگین ہیں۔ tissues کے درمیان بیج ہے۔ یہ بیج بھی دو رنگوں سے مرکب ہے۔ کوتاہ عقل انسان کتنا بے شعور ہے کہ رنگین چیز کو 'نارنگ' کہتا ہے۔''

میں نے تحقیق و تفکر کے اس طریقِ کار کو ڈائری میں اتارا کہ اسے سامنے رکھتے ہوئے ہر شے پر غور کروں گی۔ یہ تفکر کا آسان طریقہ ہے جس پر عمل کر کے کوئی بھی حقیقی علوم سے واقف ہوسکتا ہے۔

غور و فکر سے نظر میں اتنی وسعت پیدا ہوتی ہے کہ ایک وقت کے بعد ہمیں احساس ہوتا ہے کہ دنیا میں موجود ہر شے لہروں پر قائم ہے۔ لہر کا خیال آنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا رنگ کہیں سے آتے ہیں اور کہیں چلے جاتے ہیں۔ کائنات میں اطلاع کو لانے اور لے جانے کی ذمہ داری لہروں کی ہے۔

مضمون کا خلاصہ لکھنے کی کوشش کی تو میرا ذہن کھلا کہ رنگوں کی وجہ سے چیزوں میں فاصلہ قائم ہے۔ کبھی فاصلہ بڑھتا ہے، کبھی سمٹتا ہے، سمٹ کر پھیلتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے یعنی رنگوں میں تغیر ہے۔

ابدالِ حق فرماتے ہیں،

''رنگ کا مفہوم دوری ہے، رنگ برنگ دنیا سے ایک مراد یہ بھی لی جاسکتی ہے کہ ہر شے تغیر پذیر ہے۔ نطفے سے بچپن، جوانی، شباب، بڑھاپا یہ سب وہ تغیرات ہیں جن سے رنگ آمیزی ظاہر ہوتی ہے۔''

> **خلا میں رنگ**
>
> ''دراصل فضا کیا ہے ــــ؟ رنگوں کی تقسیم ہے۔ رنگوں کی تقسیم جس قدر ہوتی ہے وہ اکیلے فوٹان کی رَو سے نہیں ہوتی بلکہ ان حلقوں سے ہوتی ہے جو خود فوٹان بنتے ہیں۔ جب فوٹانوں کا ان حلقوں سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو اسپیس یا رنگ وغیرہ کئی چیزیں بن جاتی ہیں۔''

قرآن کریم پر غور کیا جائے تو رنگوں میں سب سے اچھا رنگ اللہ کا ہے کہ اس میں دوری نہیں ہے اور نہ اس میں تغیر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اللہ کا رنگ اختیار کرو اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہے اور ہم اللہ کی بندگی کرنے والے لوگ ہیں۔'' (البقرۃ: ۱۳۸)

تفکر سے ذہن میں محدود زاویے ٹوٹتے ہیں اور بندہ دائرے میں داخل ہوتا ہے۔ دائرہ محدودیت کی قید سے آزاد کر کے اس رنگ میں داخل کرتا ہے جس میں اول، آخر، ظاہر اور باطن ایک ہیں۔

وہی ہست ہے وہی بود ہے
وہی رنگ و بو کی نمود ہے
وہی عکس ہے وہی آئینہ
وہی لوح لوح قلم قلم

عابد محمود

آئینہ

پھر وہ سینہ پھلائے چھوٹے بیٹے غیور کی کلاس میں داخل ہوا اور فخر سے کلاس ٹیچر کو اپنا تعارف کروایا، میں غیور کا والد ہوں، میرا نام سرمد ہے۔

بہن جی یہ بہترین سوٹ ہے، نیا ڈیزائن آیا ہے۔ ملازم نے تھان کھول کر دکھاتے ہوئے کہا۔ سرمد نے بیگم سے کہا، سوٹ اچھا ہے۔ اس نے بیزاری سے دوسرے سوٹ کی طرف اشارہ کیا۔

بہن آپ کی پسند نفیس ہے۔ یہ دیکھیں زری کس قدر نفاست سے کی گئی ہے۔ چادر پر کام نے سوٹ کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ کپڑا دیکھیں بھائی صاحب! اب ملازم خاتون کے شوہر کی طرف متوجہ ہوا۔

وہ مرکزی بازار میں خواتین کے ملبوسات کی ایک چھوٹی دکان پر تھے۔ ملازم کی حتی الامکان کوشش تھی کہ خاتون کسی طرح سوٹ خرید لے۔ خاتون ایک کے بعد ایک تھان کھلوا کر دیکھتی رہی اور گھنٹا گزر گیا۔ سرمد نے غور کیا کہ ان کی موجودگی میں کوئی اور گاہک دکان میں داخل نہیں ہوا۔ اتنے میں کلف لگی ہوئی شلوار قمیص پہنے صاحب آئے اور سوالیہ نظروں سے ملازم کو دیکھنے لگے۔ ملازم کے ماتھے پر لکیریں گہری ہوگئیں۔ وہ صاحب خاموشی سے اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

خاتون شوہر سے بولی، چلیں کہیں اور دیکھتے ہیں۔

سرمد نے سرگوشی میں کہا، ایک گھنٹا اس نے تمہارے ساتھ مغزماری کی ہے۔ کوئی ایک سوٹ تو خرید لو۔

بیگم نے بے حسی سے اٹھتے ہوئے کہا، یہ اس کے روز کا معمول ہے۔ کچھ پسند نہیں آ رہا تو کیسے خرید لوں۔

انہیں اٹھتا دیکھ کر ملازم بولا، بہن! ایک سوٹ آپ کو اپنی مرضی کا دکھاتا ہوں۔ یہ دیکھیں، کھلتا ہوا رنگ ہے، مناسب قیمت لگا دوں گا۔ خاتون نے تنقیدی نظر سے سوٹ دیکھتے ہوئے کہا، نہیں بھائی رہنے دیں۔

ملازم مایوسی سے تھان لپیٹنے لگا۔

سرمد کو دکان سے خالی ہاتھ نکلتے ہوئے اچھا نہیں لگا۔ سوٹ کی قیمت پوچھی۔ بیگم نے کہا، اتنا مہنگا۔ اور آدھی قیمت بتا کر بولی کہ اتنے میں دے دو۔ ملازم نے انکار کر دیا کہ اتنی تو ہماری اپنی خرید نہیں ہے۔ بیوی کے چہرے پر ناگواری کے باوجود سرمد نے سوٹ خرید لیا۔

آپ ایسے ہی فضول خرچی کرتے ہیں۔ سوٹ اتنا اچھا تو نہیں ہے۔ چلیں آگے بڑی دکان ہے۔ بیگم نے

مصنوعی ناراضی سے کہا۔ اس نے گھڑی دیکھی اور بیزاری سے بولا، مجھے بہت ضروری کام سے جانا ہے۔ ایک گھنٹے میں تم نے ایک سوٹ پسند نہیں کیا۔

پانچ چھ دکانیں چھوڑ کر بڑی دکان میں داخل ہوئے جو گاہکوں سے بھری ہوئی تھی۔ کاؤنٹر پر موجود شخص بولا، باجی تھوڑی دیر بعد آئیں، ابھی دکان خالی نہیں ہے۔

سرمد کو لہجہ پسند نہیں آیا۔

ایک کرسی خالی ہوئی تو سرمد کی بیگم فوراً بیٹھ گئی اور سوٹ دکھانے کی فرمائش کی۔ سیلز مین روکھے لہجے میں بولا، باجی سامنے سوٹ پڑے ہیں۔ سرمد نے سیلز مین کے رویے پر برہمی سے کہا، اسے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ بیگم نے فوراً چپ رہنے کا اشارہ کیا اور منٹوں میں پانچ سوٹ پسند کر لئے۔ وہ حیران تھا کہ چھوٹی دکان میں تھان کے تھان کھول کر دکھائے اس نے ایک سوٹ پسند نہیں کیا اور منہ بناتی رہی جب کہ یہاں سوٹ کھولے بغیر پیکٹ میں سے دیکھ کر پانچ سوٹ خرید لئے۔ ان میں بعض ڈیزائن تقریباً وہی تھے جو یہ صاحبہ پچھلی دکان میں چھوڑ آئی تھیں۔

بل دیکھ کر سرمد کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

فوراً بولا، بھائی صاحب! پچھلی دکان پر تو یہ سوٹ اس سے کم قیمت پر مل رہے ہیں۔

وہ بولا، پھر آپ وہیں سے خرید لیں۔

بیگم نے ہاتھ دبایا کہ کیا ناک کٹواؤ گے!

بل تھماتے ہوئے اس نے کہا، ہماری دکان پر قیمت مقرر ہے، یہاں کم یا زیادہ نہیں ہوتا۔

دکان سے باہر آ کر بیگم فوراً سے بولی، آپ کو دیر ہو رہی تھی اس لئے میں نے وقت ضائع کئے بغیر سوٹ پسند کر لئے۔ سوٹ ایسا جو پہلی نظر میں اچھا لگے۔

وہ طنزیہ لہجے میں بولا، جب پہلی نظر میں دکان اچھی لگے تو سوٹ خود بخود اچھا لگتا ہے۔

وہ بیگم کی نفسیات سمجھ گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ چھوٹی دکان پر اخلاق اچھا اور ملازم نے سر توڑ کوشش کر لی لیکن کپڑے اچھے ہونے کے باوجود اس نے نہیں لئے، الٹا باتیں سنا دیں۔ بڑی دکان پر ملازموں کے روکھے لہجے کے باوجود اس قدر رش! لگتا ہے کہ یہ صرف میری بیگم کی نہیں، اکثریت کی نفسیات ہے۔

موسم کی تبدیلی سے بچے زیادہ انفیکشن کا شکار ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے نسخہ لکھتے ہوئے خاتون کے سپرد کیا اور دوائی کھانے کے اوقات کار بتا کر سرمد کی طرف متوجہ ہوئے۔ جی جناب!

ڈاکٹر صاحب کافی دنوں سے نزلہ زکام ہے۔ کھانسی کا شدید دورہ پڑتا ہے۔ کھانستے ہوئے بتایا۔

ڈاکٹر نے اسٹیتھو اسکوپ سے معائنہ کیا اور نسخہ لکھ کر سرمد کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے، ایک ہفتے بعد دوبارہ معائنہ کرائیں۔ سرمد بیماری کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب بلغم کے ساتھ خون کیوں آ رہا ہے؟

بلغم جم گیا ہے جس سے سینے میں انفیکشن ہے۔

ماحول میں آلودگی زیادہ ہے اورناقص غذا اور مرچ مسالوں کے زیادہ استعمال کی وجہ سے قوت مدافعت کم زور ہے۔ڈاکٹر نے مریضوں کی لمبی لائن دیکھ کر تیزی سے اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

پھر تو قوت مدافعت کا علاج ہونا چاہئے ۔اس نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

تمہارے سمجھنے کے لئے اتنا بہت ہے کہ اس موسم میں احتیاط بہت ضروری ہے ، اور اگلے مریض کے لئے نیکسٹ کی آواز لگادی۔اسپتال اچھا اور ڈاکٹر بھی معروف تھا۔سرمد برا منائے بغیر تیزی سے کرسی سے اٹھا اور شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر آ گیا۔

اسکول کے باہر موٹر سائیکل کھڑی کی۔آج پیرنٹس ٹیچر میٹنگ تھی۔بیٹے یہاں پڑھتے تھے۔پہلے بڑے بیٹے کی کلاس میں گیا۔وہ بچوں کے اسکول کم آتا تھا۔ پڑھائی کے معاملات بیگم دیکھتی تھی۔

مس کو بیٹے کا نام بتایا تو وہ مسکراتے ہوئے بولیں، آپ شائق کے والد ہیں۔ماشاء اللہ وہ ذہین ہونے کے ساتھ باادب ہے۔آپ سے مل کر خوشی ہوئی ۔ والدین مہذب اور سمجھ دار ہوں تو بچوں کی تربیت اچھی ہوتی ہے۔دیگر والدین چاہتے ہیں کہ ان کے بچے شائق کے ساتھ بیٹھیں اور دوستی کریں۔

سرمد کا سینہ خوشی سے پھول گیا۔شائق کے ہر مضمون میں شان دار نمبر تھے۔کلاس میں اول پوزیشن آئی تھی۔

سرمد نے عاجزی ظاہر کرتے ہوئے مس سے پوچھا، مزید ہدایت جو آپ شائق کے لئے دینا چاہیں۔

مس نے بتایا کہ ہم ذہین بچوں کے والدین کو موقع دیتے ہیں کہ وہ دوسرے والدین کو بتائیں کہ تربیت کیسے کی جاتی ہے۔اس سال اسکول نے لیکچر کے لئے آپ کا نام منتخب کیا ہے۔سرمد کو اپنی تربیت پر فخر محسوس ہوا۔بیگم کی خدمات کا دل میں اعتراف کیا جس نے بچوں کی تعلیم کے ساتھ تربیت پر وقت دیا۔

پھر وہ سینہ پھلائے چھوٹے بیٹے غیور کی کلاس میں داخل ہوا اور فخر سے کلاس ٹیچر کو اپنا تعارف کروایا، میں غیور کا والد ہوں، میرا نام سرمد ہے۔

مس نے چونک کر دیکھا اور چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔آپ غیور کے والد ہیں ــــ؟

جی میں ہی غیور کا والد ہوں۔

مس نے رپورٹ نکال کر سرمد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کا بچہ بدتمیز اور بدزبان ہے۔پڑھنے کا شوق نہیں ہے۔

سرمد کو لگا کہ کانوں نے غلط سنا ہے۔

ہم بچوں کو علم دے سکتے ہیں، تربیت بہرکیف ماں باپ کو کرنی ہے۔آپ تربیت نہ کریں اور یہ فرض بھی ہم پر چھوڑ دیں تو معذرت کے ساتھ یہ کام اسکول نہیں کرسکتا۔آپ نے اسے بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی ؟اس کی ڈھٹائی دیکھ کر لگتا ہے کہ گھر میں ہر ضد پوری کی جاتی ہے۔

سرمد بڑبڑایا، لیکن میرا بیٹا تو ایسا نہیں ہے۔

مس ہنس دیں اور کہا، سارے ماں باپ یہی کہتے ہیں۔ آپ اس کی رپورٹ دیکھیں، لگتا ہے کہ گھر پر اس کی پڑھائی کو وقت نہیں دیا جاتا۔ کتنی مرتبہ میں نے کاپی میں لکھ کر بھجوایا کہ وقت دینے کی ضرورت ہے۔ تقریباً سارے مضامین میں فیل ہے۔ سرمد صاحب! بچے ذہین ہوتے ہیں، ماں باپ تربیت سے انہیں کند ذہن بنا دیتے ہیں۔

سرمد کے پھولے ہوئے سینے سے ہوا نکل گئی۔

والدین شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے بچے کو غیور کے ساتھ مت بٹھائیں وہ بدتمیز ہو رہے ہیں۔

مس نے کہا، میری رائے ہے کہ آپ پیرنٹس ٹیچر میٹنگ کے بعد ہونے والی تقریب میں ضرور شرکت کریں جس میں اعلیٰ کارکردگی دکھانے والے بچوں کے والدین تربیت کے نکات پر بات کریں گے۔

سرمد ان کو کیسے بتاتا کہ آج تربیت پر لیکچر دینے کے لئے منتخب کیا جانے والا والد میں ہی ہوں۔

وہ حیران تھا کہ بچوں کی تربیت میں تضاد کیسے آیا؟

سرمد زندگی میں ایسے موڑ پر تھا جہاں اپنا آپ اس کے لئے سوالیہ نشان تھا۔ اسے بیوی کا بڑی دکان سے متاثر ہونا اچھا نہیں لگا جب کہ وہ خود بڑی فیس لینے والے ڈاکٹر سے متاثر تھا۔ کیسے ممکن ہے کہ ایک گھر میں رہنے والے دو بچے الگ ذہن کے ہوں۔ تعلیم میں دلچسپی کے حوالے سے فرق ہوسکتا ہے لیکن اخلاقی تربیت میں فرق کیسے آیا۔ کیا ہم میاں بیوی کی شخصیت میں تضاد ہے—؟

مس نے کہا کہ سارے ماں باپ یہی کہتے ہیں کہ ہمارا بچہ ایسا نہیں۔ ماں باپ میں اپنے بچے کی غلطی کو قبول کرنے کی عادت نہیں ہے۔ وہ اس بات کو رد کر دیتے ہیں کہ ان کا بچہ غلط ہوسکتا ہے۔

اس نے اپنے اردگرد ہر شے کو ٹوٹتے ہوئے دیکھا اور دبے قدموں سے اسکول سے باہر آ گیا۔

سامنے دو راستے تھے۔ آیا انکار کر دے کہ ہماری تربیت میں خامی ہے یا ٹوٹی ہوئی عمارت کی از سر نو تعمیر کرے۔ سرمد نے دوسرے راستے کا انتخاب کیا۔

وہ جانتا تھا کہ اس کی ابتدا کیسے کرنی ہے۔

اپنی اور بیگم کی تربیت سے!

★ اس مضمون میں کئی سوال ہیں۔ ہر کردار میں اچھائی اور خامی کی نشان دہی ہے۔ ملبوسات کی دکان سے لے کر اسکول تک کے واقعات میں مشترک نکتہ احساس کی کمی ہے۔ جس ٹیچر نے بچے کی شکایت کی اس کا رویہ بھی سخت تھا۔ تربیت استاد اور ماں باپ دونوں کی ذمہ داری ہے اور بات بیان کرنے کا طریقہ بھی ادب ہے۔ مضمون غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ کیا آپ کو ان کرداروں میں اپنی تصویر نظر آتی ہے—؟

ڈاکٹر سعیدہ شفیق میمن

اللہ کے دوستوں کی باتیں

ایثار مرید سے زیادہ مرشد کرتا ہے کیوں کہ وہ تربیت کے لئے ایک بار پھر ان مقامات سے گزرتا ہے جن سے وہ اپنی تربیت کے دوران گزر چکا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ انتہائی تحمل اور صبر کا مظاہرہ کرتا ہے کیوں کہ ذہن تبدیل کرنا جوئے شیر لانے سے زیادہ مشکل ہے۔

روحانی ترقی میں بڑی رکاوٹ ''میں'' ہے۔ جب تک بندہ ''میں'' سے چھٹکارا نہیں پالیتا، روحانیت میں داخل نہیں ہوتا۔ نظام کا حصہ بہت لوگ بنتے ہیں مگر ہر فرد نظام میں شامل نہیں ہوتا۔ اغراض ومقاصد نہ سمجھیں اور قواعد وضوابط پر عمل نہ ہو تو ادارہ ایسے فرد کو قبول نہیں کرتا، بے دخل کر دیتا ہے۔ دنیا کے ہر نظام کی طرح روحانی سلاسل کا بھی یہی نظام ہے۔ کئی لوگ ساتھ چلتے ہیں، مگر قبولیت انہیں ملتی ہے جو اپنی سوچ کی نفی کر کے روحانی استاد کا ذہن قبول کرتے ہیں۔ بظاہر سب سمجھتے ہیں کہ ہم روحانی اسکول میں ہیں مگر سبق اسی کو ملتا ہے جو باقاعدگی سے حاضر ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی تعلیمات سمجھاتی ہیں کہ تخلیق کا مقصد خالق سے واقف ہونا اور صفات کا عرفان ہے۔ ہم اپنے اردگرد نفسانفسی دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں ہر شخص خود فریبی کے جال میں جکڑا ہوا ہے۔ وہ کام یابی خود سے منسوب کرتا ہے اور ناکامی پر خود کو مظلوم سمجھتا ہے۔ خود فریبی کے معنی خود کو دھوکا دینا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کا ذہن حقیقت قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں۔ وہ دنیا کو نہیں، اپنے ذہن کی دنیا دیکھتا ہے اور اسی کو دنیا پر قیاس کرتا ہے۔

قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ

''تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔''

جب بندہ خود کو عقلِ کل سمجھ لے تو قلب غفلت میں گم ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت اپنے بندوں کو کسی حال میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ مختلف طریقوں سے راہ نمائی کرتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تقریباً 16 مقامات پر اولی الالباب بندوں کو مخاطب فرمایا ہے۔ اولی الالباب کا اردو زبان میں ترجمہ ''صاحبِ عقل ودانش'' ہے۔

آخری الہامی کتاب میں ارشاد ہے،

''اے نبیؐ، وہ اللہ ہے جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی

ہے۔ اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں۔ ایک محکمات جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں، اور دوسری متشابہات۔ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے، وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں حالاں کہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا سوائے اس کے جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے، اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے سبق اولی الالباب حاصل کرتے ہیں۔'' (آل عمران: ۷)

آیت پر غور کرنے سے معنی روشن ہوتے ہیں کہ اولی الالباب نصیحت قبول کرنے اور یقین رکھنے والے ہیں کہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اس حقیقت سے متعارف کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام مبعوث فرمائے۔ خاتم النبیین حضرت محمدؐ کے بعد آپؐ کے روحانی علوم کے وارث اولیاء اللہ نے خلق خدا کو اللہ کی محبت اور رسول پاکؐ کی اطاعت سے روشناس کیا۔ انسانی ذہن کو انبیائے کرام کی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے ''اولی الالباب'' ہستیاں ہمہ وقت مصروف رہتی ہیں۔

روحانی سلاسل صدیوں سے قائم ہیں۔ سب کا مقصد رسول اللہؐ کی روحانی تعلیمات کی ترویج اور مخلوق کی خدمت ہے۔ اللہ کے دوست، اولیاء اللہ نے محبت سے اس پیغام کو پھیلایا ہے، جوق در جوق لوگ ان کے در پر آتے ہیں اور یہ سلسلہ ان ہستیوں کے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

سلسلہ عظیمیہ بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

سلسلہ عظیمیہ کے امام ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ مادی طور پر اس دنیا میں 1898ء سے 1979ء تک رہے مگر آپ کا روحانی فیض جاری ہے۔ ابدالِ حق کی تعلیمات یقین کی دنیا روشن کر کے ''میں'' سے نکلنے میں مدد دیتی ہیں۔

چھوڑ دیا ہے 'جز' کو 'کل' سے ہے کام
جن کا عدم مقام، بن ان کے کیا جینا ری!

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ فرماتے ہیں،

''راسخ فی العلم لوگ اس بات کا مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ ہر مظہر کا تعلق، ہر وجود کا تعلق، ہر عمل کا تعلق، ہر حرکت کا تعلق لوح محفوظ سے ہے۔ اس لئے وہ برملا اس کا اعلان کرتے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے۔ راسخ فی العلم لوگ چوں کہ لوح محفوظ کے نقوش کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اس لئے وہ کسی تکلیف یا آرام کو عارضی تکلیف یا عارضی آرام سمجھتے ہیں اور اس مشاہدے کے بعد ان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں مخصوص کر دی ہیں وہ ہمیں ہر حال میں میسر آئیں گی اور یہ یقین ان میں استغنا کی طاقت پیدا کر دیتا ہے۔ استغنا بغیر یقین کے پیدا نہیں ہوتا اور یقین بغیر مشاہدے کے تکمیل نہیں پاتا اور جس آدمی میں استغنا نہیں ہے اس آدمی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کم اور مادیت

سے زیادہ رہتا ہے۔''

ایک مرتبہ سرورِ کائنات رسول اللہؐ نے فرمایا،

''اے لوگو! عقل مندوں سے رائے لیا کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ اور ان کی نافرمانی نہ کیا کرو کیوں کہ اس صورت میں تم کو ندامت اٹھانا ہوگی۔''

عظیمی صاحب ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں،

حضور قلندر بابا اولیاؒ کی حیاتی میں ایک بچہ میرے پاس لایا گیا جو پولیو کا مریض تھا۔ میں انہیں مرشد کریم کے پاس لے گیا۔ ہر قسم کا علاج ہو چکا تھا مگر افاقہ نہیں ہوا۔ حضور بابا صاحبؒ نے فرمایا، ENT کے ڈاکٹر کو دکھلاؤ۔ لڑکے کے باپ نے بے یقینی کا اظہار کیا کہ ENT کا پولیو سے کیا تعلق۔ بابا صاحبؒ نے ایسے ہی فرمایا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ ENT کو دکھا دیں آپ کا کیا حرج ہے لیکن بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔''

ان صاحب کے ذہن میں شک تھا۔ وہ علم کی بنیاد سے واقف نہیں تھے اس لئے مقداروں کے قانون سے واقف ''صاحبِ علم و مشاہدہ'' کی رائے کو نظر انداز کر دیا۔ جو رائے دی گئی اب اس کی حکمت کے بارے میں عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''ایک مجلس میں بابا صاحب نے اس کیس کا تذکرہ فرمایا کہ ٹونسلز خراب ہونے سے کئی پیچیدہ بیماریاں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً بچوں کو پولیو ہو جاتا ہے۔ بڑوں کے خون میں زہریلے مادے پیدا ہو جاتے ہیں۔ نظام ہضم خراب ہو کر السر ہو سکتا ہے۔ سماعت بھی متاثر ہو جاتی ہے۔ ٹونسلز ایک عرصہ تک خراب رہے تو نظر بھی کم زور ہو جاتی ہے۔ بڑوں کے جوڑوں میں درد ہونے لگتا ہے، جوڑ منجمد ہو جاتے ہیں اور آدمی چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔''

مرید اگر مرشد کا ذہن قبول نہ کرے تو علم منتقل نہیں ہوتا۔ تسلیم و رضا کے لئے پہلے شاگرد کو نفی سے گزارا جاتا ہے، اس کے بعد اثبات ہوتا ہے۔

''نفی اثبات'' اصلاحِ قلب کا پروگرام ہے جس کے لئے مرید کی افتادِ طبع کے مطابق حالات پیدا کئے جاتے ہیں۔ جب کوئی شخص اولی الالباب بندوں سے اپنا تعلق خاطر جوڑ لیتا ہے تو وہ رفتہ رفتہ ''میں'' کی بندشوں سے نکلتا ہے۔ خود احتسابی کی عادت ابتدا میں گراں گزرتی ہے لیکن مستقل ضربوں سے آہستہ آہستہ اس کا ذہن اس حقیقت کو تسلیم کر لیتا ہے کہ

''کل من عند ربنا''

ہر شے اللہ کی طرف سے ہے

عجز کے اظہار میں ابدالِ حق فرماتے ہیں،

ساقی کا کرم ہے میں کہاں کا مے نوش
مجھ ایسے ہزارہا کھڑے ہیں خاموش
مے خوار عظیمؔ برخیا حاضر ہے
افلاک سے آ رہی ہے آوازِ سروش

ابدالِ حق نے تربیت کے اہم موڑ پر شاگردِ رشید

عظیمی صاحب سے فرمایا،

''زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں اور وہ دو طریقے یہ ہیں کہ انسان کے اندر اتنی صلاحیت ہو کہ دوسروں سے اپنی بات منوا سکے۔ انسان کے اندر اتنی صلاحیت ہو کہ دوسروں کو اپنا ہم ذہن بنا سکے۔ انسان کے اندر یہ صلاحیت ہو کہ صدیوں پرانی روایات کو سینے سے لگاتے ہوئے ان روایات کا تحفظ کر سکے۔ ان روایات کو جاری و ساری رکھنے کے لئے ساری دنیا سے مقابلہ کر سکے۔ اس طریقے کو دنیا والے خود مختار زندگی کہتے ہیں یعنی جو آپ چاہتے ہیں وہ دوسروں سے منوالیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی نفی کر دیں یعنی خود مختار زندگی کو داغ مفارقت دے دیں۔''

مرشد اور مرید کا تعلق ایثار ہے جس میں مرید اپنی نفی کر کے مرشد کی رائے کو محترم رکھتا ہے اس طرح مرشد کا ارادہ مرید کا خیال بن جاتا ہے۔ اس قانون پر غور کریں، انکشافات ہوں گے۔

ایثار مرید سے زیادہ مرشد کرتا ہے کیوں کہ وہ تربیت کے لئے ایک بار پھر ان مقامات سے گزرتا ہے جن سے وہ اپنی تربیت کے دوران گزر چکا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ انتہائی تحمل اور صبر کا مظاہرہ کرتا ہے کیوں کہ ذہن تبدیل کرنا جوئے شیر لانے سے زیادہ مشکل ہے۔

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ فرماتے ہیں،

''قانون یہ ہے کہ جو چیز خود کو فنائیت میں منتقل کر دیتی ہے وہ چیز پھیلتی ہے، بڑھتی ہے۔ برگد کا درخت آپ کے سامنے ہے۔ برگد کا بیج خشخاش کے دانے سے چھوٹا ہوتا ہے لیکن جب زمین کے اندر جا کر اپنے مادی جسم (شعوری نظام) کو فنائیت میں تبدیل کر دیتا ہے تو قدرت اس ایثار کو پسند کرتی ہے اور برگد کا بیج جو خشخاش سے چھوٹا ہوتا ہے بہت بڑا درخت بن جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی انسان اپنے مادی وجود (شعور نظام) کو روحانی نظام میں فنا کر دیتا ہے تو حضور قلندر بابا اولیاؒ کے ارشاد کے مطابق شجر سایہ دار بن جاتا ہے۔''

فنا سے بقا کا یہ سفر اولی الالباب بندوں کی راہ نمائی اور راہ بری کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ رب تعالیٰ ہمیں اپنے انعام یافتہ بندوں کی فہم سے آشنا کرے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے ایک بیت کا اردو ترجمہ پیش ہے جو راسخ فی العلم بندوں کے لئے ہے۔

طور سینا ہے ان کو ہر اک گام
محو نظارہ وہ صبح و شام
رازدار یقین وحدت ہیں
دور ہے ان سے کثرت اوہام
زیر پایہ جہان فانی ہے
ان کو پیارا ہے بس خدا کا نام
ان کے سجدوں کی محرمیت نے
سن لیا کوئی دل نشیں پیغام
دل ہے راز نشاط سے آگاہ
دیکھنے میں ہیں سراسر آلام
یہ ہیں نور ازل کے گرویدہ
اب کسی اور سے انہیں کیا کام

محمد عدنان خان

پورب کے ہم زاد

رنگ وچمن، عروج وزوال، عشق وسرمستی اور فنا وبقا کے رنگوں سے معمور صدیوں پر محیط داستان جس کی مکانیت تبت کی فلک بوس چوٹیوں سے لے کر ٹیکسلا کی سرسبز وادیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

ردا کا تعلق عرب نژاد پاکستانی خاندان سے تھا۔ پاکستان میں اپنی دوست نیلم کے گھر ذکر وفکر کی محفل میں ردا کی بزرگ سے ملاقات ہوئی جن کی توجہ نے طبیعت میں روحانیت کی طرف میلان پیدا کر دیا۔ والد کے تبادلے کی وجہ سے ردا اور نیلم کے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا۔ ردا نے برطانیہ کی ایک یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہاں کاربن ڈیٹنگ کے پروفیسر جی آر چوہان کے لئے ردا کی شخصیت معمّا تھی جسے جاننے میں وہ ناکام رہے۔ یونی ورسٹی کی تعلیم کے بعد جب پی ایچ ڈی آخری مراحل میں تھی تو ردا کے والد کا پھر پاکستان تبادلہ ہو گیا۔ اس نے تھیسز مکمل کرنے کے لئے ٹیکسلا کے آثار قدیمہ کا انتخاب کیا جہاں صدیوں پرانی داستان صفحۂ قرطاس پر ظاہر ہونے کے لئے ردا کی منتظر تھی۔ اسے ٹیکسلا میں صدیوں پرانے کشان دور حکومت کا شہزادہ ملا جو اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ردا کو شہزادے سے دور رکھنے کے لئے مکروہ صورت بوڑھا سامنے آیا اور پریشانیوں کا آغاز ہوا۔ بزرگ سے ملاقات کر کے وہ سہیلی کے ہمراہ گھر جا رہی تھی کہ راستے میں بجرو لال کی وجہ سے حادثہ پیش آیا جس میں سہیلی بچ گئی لیکن وہ کوما میں چلی گئی۔ اس دوران ردا کے اندر سے روشنی کا ایک پرت نکلا اور ماضی میں سفر کرتے ہوئے ہزاروں سال پہلے لے گیا۔ اب آگے پڑھئے۔

آیوشی اور بھرگوی پھرتی سے گھر کے کام کر رہی تھیں۔ قدرت نے مجھے پہاڑی علاقے میں بھیج کر آسانیاں بھی پیدا کی تھیں۔ ان کی نظر میرے قریب رکھے ہوئے عصا پر پڑی تو چہرے پر کئی سوالات آئے۔ چمک اور روشنی سے وہ جان گئیں کہ یہ عصا معمولی نہیں۔

جس جگہ میری رہائش تھی یہ بڑے پہاڑوں کے دامن میں چھوٹے پہاڑ کی چوٹی ہموار کر کے بنائی گئی تھی۔ لگتا تھا کہ یہاں کی آبادی فقط ہم تین افراد پر مشتمل ہے۔ تیکھے نین نقوش، گندمی رنگت اور لمبے قد والی یہ بہنیں بلا کی پھرتیلی تھیں۔ ذرا دیر میں صفائی مکمل کی اور جَو کا دلیہ پکایا۔ پانی کا بندوبست کر کے وہ باہر پالتو جانوروں کی طرف گئیں۔

جسم شدید تکان کے ساتھ ایکسیڈنٹ سے پیدا ہونے والی تکلیف کا شکار تھا۔ اب مجھے بھوک لگ رہی تھی۔

ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھاتے ہوئے والدہ ،والد اور بہن کے چہرے نظروں میں گھوم گئے۔ ہلکی سسکی کے ساتھ آنکھوں میں نمی اتر آئی کہ نہ جانے کس حال میں ہوں گے۔ دل میں کسک اٹھی مگر فوراً خود کو سنبھالا۔ میرے یہاں ہونے سے وہاں میرے گھر والے بجرو لال کے شر سے محفوظ تھے۔ دوسرا یہ کہ مجھ پر جو گزر رہی تھی اسے میں نے خود اپنے لئے منتخب کیا تھا۔

خالص دودھ میں بنے دلیے کا ذائقہ منفرد تھا۔ پیٹ بھرنے پر جسم میں توانائی محسوس ہوئی۔ میں آیوشی اور بھرگوی کو دیکھنے باہر نکلی۔ پہاڑوں پر اندھیرا پھیل چکا تھا۔ گھپ اندھیرے میں آنکھوں پر زور دیتے ہوئے راستہ تلاش کیا اور مکان کی پچھلی طرف آئی۔

یہاں دونوں بہنوں کے لئے کمرا بنا ہوا تھا جس میں سے روشنی چھن کر باہر آرہی تھی۔ دستک دی تو اندر ہڑبڑاہٹ محسوس ہوئی جیسے دستک کی آواز ان کے لئے غیر متوقع تھی۔ دروازہ تیزی سے کھلا۔ دونوں کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ مجھ پر نظر پڑی تو خوف کی جگہ حیرت نے لے لی۔

انہوں نے کہا، آپ گھنٹی بجا دیتیں، ہم آجاتے۔

میں نے کہا، گھنٹی کے متعلق مجھے علم نہیں تھا۔

اپنے پیچھے غراہٹ محسوس ہوئی۔ اس سے پہلے کہ میں پلٹ کر دیکھتی ،آیوشی نے ٹین کا ٹکڑا اٹھایا۔ مجھے ایک طرف کر کے باہر کی طرف دوڑ لگائی۔ بھرگوی بھی عجیب وغریب آوازیں نکالتے ہوئے دوڑی۔ آیوشی ٹین کے ٹکڑے کو زور زور سے بجا رہی تھی۔ شور شرابے میں اندھیرے میں چمکتی ہوئی کئی آنکھیں دوڑتی بھاگتی نظر آئیں۔ غالباً جنگلی جانور تھے۔

دونوں واپس آئیں تو آیوشی نے پھولی ہوئی سانس میں کہا، ہمارے لئے کیا حکم ہے؟

میں نے کہا، کچھ نہیں، تم لوگوں کو تکلیف دینے پر معذرت خواہ ہوں۔ بول کر واپس ہوئی تو دونوں مجھے گھر تک چھوڑنے آئیں۔ پھر رسی دکھائی جسے کھینچنے پر گھنٹی بجتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے کہا، عصا کے بغیر باہر مت آیا کریں۔ دروازہ اندر سے بند کرنے کا کہہ کر دونوں روانہ ہوگئیں۔

ان کے رویے سے لگتا تھا کہ یہ سب مجھے پہلے سے معلوم ہونا چاہئے تھا۔ گویا کہیں نہ کہیں میں کسی بات کو نظر انداز کر رہی تھی۔ بستر پر لیٹی سوچوں میں گم تھی کہ چھت پر بنے ہوئے ہوادان کے نزدیک حرکت محسوس ہوئی۔ غور سے دیکھا تو خوف کی لہر وجود میں دور کر گئی۔ چھت پر گز بھر جسامت کی چھپکلی تھی۔ رنگ چھت جیسا تھا اس لئے بہت غور سے دیکھنے پر دکھائی دی۔ چھت کا جائزہ لیا تو جگہ جگہ بیسوں چھپکلیاں تھیں۔ خوف سے گھگی بندھ گئی۔ تیزی سے عصا اٹھایا۔ چھپکلیوں کے جامد وجود میں بے چینی پیدا ہوئی۔ عصا زور زور سے دیوار پر بجایا تو ان میں بھگدڑ مچی اور وہ ہوادان کے راستے فرار ہونے

لگیں۔ اس دوران کئی ایک زمین پر بھی گریں مگر تیزی سے دیوار پر چڑھ کر باہر نکل گئیں۔ بعض نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا تو عصا کا رخ ان کی جانب کر دیا۔ ان کے جسم انگارے بن گئے۔ ہوا دان کھولنے بند کرنے کا سسٹم دو رسیوں پر مشتمل تھا۔ جب تمام چھپکلیاں نکل گئیں تو میں نے اسے بند کر دیا۔ اچھی طرح سے کھڑکیاں دیکھیں کہ کہیں کوئی کھلی نہ رہ گئی ہو۔ پھر میں بے چین طبیعت کے ساتھ بستر پر ڈھے گئی۔ نیند کی شدید ضرورت تھی۔

نیند آتی نہیں پھولوں پر خردمندوں کو
ہم تو دیوانے ہیں کانٹوں پہ بھی سو سکتے ہیں

مجھے مولانا جلال الدین رومیؒ کا قول یاد آیا۔

''عقل مندی کو بیچ ڈال کہ عقل مندی کی تگ و دو حواس خمسہ کے تابع ہے۔''

عقل کا وجود اس ادراک پر قائم ہے جو محدود حواس سے عمل میں آتا ہے۔ تمام اطلاعات اندر میں سے آتی ہیں لیکن عقل ان کو ''اندر باہر'' میں تقسیم کر دیتی ہے۔ کائنات کو ہم باہر سمجھتے ہیں، یہ ہمارے اندر ہے۔ اسے باہر سمجھنے سے فاصلے اور اندر دیکھنے سے وقت غالب ہوتا ہے۔ تجربہ کر لیں۔ جس شے کو آپ دیکھیں، اندر میں کوئی بتاتا ہے کہ یہ کیا ہے۔ اگر خیال نہ آئے تو ہم کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے۔ ذہن گہری سوچ میں گم تھا کہ کمرے میں گمبھیر نسوانی آواز گونجی،

''سکھی! تمہارے وچار گیانیوں جیسے ہیں مگر تذبذب بے وقوفوں کی مانند تمہیں بے چین کئے ہوئے ہے۔''

میں نے گھبرا کر پوچھا، کون ہو تم اور تم کیا جانو میرے تذبذب کا سبب! اپنوں کو چھوڑنے کی تکلیف سے گزرو تو میری تکلیف کا احساس ہو۔

ہلکی سی ہنسی کے ساتھ پھر آواز آئی۔

''سکھی! اللہ مخلوق سے اس کی رگِ جان سے زیادہ قریب ہے۔ جسم اصل نہیں ہے۔ حقیقت کے عرفان کے لئے روح کی معرفت درکار ہے۔ دنیا کی ظاہری چیزیں جسم سے جڑی ہوئی ہیں لیکن روح ان سے آزاد ہے۔ روح کے لئے کائنات کے مکانی فاصلے حذف ہو جاتے ہیں۔ دکھ سکھ کے موسم جسم سے بندھے ہوئے ہیں، یہ آتے جاتے رہتے ہیں اس لئے ان کے لئے پریشان ہونا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ سو جاؤ، صبح تمہیں لوگوں کے مسائل کا حل بھی پیش کرنا ہے۔

تعجب ہوا کہ میں اور مسائل — ؟

''صبح جاگنے کے ساتھ تمہارا ذہن کھلے گا۔ تمہاری راہ نمائی کی جائے گی، اور تم اس کی مدد سے لوگوں کی راہ نمائی کرنا۔''

وادی میں قیام کا ہر دن انکشافات سے بھرپور تھا۔ ساری بات چیت سنسکرت میں تھی لیکن سمجھنے میں مجھے دشواری نہیں ہوئی۔ ماضی میں داخل ہو کر اس دور کی زبان بھی آ گئی تھی — اور پھر مجھے نیند آ گئی۔

بتایا گیا تھا کہ قریب کے علاقے سے صبح لوگ آئیں گے اور مجھے ان کو مسائل کا حل بتانا ہے۔ یہ سوچ کر

اطمینان ہوا کہ یہاں آبادی موجود ہے۔

دستک سے آنکھ کھلی۔ صبح صادق کا وقت تھا۔ ہر سو گہری خاموشی کے ساتھ فضا میں جنگلی پھولوں کی خوش بو بسی ہوئی تھی۔ سامنے میری خدمت گار ناشتے کا تھال اور گرم پانی ڈول میں لئے کھڑی تھیں۔

حسب معمول آیوشی نے ٹھیٹ زبان میں کچھ کہا۔

اندر میں مترجم نے ترجمہ کیا، سلام بی بی! ناشتہ کرلیں۔

آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا، ادیا پراترازہ کا؟

(ناشتہ میں کیا ہے؟)

اپوپا، مڈھولا، ڈمبا، چاگا کیسرام تو مانڈا۔

(پھلکا، روٹی، شہد، انڈا، بکری کا دودھ اور بالائی)

گرم پانی سے وضو کیا۔ اس دوران عجیب کیفیت ہوئی جیسے سماعت پر سے پردے ہٹے اور نہ جانے کس مقام پر ہونے والی اذان میں نے یہاں سنی۔

غسل خانے سے نکلی تو بہنیں گھر کے کاموں میں مصروف تھیں۔ تسلی کے لئے پوچھا، کچھ سنائی دیا؟

انہوں نے سرنفی میں ہلایا۔ گویا اذان کی آواز نے صرف میری سماعت کو سیراب کیا تھا۔

دل میں گداز پیدا ہوا اور آنکھیں بھیگ گئیں۔

چٹائی بچھائی اور قبلہ رخ کرکے نیت باندھ لی۔ ایسا ارتکاز و لطف کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ میں ماحول سے غافل کسی اور دنیا میں تھی۔ رب العالمین کی قربت کا احساس اتنا گہرا تھا کہ ادب پر سانس کی آمد و رفت بھی گراں تھی۔ رُواں رُواں سجدہ ریز تھا۔

سلام کے بعد دعا کی۔ خدمت گاروں کے لئے عبادت کا یہ انداز نیا تھا۔ سائل آگئے تھے، باہر سے آوازیں آرہی تھیں۔ میں ناشتہ کرنے بیٹھی تو وہ باہر نکل گئیں۔ ناشتے کے بعد انہوں نے بڑی چادر دی۔ میں نے خود کو سر سے پیر تک ڈھانپ لیا۔ مکان کے سامنے والے حصے میں لوگ میرا انتظار کررہے تھے۔

میری آمد پر خاموشی چھاگئی۔ یہ لوگ قریب کے علاقوں میں چھوٹے چھوٹے گوٹھوں میں رہتے تھے اور مسائل کے حل کے لئے ہر جمعرات کی صبح یہاں اکٹھا ہوتے تھے۔ گویا خدمت خلق کا ایک سلسلہ جاری تھا۔ خیال آیا کہ مجھ سے پہلے اس مکان میں کون تھا جو ان کے مسائل سنتا تھا—؟

لوگ مسئلہ بتاتے اور ذہن میں اس کا حل آجاتا۔ اس موقع پر انسپائریشن کے نظام نے مجھے بہت سی چیزوں کی طرف متوجہ کیا۔ مریض کو غور سے دیکھتی تو اس کی کیفیات دماغ میں روشن ہوجاتیں۔

توجہ دس بارہ سال کی لڑکی کی طرف گئی۔ وہ آگے آنے کی کوشش کرتی، لوگ اسے پیچھے کردیتے۔ تھک کر وہ ایک درخت کے تنے سے کمر ٹکا کر بیٹھ گئی۔ سب چلے گئے تو میں نے بچی کو غور سے دیکھا۔ پپڑی زدہ ہونٹ، سفید ویران آنکھیں اور پیٹ میں بھوک کی صورت بل کھاتے اژدھے کو دیکھ کر جھرجھری آگئی۔

آیوشی اور بھرگوی چیزیں سمیٹنے لگیں۔

پھر میری گمبھیر آواز پر ٹھٹک گئیں۔

نیا چھٹی! پارا ما کسانتی، گچھاتی باہر گی ہام

(ٹھہرو! آخری مریض منتظر ہے جاؤ باہر)

آیوشی کی جھجک واضح تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے آگے بڑھی۔ گویا وہ بچی کی موجودگی سے باخبر تھی۔ اسے اندر آنے سے روکنے کے پیچھے یقیناً کوئی وجہ تھی جس سے میں ناواقف تھی۔ وہ چند منٹ بعد اسے سہارا دے کر میرے سامنے لائی۔

بچی کی نظر میرے چہرے پر تھی جو جالی دار چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ وہ میرے قریب آنے لگی مگر آیوشی نے روک لیا۔ میں نے کہا، آنے دو اور اس کے لئے ناشتہ لے کر آؤ۔ اپنے لئے نرمی دیکھ کر بچی کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے بے بسی سے سر تخت پر رکھ دیا۔ میں نے اس کے بال سہلائے اور وہ لوگوں سے ملنے والی نفرت کے زہر کو آنکھوں کے راستے بہا رہی تھی۔ لوگ ظالم کیوں ہو جاتے ہیں کہ کسی کے درد کا احساس نہیں ہوتا؟

میری نظریں سرمئی کپڑوں میں ملبوس معصوم وجود پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے نسمہ کے رنگ پھیکے پن کا شکار تھے جیسے وہ اذیت ناک سانحے سے گزر رہی تھی۔

ناشتے کی ٹرے آ گئی تھی۔ میرے اشارے پر آیوشی چمڑے سے بنا پانی کا ڈول اٹھا کر لائی اور منہ ہاتھ دھلا کر کھانا کھلایا۔ بچی بے یقینی سے آیوشی کی طرف دیکھتی کہ دھتکارنے والے ہاتھ آج لقمے کھلا رہے ہیں۔

لگتا تھا کہ اسے سب نے دھتکارا ہے۔

کھانے کے بعد میں اسے گھر میں لے آئی۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ لوگ اسے میرا ہاتھ پکڑنے سے روکتے، میں نے انہیں پیچھے رہنے کا اشارہ کیا۔

بچی نے التجائیہ لہجے میں کہا، مایاوی! میری ماں کو دندان سے آزاد کرا دیں۔ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔

بات مکمل کرتے کرتے وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ میں نے اسے قریب کیا۔ میرے پاس اس کی التجا کا جواب نہیں تھا کیوں کہ میں یہاں کے معاملات سے بے خبر تھی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

بچی کو روتا دیکھ کر تسلی دی کہ کوشش کروں گی۔

اچھا یہ تو بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟

آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے بولی، سلا بھا۔

سلا بھا سنسکرت میں چنبیلی کے پھول کو کہتے ہیں۔

واہ بھئی! نام تو بہت خوب صورت ہے بالکل تمہاری طرح۔ اس کا سپاٹ چہرہ ماں کی جدائی کی وجہ سے ہر طرح کے تاثرات سے عاری تھا۔

میری بات سن کر وہ محض پلکیں جھپکا کر رہ گئی۔

سلا بھا! تمہاری ماں کو تلاش کرنے کے لئے پہلے مجھے ضروری کام کرنا ہوں گے۔ ابھی بھرگوی کے ساتھ جاؤ اور سونے کی کوشش کرو۔ لگتا ہے ساری رات جاگی ہو۔ ہم اس بارے میں کل بات کریں گے۔

(قسط: ۷)

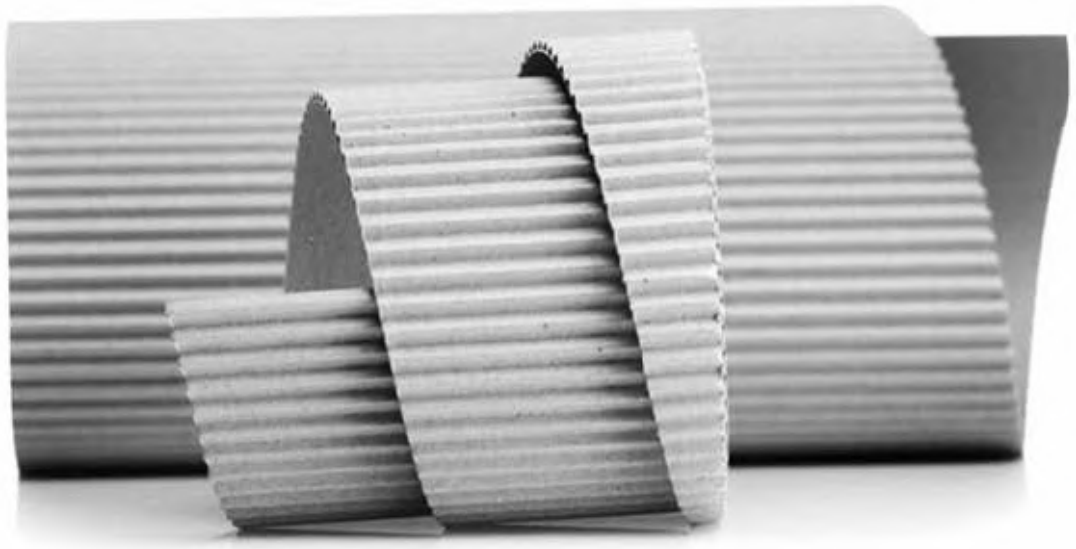

Manufacturer of
Liner & Floating Paper

PRIME PACK INDUSTRIES

C-21, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880627
Fax: 022-3880381

سرورق کی تشریح

ادب کا مفہوم دل سے تعمیل ہے۔ بے ادبی غفلت کا نام ہے۔ ادب بقا ہے اور بے ادبی ذلت وخسارہ ہے۔

۱۔ ابلیس کے پاس کتنا علم تھا، کتنی ریاضت وعبادت اس کے حصے میں تھی مگر تکبر نے نافرمانی کی راہ دکھلائی۔

۲۔ آدم وحوا نے شیطان کے بہکاوے میں جنت کھودی اور زمین پر آ گئے۔ رحیم وکریم اللہ نے جنت کے راستے کھلے رکھے ہیں۔ جنت ادب کے دائرے میں رہنے سے ملتی ہے۔

۳۔ اللہ کے محبوب رحمۃ للعالمین حضرت محمدؐ کی حیات مبارک ادب ہے۔ حضور پاکؐ کے امتی ہونے کی حیثیت سے اگر ہم اسوۂ حسنہ پر عمل نہ کریں تو دل بے سکون رہتا ہے۔ بے سکونی کیوں ہے ہمیں غور کرنا چاہئے۔

۴۔ قرآن کریم کا ادب اس کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ غور وفکر میں ہے۔

۵۔ صلوٰۃ میں یکسوئی قائم ہو اور یکسوئی کے نتیجے میں مرتبۂ احسان حاصل ہو جائے تو یہ صلوٰۃ کا ادب ہے۔

۶۔ دائیں ہاتھ سے زکوٰۃ وصدقہ دیا اور بائیں ہاتھ کو خبر تک نہ ہوئی، یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ادب ہے۔

۷۔ تمام مفروضات کا انکار کر کے اللہ کا اثبات اور رسول اللہؐ کی اطاعت کا اقرار کلمہ طیبہ کا ادب ہے۔

۸۔ تسبیح پھیرتے ہوئے دل بھی پھر جائے تو یہ باادب بندوں کی فہرست میں شامل ہونا ہے۔

۹۔ سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ نے بائیس سال مرشد کی خانقاہ میں پانی بھرنے کا کام کیا اور مرشد نے انہیں باطنی علوم سے نواز کر جگمگ جگمگ ستارہ بنا دیا جس کی روشنی سے کتنے چراغ روشن ہیں۔

۱۰۔ ادب سے انسان علیین میں رہتا ہے اور بے ادبی اسفل سافلین کے گڑھے میں گرا دیتی ہے۔ ادب دل سے تسلیم کرنا ہے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے۔ (یاسمین گل۔ فیصل آباد)

''آج کی بات'' جولائی 2017ء میں ایک واقعہ پڑھا تھا جس میں موجود حکمت اس وقت میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ''ایک نوجوان کسی ماہر فن کے پاس آیا اور کہا، آپ سے بہت متاثر ہوں اور آپ کا علم سیکھنا چاہتا ہوں، مجھے کتنے سال لگیں گے؟ استاد نے کہا، دس سال!

نوجوان نے کہا، میں بہت محنت کروں گا، حکم کی تعمیل کروں گا، علم سیکھنے کے لئے دن رات ایک کر دوں گا، مجھے

مخلص پائیں گے، اب مجھے کتنے سال لگیں گے؟ استاد نے کچھ دیر اسے دیکھا اور کہا ــــ بیس سال!''

غور کرنے پر ذہن میں بات کھلی کہ جب تک بندے کو علم کی اہمیت کا احساس نہ ہو، وہ علم کا ادب نہیں کر سکتا۔ مثلاً دس سال میں منتقل ہونے والا علم کوئی دس دن میں سیکھنا چاہے تو یہ علم کی بے ادبی ہے۔ دنیا کے علوم سیکھنے کے لئے ہم داخلہ لینے جاتے ہیں تو کورس کا دورانیہ دیکھ کر خاموشی سے فارم بھر کر آ جاتے ہیں۔ ادارے کی انتظامیہ سے کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ دو سال میں ختم ہونے والا کورس کیا میں دو دن میں سیکھ سکتا ہوں؟ سبب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ظاہری علوم کی اہمیت ہے، باطنی علوم کی اہمیت کا ہمیں ادراک نہیں ہے۔ زندگی کا موازنہ کریں تو ضروریات میسر ہونے کے باوجود آدمی بے چین ہے۔ خوش بختی کا تعلق آسائشوں سے نہیں ہے، یہ خوشی عارضی ہے۔ ایک وقت کے بعد آدمی سوچتا ہے کہ میں نے کیا کھویا اور کیا پایا کیوں کہ برسوں عارضی خوشی کو سب کچھ سمجھ کر بھی وہ ناخوش ہے اور خود کو خالی محسوس کرتا ہے۔ غور کیا کہ بانصیب کون ہے؟ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ جو شخص اللہ اور اپنے تعلق سے واقف ہو جاتا ہے وہ بانصیب ہے۔ ضرورتیں سب کی پوری ہوتی ہیں، اور یہ اللہ کا کرم ہے لیکن سکون سب کو میسر نہیں ہے۔ ہم نعمتوں کو اپنا حق سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔ نعمتوں پر شکر ادا کریں تو ہم سکون سے آشنا ہوں گے اور دل اپنے رب اللہ کی طرف متوجہ رہے گا۔ (محمد وقاص۔ دبئی)

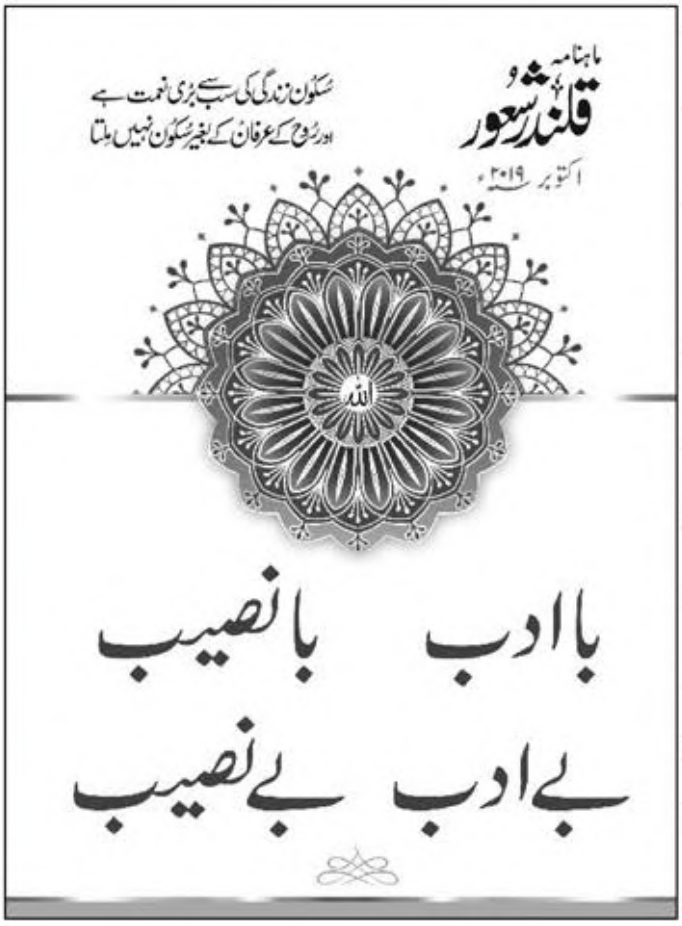

علم کوئی بھی ہو، ذہن میں پہلے سے موجود علم کی نفی کے بغیر نہیں سیکھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو علم الاسما سکھایا تو فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا۔ فرشتوں نے تعمیل کی، عزازیل نے انکار کر دیا اور بے ادبی پر راندۂ درگاہ ہوا۔

بے ادبی سے دوری پیدا ہوتی ہے اور ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں ــــ محبت قربت ہے۔

روحانیت معرفت الٰہی کی تعلیم دیتی ہے۔ مرشد مرید کو اللہ اور رسول اللہؐ سے محبت کرنا سکھاتا ہے اور بتاتا ہے کہ

جب بندہ نافرمانی کو ترک کر کے فرماں برداری کی اسپیس میں داخل ہوتا ہے تو وہ اللہ سے قریب یعنی باادب بانصیب ہوجاتا ہے۔ نافرمانی کے زون میں رہنے والوں کے لئے کوئی جائے قرار نہیں ہے۔ (ڈاکٹر زبیر احمد۔ کراچی)

قرآن کریم میں باادب بانصیب لوگوں کو مختلف اوصاف سے یاد کیا گیا ہے۔

''بے شک فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، اور مومن مرد اور مومن عورتیں، اور قناعت کرنے والے مرد اور قناعت کرنے والی عورتیں، اور صادق مرد اور صادق عورتیں، اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اور حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والی عورتیں، اور اللہ نے ان کے لئے تیار کی ہے بخشش اور اجر عظیم۔ کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔'' (الاحزاب: ۳۵)

یہ بانصیب ہونے کے مدارج ہیں۔ خود کو اللہ کے سپرد کرنے اور نور کی فراست سے دیکھنے والے مومن مرد اور مومن عورتوں کی، قدرت خاص کفالت اور حفاظت کرتی ہے۔ (عمرانہ شاہد، حیدرآباد)

ادب سے ذہن منتقل ہوتا ہے۔ ذہن خواص کا مجموعہ ہے۔ خواص اچھے ہوتے ہیں اور برے بھی۔ اچھائی کا ادب کرنے والا اچھائی کے سانچے میں ڈھلتا ہے اور برائی کا ادب کرنے والا بدی کی تصویر بن جاتا ہے۔ ادب کے معنی خود کو جھکانا اور تعمیل ہے۔ اچھائی کا پیروکار بانصیب اور برائی کی تقلید کرنے والا بےنصیب ہے۔ ادب راہِ طریقت میں ہو تو سالک کے ذہن میں مرشد کا تشخص غالب ہونے سے اپنا تشخص مغلوب ہوجاتا ہے۔

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

(عبداللہ۔ کراچی)

روحانیت میں پہلا اور آخری سبق ''باادب بانصیب، بےادب بےنصیب'' ہے۔ طالب علم اگر روحانی استاد کے ہر حکم پر بلا چون و چرا عمل نہیں کرتا، روحانی علم حاصل نہیں کرسکتا۔ (عدنان نذیر۔ اٹک)

ادارہ

اولی الالباب بچے

اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق مجھے پہچانے تو محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا اور کائنات بنائی۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے کی نشانیاں ہیں۔ جو چھوٹے اور بڑے بچے غور و فکر کرتے ہیں وہ اولی الالباب (عقل و دانش والے) کہلاتے ہیں۔ بچو! ذہن استعمال کریں، سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، ہمیں بھیج دیں۔ ہمارا پتہ ہے: بچوں کا قلندر شعور، عظیمی محلّہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔

پیارے بچو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ ــــ آپ کو ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کا عرس مبارک ہو۔

جنوری 2020ء کا سوال جاننے کے لئے الماری کھولیں اور دیکھیں کہ آپ کے کپڑے سلیقے سے تہہ کر کے الماری میں رکھے ہیں۔ کچھ کپڑے ہینگر میں لٹک رہے ہیں۔ ان کپڑوں میں حرکت نہیں ہے یہ اپنی جگہ ساکت ہیں۔ ایک جوڑا آپ نے پہنا ہوا ہے، جو آپ کے حرکت کرنے سے ہلتا ہے۔ مثلاً الماری سے جوڑا اٹھانے کے لئے جیسے ہی آپ نے ہاتھ آگے بڑھایا، آستین میں بھی حرکت ہوئی۔ لیکن جب آپ ہاتھ نہیں ہلاتے تو کیا آستین میں حرکت ہوتی ہے؟

بچو! آستین میں حرکت ہاتھ ہلانے سے ہوتی ہے، یہ بتائیے کہ ہاتھ میں حرکت کہاں سے آتی ہے؟

ہونہار بچو! زید کے ابا ننھے منے، پیلے سفید، نیلے ہرے رنگ کے چوزے لائے۔ دو تین دن ان کے ساتھ کھیل کر زید خوش ہوا۔ ایک روز زید نے ڈربہ کھولا تو ایک چوزہ بے حرکت زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے قریب دوسرے چوزے چوں چوں کر کے شور مچا رہے تھے لیکن مرا ہوا چوزہ خاموش تھا۔ چوزے کی ٹانگیں سلامت تھیں، پنجہ ٹھیک تھا، جسم پر کھال اور کھال پر سرخ رنگ کے بال تھے لیکن کیا بات ہے کہ چوزے نے حرکت نہیں کی؟

★ جواب 20 جنوری 2020ء تک بھیج دیں۔

نومبر 2019ء کے شمارے میں سوال کیا گیا تھا کہ علامہ اقبالؒ کی نظم 'لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری' کے اشعار سے آپ کیا سمجھے۔ بڑی تعداد میں خطوط موصول ہوئے، منتخب تشریحات شائع کی جارہی ہیں۔

◇ **فزا سرور، جماعت ہشتم (فیصل آباد):** بچہ اللہ سے دعا کررہا ہے کہ مجھے روح کا عرفان مل جائے اور جیسے شمع سے دنیا کا اندھیرا ختم ہوتا ہے، میں دنیا والوں کے دل سے اندھیرا ختم کردوں۔

◇ **جویریہ جبین (متحدہ عرب امارات):** دنیا کا اندھیرا نور سے دور ہوتا ہے۔ بچے نے دعا کی ہے کہ یا اللہ! مجھے پُرنور بنا کہ میں نور سے خود بھی دیکھوں اور دوسروں کا راستہ بھی روشن کروں۔

◇ **علینہ ہاشمی (کراچی):** شمع چھوٹی ہے مگر ہمیں روشنی پہنچانے کے لئے خود پگھل جاتی ہے۔ بچے کی دعا ہے کہ یارب! مجھے بھی شمع کی طرح کارآمد بنا۔

◇ **شگفتہ زبیر، جماعت پنجم (کراچی):** بتایا گیا ہے کہ شمع خود تکلیف میں رہ کر دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

◇ **ثمرین ظفر، ایف ایس سی میڈیکل (سرگودھا):** یارب! میری زندگی شمع کی مانند دوسروں کو روشنی دینے والی ہو جس سے مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچے۔

◇ **نورالعین، جماعت چہارم (اٹک):** دوسروں کے کام آنا چاہئے، ان کے لئے قربانی دینی چاہئے۔

◇ **محمد صالح، جماعت پنجم (کراچی):** میری بھی خواہش ہے کہ اچھے کام کرکے اللہ کا دوست بن جاؤں۔

◇ **اریبہ محسن، جماعت نہم (فیصل آباد):** اللہ کا دوست بننے کی دعا کی گئی ہے کہ اے اللہ! میں آپ کا دوست بن کر دنیا سے جہالت ختم کرنا اور دوسروں کے کام آنا چاہتا ہوں۔

◇ **سلیمان ظفر، جماعت ہفتم (سرگودھا):** بچہ اللہ سے دعا کررہا ہے کہ میری دلی آرزو ہے کہ میں روشن چراغ بن جاؤں، اپنی ذات اور علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچاؤں۔

◇ **عبدالرحمٰن انجم (فیصل آباد):** شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ میری یہ دعا قبول ہوجائے کہ میں زندگی اللہ کے کاموں کے لئے وقف کردوں، اور لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کروں۔

دیگر نام: فرحین، عبداللہ انجم، نور، ذویان، عارف، ریان، شائستہ، مناہل، کشف، معراج الدین، منزہ .....

****

چڑیا اور باز

ہمارے دادا مرشد حضور قلندر بابا اولیاؒ نے اپنے محبوب شاگرد عظیمی صاحب کو یہ واقعہ سنایا.....

ایک پیر صاحب کے دوست کا انتقال ہوگیا۔ کچھ عرصے بعد انہیں دوست کے بچوں کا خیال آیا کہ ان سے ملنے جانا چاہئے کہ کس حال میں ہیں۔

پیر صاحب چھوٹے بیٹے کے پاس گئے۔ وہ بہت گرم جوشی سے ملا اور اپنے گھر لے گیا۔ گھر میں غربت و تنگ دستی تھی۔ خیر! پیر صاحب نے وہاں قیام کیا اور رات کو لڑکے سے پوچھا کہ تم کیا کام کرتے ہو؟ اس نے بتایا کہ والد صاحب نے بہت سمجھایا کہ پڑھ لکھ لو لیکن میں نے ان کی بات پر توجہ نہیں دی بلکہ برے لوگوں کی صحبت میں وقت گزارا۔ اب میں چڑی مار ہوں۔

پیر صاحب بولے کہ اچھا صبح میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ لڑکے نے عرض کیا، آپ میرے والد کے پیر صاحب ہیں۔ آپ کہاں جائیں گے۔ آپ یہاں قیام کریں۔ میں جلدی آجاؤں گا۔

لیکن پیر صاحب نہ مانے اور بولے کہ نہیں میں آپ کے ساتھ ضرور جاؤں گا۔

صبح پیر صاحب لڑکے کے ساتھ گئے۔ جال لگا دیا، دانہ ڈالا، بہت چڑیاں، طوطے اور پرندے آئے لیکن جب بھی لڑکا جال کھینچنے لگتا تو پیر صاحب فرماتے، نہیں رہنے دو، ابھی نہیں۔

جو دانہ تھا پرندے سب چگ گئے۔

شام کو خالی ہاتھ واپس آگئے۔

کچھ عرصہ یونہی چلتا رہا، جال بچھایا جاتا لیکن پرندوں کو پکڑنے سے پہلے ہی پیر صاحب روک دیا کرتے۔ جو پیسے جمع کئے تھے ختم ہوگئے۔ اب وہ قرض لے کر ضروریات پوری کرنے لگا۔ ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ لوگوں نے قرض دینا بند کردیا۔ پیر صاحب سے عرض کیا۔ انہوں نے اپنے پاس سے روپے دے دیئے اور کچھ عرصہ یونہی کام چلتا رہا۔

ایک دن جال بچھائے بیٹھے تھے کہ ایک پرندہ آگیا۔ پیر صاحب نے فرمایا، فوراً جال کھینچ لو۔

جال کھینچ لیا۔ پرندہ پکڑ کر دیکھا تو وہ باز تھا۔

پیر صاحب نے لڑکے کو سختی سے تاکید کی کہ باز کو

شہر میں اچھے داموں فروخت کرنا۔ اس نے باز فروخت کر دیا جس سے حاصل ہونے والی رقم سے اس کے حالات اچھے ہو گئے۔

پھر پیر صاحب نے فرمایا، تیری قسمت یعنی لوح محفوظ میں پرندے پکڑنا لکھا تھا۔ چڑی بھی ایک پرندہ ہے اور باز بھی ایک پرندہ ہے۔ دونوں میں کیا فرق ــــ لیکن فرق ہے ــــ بس تو باز ہی پکڑا کر۔

اس کے بعد پیر صاحب بڑے لڑکے کے گھر گئے۔ وہ بھی بڑی گرم جوشی سے ملا، اپنے گھر لے گیا۔ اس سے حال احوال پوچھا تو اس نے بتایا کہ حالات بہت اچھے ہیں۔

پیر صاحب نے پوچھا آپ کیا کام کرتے ہیں؟

عرض کیا کہ میں سرکاری اصطبل میں گھوڑوں کی خدمت پر مامور ہوں۔

ایک رات انہوں نے لڑکے کو بلایا اور فرمایا بھئی آپ ملازمت چھوڑ دیں۔ لڑکے نے عرض کیا، پھر کیا کروں گا؟ پھر سوچا والد کے پیر صاحب ہیں اس لئے ادب کی خاطر اس نے استعفیٰ دے دیا۔

لوگوں نے کہا خوب ترقی ہوئی ہے، سرکاری ملازمت چھوڑنا تو بے وقوفی ہے۔

اس نے لوگوں کی بات پر دھیان نہیں دیا اور پیر

صاحب کے کہنے کے مطابق عمل کیا۔

ایک دن پیر صاحب نے فرمایا، دلہن کو بلاؤ۔

دلہن کے زیورات لے کر حکم دیا کہ انہیں بیچ کر اس سے اعلیٰ نسل کے گھوڑے کا بچہ خرید کر لاؤ۔

وہ خرید کر لے آیا۔

پیر صاحب نے کہا، اب اس کی خوب خدمت کرو۔ لڑکے نے گھوڑے کے بچے کو خوب کھلایا پلایا۔ گھوڑا اچھا خاصا صحت منداور جوان ہو گیا۔

انہوں نے فرمایا کہ اب اسے بازار لے جا کر اچھے داموں فروخت کرو۔

گھوڑا اچھے داموں فروخت ہو گیا۔

پیر صاحب نے فرمایا کہ اس رقم سے مزید دو یا تین گھوڑے آ جائیں گے، خرید لو۔ اسی طرح ان سب کی خدمت کرواور فروخت کر دو۔

پھر پیر صاحب نے فرمایا..... تیرا رزق گھوڑوں میں ہی ہے تو کیوں نہ تو گھوڑوں کا سوداگر بن، گھوڑوں کا ملازم ہی کیوں؟ اس طرح وہ گھوڑوں کا سوداگر بن گیا۔

بچو! روحانی استاد سے ہر فرد بلاتفریق مذہب و ملت فیض پاتا ہے۔ کسی کو ذاتی معاملات میں مشورہ درکار ہوتا ہے، کسی کو کاروبار میں برکت، کوئی اولاد کی خواہش کے لئے دعا کرنے کی درخواست کرتا ہے، اور کچھ اللہ کے دوست سے اللہ تک پہنچنے کا راستہ معلوم کرنے آتے ہیں۔ غرض جو جس نیت سے آتا ہے، ویسا پاتا ہے۔

دونوں بیٹوں نے فرماں برداری کی۔

چڑیا اور باز ــــ دونوں دانہ کھانے آئے۔ باز کی سکت چڑیا سے زیادہ ہے، اسے چڑی مار نے رکھ لیا۔ اس طرح جو شاگرد خلوص نیت سے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، ان کا احترام کرتا ہے، تو مرشد ایسے شاگرد کی تربیت کا خصوصی انتظام فرماتے ہیں ــــ اور اسے منزل تک پہنچا دیتے ہیں۔

باادب ــــ بانصیب

حضور قلندر بابا اولیاؒ کا نام محمد عظیم ہے۔ آپ قلندریت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اس لئے لوگ آپ کو بڑی محبت سے قلندر بابا اولیاؒ کے نام سے پکارتے ہیں۔ قلندر بابا اولیاؒ کی پیدائش 1898ء میں خورجہ، ضلع بلند شہر یوپی انڈیا میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام حسن مہدی بدیع الدین شیر دلؒ تھا اور والدہ کا نام سعیدہ بی بیؒ تھا۔ آپ کے والدین نیک اور پرہیز گار تھے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔

ان کے گھر میں ایک اژدہا رہتا تھا جو کئی گز لمبا اور جسامت میں موٹا تھا۔ جب کوئی مہمان گھر میں آتا تو قلندر باباؒ کی اماں اژدہے سے کہتی تھیں، اب تم اندر جاؤ، مہمان آئے ہیں۔ اژدہا چلا جاتا تھا۔ بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ اژدہا ان کی ہر بات سمجھتا تھا اور سعیدہ بی بیؒ اس کے کھانے پینے کا، سردی گرمی کا بچوں کی طرح خیال رکھتی تھیں۔

قلندر بابا اولیاؒ بچپن میں اس کے ساتھ کھیلتے تھے۔

قلندر باباؒ بچپن ہی سے خوش اخلاق، سمجھ دار اور باادب تھے۔ آپ کا کبھی کسی سے جھگڑا نہیں ہوا۔

(کتاب: بچوں کے قلندر بابا اولیاؒ)

شاہ کچھوا

کسی ساحلی علاقے میں مچھیروں کا قبیلہ آباد تھا۔ یہ کہانی اس قبیلے کے ایک نوجوان کی ہے۔ اس نے کم عمری میں مچھلیاں پکڑنا سیکھ لی تھیں۔ ایک روز فجر کے وقت وہ سمندر میں جال پھینک کر مچھلیوں کے انتظار میں تھا کہ جال بھاری ہو اور وہ جال کھینچ لے۔ انتظار کرتے کرتے وہ کشتی میں لیٹ گیا۔ نگاہ آسمان کی طرف تھی اور زبان پر اللہ کا ذکر جاری تھا کہ ساتھیوں کے شور کی آواز آئی۔ اس کی کشتی ساحل کے قریب تھی۔ وہ گھبرا کر بیٹھ گیا۔ دیکھا کہ ساحل پر ہم عمر ساتھی دائرہ بنا کر کھڑے ہیں۔ ان میں سے ایک نے پتھر اٹھا کر کسی چیز پر مارا اور سب ہنسنے لگے۔ پچھلے ہفتے ان لڑکوں نے پانی کی بلی کو پتھر مار کر زخمی کر دیا تھا۔

اس نے جال کو تیزی سے کھینچا۔ کنارے پر لا کر کشتی لنگر انداز کی۔ پھر بھاگتا ہوا لڑکوں کی طرف گیا۔ دیکھا کہ زمین پر زخمی کچھوا پڑا ہوا ہے جسے بچے پریشان کر رہے ہیں۔ کوئی پتھر مار رہا تھا تو کوئی پیر کھینچ کر گھسیٹ رہا تھا۔

یہ کیا کر رہے ہو، بے چارہ مر جائے گا۔

ایک لڑکے نے کہا، جب تم مچھلیاں پکڑتے ہو تو کیا وہ تڑپ تڑپ کر نہیں مرتیں؟ اس وقت خیال نہیں آتا؟ اگر یہ کچھوا مر گیا تو کیا فرق پڑتا ہے۔

ہم درد لڑکا بولا، مچھلیاں پکڑنے اور پتھر مارنے میں فرق ہے۔ پتھر مارنا ظلم ہے۔ ایسا نہ ہو ظلم کر کے تم لوگ مصیبت میں پھنس جاؤ پھر کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے۔ یہ معصوم ہے۔ اسے مجھے دے دو۔

نادان لڑکوں نے ناگواری سے کہا، تمہیں کیوں دیں؟ اسے ہم نے پکڑا ہے۔

وہ بولا، اس کے بدلے قیمت ادا کروں گا۔

لڑکوں نے مشورہ کیا اور کہا، تم نے جتنی مچھلیاں پکڑی ہیں، اگر سب ہمیں دے دو تو یہ کچھوا تمہارا۔

ہم درد لڑکے نے سوچتے ہوئے کہا، اچھا ٹھیک ہے، جاؤ میری کشتی سے مچھلیاں لے لو۔ لڑکے کشتی کی طرف دوڑے اور آپس میں مچھلیاں تقسیم کیں۔ جب کہ ہم درد لڑکے نے زخمی کچھوے کو اٹھا کر اسے پیار کیا، باتیں کیں جیسے وہ اس کی باتیں سمجھتا ہے۔

پیارے کچھوے! تم اب محفوظ ہاتھوں میں ہو۔ پریشان مت ہو، میں تمہیں تمہارے گھر سمندر میں چھوڑنے جارہا ہوں۔ آئندہ ساحل کی طرف مت آنا، جانتے ہو لوگ تمہارے ساتھ کیا کریں گے۔

وہ کشتی کی طرف بڑھا۔ لڑکے جال خالی کر چکے تھے۔ اس نے کشتی میں کچھوے کو رکھا اور چپو چلانے لگا۔ ساحل سے تھوڑی دور جانے کے بعد کچھوے کو پیار کیا اور کہا، سنا ہے کچھوے کئی سو سال جیتے ہیں۔ آج تمہاری لمبی عمر کم ہو جاتی۔ زندگی مبارک ہو۔

بات مکمل کی تھی کہ کچھوے نے خول میں سے سر نکالا اور پھر جھکا دیا جیسے شکریہ ادا کر رہا ہو۔ لڑکا بہت خوش ہوا اور اسے پانی میں چھوڑ دیا۔

لڑکا خالی ہاتھ گھر پہنچا تو سب کو حیرت ہوئی۔ اس نے بتایا کہ کس طرح مچھلیوں کے بدلے کچھوے کی جان بچائی ہے تو اماں ابا خوشی سے پھولے نہ سمائے کہ ان کا بچہ نیک اور ہم درد ہے۔

آج تھکن زیادہ ہوگئی تھی۔ بستر پر لیٹتے ہی نیند آ گئی۔ اگلے روز وہ پھر کشتی میں سوار گہرے سمندر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ دوسری کشتیوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا اس مقام پر پہنچا جہاں سے ساحل لکیر کی صورت میں نظر آتا تھا۔ جال پانی میں پھینک کر آرام سے بیٹھا ہی تھا کہ آواز آئی ___ ہم درد لڑکے!

آواز واضح اور اتنے قریب سے آئی تھی کہ لڑکا گھبرا گیا۔ قریب کوئی کشتی نہیں ہے پھر آواز کہاں سے آئی؟ قریب دور ہر سو نظر دوڑائی۔

اس بار ہنسنے کی آواز آئی، ادھر دیکھو، اس طرف میں ہوں۔ کشتی کے قریب کچھوا تھا۔

لڑکا حیران ہوا لیکن ڈرا نہیں۔ یہ وہی کچھوا تھا جس کی جان بچائی تھی۔

پوچھا، کیا یہ آواز تمہاری تھی؟

کچھوے نے کہا، جی! ہم سب تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم مدد نہ کرتے تو میں مر جاتا۔ سمندر میں تمہاری دھوم مچی ہوئی ہے کہ مجھے بچانے کے لئے تم نے اپنی محنت نادان لڑکوں کو دے دی۔

ہم درد لڑکے نے اس کے بعد جو منظر دیکھا، دم بخود ہو گیا۔ سمندر میں دور دور تک کچھوؤں کے خول نظر آئے۔ پھر سب نے ایک ساتھ پانی سے سر باہر نکال کر تعظیم میں جھکایا اور دوبارہ زیر آب ہو گئے۔

یہ عجیب منظر تھا۔ ہم درد لڑکا حیران تھا اور وہ کچھوا جس کی جان بچائی تھی، مسکرا رہا تھا۔

لڑکے نے کچھوے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسے

کشتی میں بٹھادیا۔ یہ سب کیا تھا؟ کیا یہ سارے کچھوے میرا شکریہ ادا کرنے آئے تھے—؟

کچھوا بولا، جی ہاں ۔ سمندر کے بادشاہ تک تمہاری رحم دلی کی خبر پہنچی تو انہوں نے تمہیں سلامی دینے کے لئے فوج بھیجی۔

لڑکا پلکیں جھپکنا بھول گیا اور کھوئی ہوئی آواز میں کہا، کیا تم لوگوں میں بادشاہ بھی ہوتے ہیں؟

کچھوا بولا، صرف بادشاہ نہیں، شہزادے اور شہزادیاں بھی ہیں۔ان کے محل دیکھ لو تو دنیا کے سارے محل بے وقعت ہوجائیں گے۔

کاش میں دیکھ سکتا۔آہ بھرتے ہوئے کہا۔

میں لے جاسکتا ہوں؟ آجاؤ میری کمر پر بیٹھو؟

ہم درد لڑکے نے قہقہہ لگایا اور کچھوے کو پیار کرتے ہوئے بولا، میں پانی میں کیسے جاسکتا ہوں۔ میں مچھلی ہوں نہ کچھوا، پانی میں سانس کیسے لوں گا؟

تم آدمیوں کی ہر بات نہیں پر آکر کیوں ختم ہوتی ہے؟ جانا چاہتے ہو تو بتاؤ، پہنچانا میرا کام ہے۔

جانا تو چاہتا ہوں لیکن؟

کچھوے نے کہا، میرے خول کو مضبوطی سے پکڑو اور دیکھو کیا ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر کچھوے نے پانی میں چھلانگ لگائی ۔لڑکے نے بھی کچھوے کی سمت میں چھلانگ لگا کر خول پکڑ لیا۔ کچھوے کا رخ گہرائی کی طرف تھا۔لڑکے نے دیکھا کہ اس کے کپڑے گیلے ہوئے ہیں نہ پانی آنکھ، ناک اور حلق میں داخل ہورہا ہے بلکہ پانی نے اس کے لئے راستہ بنایا۔نظر پانی میں دور دور تک دیکھ رہی تھی جیسے زمین پر منظر نظر آتے ہیں۔سانس گہرا اور طویل ہوگیا۔

اندر کی دنیا الگ تھی— ہیرے، زرقون، فیروزہ اور دوسرے قیمتی پتھروں سے بنے ہوئے عالی شان مکانات تھے۔ وہ کچھوے سے کچھ کہنے والا تھا کہ سامنے بڑا دروازہ نظر آیا۔ پوچھا کہ یہ کیا ہے؟

یہ سلطان البحر کا محل ہے۔

سلطان البحر —؟ سمندر کا بادشاہ؟ کیا ہم محل تک جلدی نہیں پہنچ گئے؟

جلدی اور دیر وقت کو ناپنے کا پیمانہ ہے جب کہ وقت ایک ہے۔کوئی کہتا ہے وقت گزرتا نہیں اور کسی کے لئے تیزی سے گزر جاتا ہے۔دیکھو ہم اس وقت شاہی محل کی حدود میں ہیں۔ ہر ایک یہاں داخل نہیں ہوسکتا۔

پھر ہم کیسے داخل ہوگئے اور کسی نے روکا نہیں؟

کچھوا مسکرایا لیکن جواب نہیں دیا۔قریب پہنچتے

ہی دروزاہ کھل گیا۔ دیکھا ـــ سمندری مخلوق کی فوج مچھلیاں ، کچھوے ، کیکڑے ، مگر مچھ استقبال کے لئے کھڑے تھے ۔ کچھوا شان سے چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ہم دردلڑکا پانی سے بنے ہوئے قالین پر حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

ایک مچھلی نے راہ نمائی کی کہ محل میں چلیں۔

ہم دردلڑکے نے کچھوے کی جگہ شہزادے کو محل میں جاتے ہوئے دیکھا ۔ گھبرا گیا کہ یہ سب کیا ہے۔ محافظ مچھلی اسے مہمان خانے میں آرام کے لئے لے گئی اور کہا، اب کھانے پر شہزادے سے ملاقات ہوگی۔

کون شہزادہ؟ کچھوا کہاں ہے، اسے بلاؤ۔

مچھلی مسکرائی اور بولی ، محترم جناب ! اس سے زیادہ بولنے کی اجازت نہیں ۔ کھانے پر سارے سوالات کے جوابات مل جائیں گے۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ کھانے کا وقت ہوا۔

راہ داری سے گزر کر بڑے کمرے میں داخل ہوا تو شہزادوں کی سی آن بان شان والا خوب صورت نوجوان استقبال کے لئے کھڑا ہوگیا۔ اس کے جوتے کچھوے کے خول سے بنے ہوئے تھے ۔ وہ اس سے بہت گرم جوشی سے ملا ـــ خوش آمدید اس سرزمین پر جہاں لوگ جوان رہتے ہیں۔

ہم دردلڑکے کے لئے یہ سب حیران کن تھا۔ اس کی حیرت دیکھتے ہوئے شہزادے نے کہا، تم نے کل جس کچھوے کو بچایا تھا، وہ میں ہوں۔

ہم دردلڑکا سکتے کی سی کیفیت میں تھا۔

شہزادے نے کہا، میرا تعلق بادشاہوں کے خاندان سے ہے۔ ہمارے یہاں بادشاہت اس کو منتقل ہوتی ہے جو خالق کا فرماں بردار ہوجاتا ہے۔ ایسا فرد جس شکل میں چاہے ڈھل سکتا ہے۔ میں کچھوا بن کر باہر کی دنیا کی سیر کرنے گیا تھا لیکن پھنس گیا اور تمہارے حسن سلوک کی وجہ سے آج زندہ سلامت ہوں۔

ہم دردلڑکے کو لگا کہ جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہے۔ یہاں قیام کے دوران پہننے کے لئے شاہی لباس دیا گیا، مزے دار سمندری کھانے کھائے ، دور دراز کا سفر کیا۔ جلد ہی شہزادہ اور وہ اچھے دوست بن گئے۔

تیسرے روز ہم دردلڑکا محل کی بالکنی سے باہر کا نظارہ کررہا تھا کہ اسے اپنے ماں باپ کا خیال آیا۔ پریشان ہوگیا کہ انہیں بتائے بغیر آیا ہے وہ پریشان ہوں گے۔ شہزادے سے ذکر کیا۔

شہزادے کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔

وہ بولا، سمندر اور باہر کی دنیا کے وقت میں فرق ہے۔ میرا مشورہ مانو تو یہیں رہو، تمہاری موجودگی ہمارے لئے باعث فخر ہے۔

لڑکے نے کہا، میرے ماں باپ ضعیف ہیں، جانا ضروری ہے۔ دو تین دن سے گھر نہیں گیا، خالی کشتی دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ میرے ساتھ حادثہ پیش آ گیا ہے۔ انہیں بتا کر واپس آ جاؤں گا۔

شہزادے نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، میں نے تمہیں روکا تو تم پریشان رہو گے۔ جاؤ لیکن ایک تحفہ ساتھ لے جانا۔ ہلکے سبز رنگ کے ریشمی کپڑے میں بند چھوٹا ڈبا دیتے ہوئے کہا، اس میں انتہائی قیمتی چیز ہے لیکن کچھ بھی ہو جائے اسے نہیں کھولنا ورنہ نقصان ہوگا۔ وعدہ کرو نہیں کھولو گے؟

وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ ایسے تحفے کا کیا فائدہ جسے کھولنا منع ہے اور کھولنے سے کیا نقصان ہوگا لیکن ماں باپ تک پہنچنے کی جلدی تھی۔ اس نے وعدہ کر لیا۔ دونوں گلے ملے۔ محل کے باہر ایک بڑا کچھوا اس کا منتظر تھا۔ اس پر بیٹھتے ہی وہ تیزی سے اوپر جانے لگا— تھوڑی دیر بعد دونوں ساحل پر تھے۔ کچھوے نے اسے سلام کیا اور الٹے قدموں واپس پانی میں غائب ہو گیا۔

باہر منظر وہ نہیں تھا جو تین دن پہلے تھا۔ لوگ گزرتے ہوئے عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ ان لوگوں کو نہیں جانتا تھا۔ گھر کی طرف گیا تو دیکھا وہاں پختہ مکان ہے۔ سوچا، ابا نے تین دن میں یہ کیسے بنا لیا؟ مکان میں داخل ہونے والا تھا کہ اندر سے اجنبی باہر آیا اور پوچھا، کس سے ملنا ہے؟

اس نے کہا، یہ میرا گھر ہے، اماں ابا کہاں ہیں؟

اس شخص نے کہا، میں یہاں چالیس سال سے رہ رہا ہوں۔ اس سے پہلے میرے دادا اس مکان میں رہتے تھے۔ یہ تمہارا گھر کیسے ہو گیا؟

چالیس سال؟ دادا کا گھر؟ لیکن تین دن پہلے اس جگہ پر ہمارا مکان تھا۔ میرا نام کرم دین ہے اور میں رحم دین کا بیٹا ہوں۔ پورا گاؤں مجھے جانتا ہے۔

کیا؟ تم کرم دین ہو؟

جی ہاں۔ کیوں؟

ہمارے بزرگ بتاتے ہیں کہ اس گاؤں میں رحم دین رہتا تھا جس کا بیٹا کرم دین ایک روز سمندر میں گیا اور پھر نہیں لوٹا۔ والدین انتظار کرتے کرتے مر گئے۔ اس کے بعد سے لوگ سمندر میں بچوں کو اکیلے نہیں بھیجتے۔ لیکن یہ کہانی تین سو سال پرانی

ہے تم کرم دین کیسے ہو سکتے ہو، وہ مر چکا ہے۔

یہ سن کر کرم دین گھبرا گیا اور بولا ، بھائی کیوں مذاق کرتے ہو، میں زندہ تمہارے سامنے ہوں ۔ میرے والدین کہاں ہیں؟

اس شخص نے کہا ، پاگل آدمی وقت ضائع کرتا ہے! اور دروازہ بند کر دیا۔

ہم دردلڑکا جس کا اصل نام کرم دین تھا، اس نے مکانوں کا جائزہ لیا تو احساس ہوا کہ گاؤں بدل گیا ہے۔ سر گھومنے لگا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ سب کیا ہے؟ اگر تین سو سال گزر گئے ہیں تو میں زندہ کیسے ہوں؟ سمندر میں گزرنے والا وقت تین دن سے زیادہ نہیں تھا پھر یہاں سب کیسے بدل گیا؟

بچو! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ سمندر میں کرم دین نے تین دن گزارے لیکن مچھیروں کی بستی میں تین سو سال کیسے گزر گئے ــــ؟

ہم دردلڑکا واپس ساحل کی طرف گیا کہ اپنے دوست شہزادے کے پاس جائے اور بتائے کہ تین دن میں دنیا کیا سے کیا ہوگئی ہے۔ لیکن واپس جانے کا راستہ وہ نہیں جانتا تھا۔ مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ ہاتھ میں شہزادے کا تحفہ تھا۔ اس نے ڈبا کھولنے سے منع کیا تھا لیکن کرم دین نے سوچا کہ میرے ساتھ جو ہوا ہے، اس سے زیادہ میرا کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ میں پوری دنیا میں اکیلا رہ گیا۔ یہ سوچ کر ڈبا کھولنے کا ارادہ کیا تھا کہ تیز ہوا کا جھکڑ چلا اور ہاتھ سے ڈبا اڑ کر نکلنے والا تھا کہ اس نے دبوچا اور کھول دیا ــــ ڈبے میں سے ہیولا نکلا اور اس کے گرد چکر لگا کر سمندر میں چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی کرم دین نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ پر جھریاں پڑ رہی ہیں، چہرہ تبدیل ہو رہا ہے، جسم سکڑ رہا ہے۔ سنبھلنے کی کوشش کی لیکن منہ کے بل گرا اور مر گیا۔

تیز ہوائیں چل رہی تھیں ــــ ہوا اور لہروں کے شور میں ساری آوازیں گم تھیں۔ لوگ حیران تھے کہ کیا ہو رہا ہے۔ سمندر میں بہت اونچی لہریں اٹھیں۔ بہت سارے کچھوے ساحل پر آئے اور کرم دین کے گرد حلقہ بنا کر کھڑے ہو گئے ــــ ان میں سب سے آگے بے حد حسین کچھوا تھا جس نے کرم دین کے سامنے تعظیم سے سر جھکایا۔ اس کے ایسا کرتے ہی تمام کچھوؤں نے سر جھکا دیا۔

پانی کا بہت بڑا ریلا آیا اور کچھوے اور کرم دین سمیت سب کو ساتھ لے گیا۔

ایک ہزار سال

سدا بہار بچو! موسم خزاں آتے ہی ہرے پتّوں کے اندر چھپے ہوئے رنگ ظاہر ہونا شروع ہوتے ہیں۔ کچھ پتّے زرد، کچھ سرخ و نارنجی اور کچھ خاکی رنگ میں تبدیل ہوکر درخت سے الگ ہوتے ہیں اور زمین پر گر کر تمام پتّے خاک میں گم ہوجاتے ہیں لیکن ان میں ایک درخت ایسا ہے جو سردیوں کی سختی برداشت کر کے توانا اور ہرا بھرا رہتا ہے۔

ہزاروں سال پہلے جنگل میں درختوں کی کالونی آباد تھی جس میں لمبے چھوٹے درمیانے ہر قد کے درخت موجود تھے۔ ساخت کے لحاظ سے کچھ درختوں کے پتّے ملائم اور چھوٹے اور کچھ درختوں کے پتّے لمبے، سخت، موٹے اور نوکیلے تھے۔

اس جنگل میں پرندے بھی رہتے تھے۔ جہاں درخت ہوتے ہیں وہاں پرندے بھی ہوتے ہیں۔ پرندوں کا دستور تھا کہ سردیوں کے آتے ہی وہ گرم علاقے کی طرف ہجرت کرتے تھے۔

ہوا سردیوں کا پیغام لائی تو پرندوں نے دوسرے مقام پر منتقل ہونے کی تیاری کی۔ ہماری طرح وہ چیزوں سے گھر نہیں بھرتے، اس لئے ایک گھر چھوڑ کر دوسرے گھر جانے کے لئے انہیں انتظام نہیں کرنا پڑتا بس ارادہ کرنا ہوتا ہے۔ پرندے غول در غول اڑنے لگے۔

جنگل میں ایک چھوٹی چڑیا تھی۔ چڑیا نے نیا نیا اڑنا سیکھا تھا۔ وہ گھونسلے سے نکلی تو گھونسلے کے باہر شبنم پر پنجہ رکھتے ہی پیر پھسل گیا— سنبھلنے کا موقع نہیں ملا اور زمین پر گر کر بے ہوش ہوگئی۔

ہوش آیا تو جنگل خالی ہو چکا تھا۔ صرف پتّوں کی سرسراہٹ اور جھینگروں کی آوازیں تھیں۔ ادھر ادھر نظر دوڑائی اور ٹھنڈی آہ بھر کر آنکھیں موند لیں۔ وہ جان گئی تھی کہ اس کے ساتھی پرندے جا چکے ہیں۔ اکیلے اڑنے کا فیصلہ کیا اور اٹھنے کی کوشش کی تو درد سے ٹیسیں اٹھیں اور وہ دوبارہ زمین پر لیٹ گئی۔ ایک پَر میں شدید تکلیف تھی، محسوس ہوتا تھا کہ ٹوٹ گیا ہے۔ اس دوران ہوا کا ٹھنڈا جھونکا آیا اور چڑیا سردی سے کانپ اٹھی۔

اس نے سوچا، اڑنے کی سکت نہیں اور اسی طرح پڑی رہی تو صبح تک جم جاؤں گی۔ پھر اڑنے کی کوشش کی لیکن دوبارہ گر گئی۔

قریب موجود درخت سے کہا، بھائی! اپنی ٹہنی جھکا دو کہ اس پر چڑھ کر تمہارے پتّوں میں چھپ جاؤں۔ جسم میں بہت تکلیف ہے اور ٹھنڈی ہوا تو میری جان لے لے گی۔ کیا میری مدد کرو گے—؟

یہ نوجوان درخت مغرور تھا۔ اس نے کہا، مجھے دیکھو اور خود کو دیکھو، تمہارے لئے میں اپنی شاخیں کیوں جھکاؤں۔ جھکنا میری فطرت میں نہیں۔

چڑیا آنسو روکتے ہوئے بولی، تم مغرور ہو، اسی لئے تم پر پھل نہیں لگتے۔ جھکتا تو صرف وہ درخت ہے جو پھل دار ہو۔

درخت نے یہ سنا تو کہا، چلی جاؤ یہاں سے۔

چڑیا آہستہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی دوسرے درخت کے پاس گئی اور کہا، بہن جی! میرے بہن بھائی آپ کی شاخوں پر رہتے تھے۔ اجازت ہو تو یہاں رہ لوں۔ تکلیف میں ہوں۔ درخت سے گری اور ساتھیوں سے بچھڑ گئی۔

درخت نے چڑ کر کہا، سالہا سال تمہارے بہن بھائی میری شاخوں پر بیٹھ کر چوں چوں کر کے سر

میں درد کر دیتے تھے، اب تمہیں اپنے پاس رکھ لوں کہ تمہاری آہیں سنوں۔ جاؤ کسی اور کے پاس۔ میں سردیاں تنہا گزارنا چاہتی ہوں۔

چڑیا کو اس جواب کی توقع نہیں تھی مگر اس نے ہمت نہیں ہاری اور آگے بڑھ گئی۔

تھوڑی مسافت طے کر کے وہ ایک گھنے درخت کے پاس گئی اور کہا، بھائی صاحب! گرمیاں آنے تک مجھے جگہ دے دو۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اڑ سکوں۔ اپنے پتّوں میں چھپا لو۔

اتنے میں ہوا کا تیز جھونکا آیا اور درخت جھولنے لگا۔ درخت نے چڑیا کو ایسے نظر انداز کر دیا جیسے وہ وہاں نہیں ہے۔ چڑیا نے پھر آواز دی کہ بھائی میں مر جاؤں گی لیکن ہوا کے شور میں اس کی آواز دب

گئی اور وہ سردی میں ٹھٹھرنے لگی۔

چڑیا چھوٹی لیکن حوصلہ بڑا ہوتا ہے۔ ہمت ہار کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھتی بلکہ اللہ پر توکل کر کے کوشش کرتی ہے۔ لوگ ان کے گھونسلے خراب کرتے ہیں تو یہ مایوس ہونے کے بجائے دوسری جگہ گھونسلا بنانا شروع کر دیتی ہیں۔

یہ چڑیا بھی ننھی لیکن باہمت تھی۔ ایک ایک کر کے اس نے جنگل میں تمام درختوں سے مدد مانگی — کسی نے حقارت سے دیکھا، کسی نے مذاق اڑایا، کسی نے معذرت کر لی اور کسی نے چڑیا سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ چڑیا کو سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ درخت سالہا سال پرندوں کی پناہ گاہیں بنتے ہیں، انہیں اب کیا ہو گیا ہے۔ سوچا کہ شاید سردی کی لہر نے ان کے جذبات کو سرد کر دیا ہے ورنہ یہ تو ایسے نہیں تھے۔ وہ روتی ہوئی ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئی۔ پورے جنگل میں صرف ایک درخت رہ گیا تھا جس کے پاس چڑیا نہیں گئی تھی۔ وہ تقریباً ایک سو تیس فٹ اونچا اور جنگل کے بزرگ درختوں میں شمار ہوتا تھا۔ عمر ایک ہزار سال تھی۔

وہ آگے بڑھی پھر رک گئی۔ اس نے کہا، یہ اتنا بڑا درخت — یہ بھی خود غرض ہوگا۔ جنگل میں جتنے بڑے درخت ہیں سب ایسے ہیں۔ یا اللہ! میں کہاں جاؤں۔ یہ کہتے ہی وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ اونچے درخت نے کسی کے رونے کی آواز سنی تو ادھر ادھر دیکھا، نظر زخمی چڑیا پر پڑی۔

شاخ آگے کی، چڑیا کو شاخ نما ہاتھ پر بٹھایا اور پوچھا، تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ تمہارے ساتھی آج صبح ہجرت کر گئے ہیں۔ اوہ اچھا! تم زخمی ہو۔

چڑیا حیران و پریشان درخت کو دیکھ رہی تھی، اس نے کہا، سب نے میری مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ کا قد کاٹھ دیکھ کر پاس آنے کی ہمت نہیں ہوئی کیا آپ مجھے پناہ دیں گے؟

درخت نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا، پناہ تو صرف اللہ دیتا ہے۔ میرے ہاتھ میرے ہیں نہ جڑوں اور شریانوں میں بہنے والا خون میرا ہے، اور یہ پتّے، جب اللہ حکم دیتا ہے ہلتے ہیں۔ اللہ نے میرا وجود مخلوق کی خدمت کے لئے بنایا ہے، میں حاضر خدمت ہوں۔ چڑیا نے یہ سنا تو درخت کے گلے لگ گئی۔ درخت خوش ہوا اور جھومنے لگا۔

بچو! اس سال سخت سردی آئی — جنگل کے درخت ہمیشہ ہرے بھرے رہتے تھے مگر اس بار وہ

موسم کی سختی برداشت نہیں کر سکے — ان کے رنگ بدل گئے، پتّے سوکھ کر گر گئے لیکن وہ درخت جس نے چڑیا کی مدد کی تھی، سردیوں میں بھی ہرا رہا۔ نیکی کی وجہ سے اس کے اندر زندگی کی روشنیاں بڑھ گئیں۔ احسن عمل سے اس کی نسلوں کو بھی فائدہ پہنچا اس لئے وہ بھی سینکڑوں سال زندہ رہتے ہیں۔

پیارے بچو! حسن اخلاق کی وجہ سے اس درخت کو بادشاہت ملی اور آج وہ شاہ بلوط کے نام سے جانا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک شاہ بلوط تقریباً دس ملین (ایک کروڑ) پھل دیتا ہے اور ہر دس ہزار پھلوں میں سے صرف ایک پھل درخت بنتا ہے۔

پھل زمین پر گرتے ہیں لیکن شاہ بلوط کا سایہ اتنا گھنا ہوتا ہے کہ دھوپ نہیں پہنچتی اور پھل کے اندر سے بیج ظاہر نہیں ہوتا۔ جو پودے سایوں میں رہتے ہیں وہ پروان نہیں چڑھتے — موسم کی گرمی اور حالات کی سختی برداشت کر کے پودا درخت بنتا ہے۔ شاہ بلوط کے جن پھلوں کو گلہریاں لے جاتی ہیں لیکن کھاتی نہیں وہ زمین میں فنا ہو کر ظاہر ہوتے ہیں اور موسم کے سرد و گرم برداشت کر کے شاہ بلوط بن جاتے ہیں۔

مبارک مبارک نیا سال آیا
ہزاروں امیدیں نئی ساتھ لایا
خوشی کا سماں ساری دنیا پہ چھایا
ہے بے فکر بے غم ہر اپنا پرایا
پلٹ سی گئی ہے زمانے کی کایا
مگر اے عقل مند ہشیار بچو
ہر اپنے پرائے کے غم خوار بچو
مصیبت میں سب کے مددگار بچو
مجھے یہ بتاؤ سمجھدار بچو
کہ تم کو نئے سال نے کیا سکھایا؟
نیا سال آیا نیا سال آیا
یہ کہتا ہے پچھلے برس کیا کیا ہے؟
مشقت کا کیا کام تم سے ہوا ہے؟
برس دن میں کیا کچھ پڑھا ہے لکھا ہے؟
یوں ہی کھیل میں وقت کتنا گیا ہے؟
کمایا ہے تم نے کہ ہے کچھ گنوایا؟
یہ سوچو کہ اس سال کیا کیا ہے کرنا
ہے کن علم کی گھاٹیوں سے گزرنا؟
مگر ہر دم اس بات پر کان دھرنا
کہ محنت سنورنا ہے، سستی ہے مرنا
نئے سال نے یہ سبق ہے پڑھایا
نیا سال آیا نیا سال آیا

(اختر شیرانی)

عبدالخالق

رات اور دن

قرآن کریم میں لیل سے مراد وہ حواس ہیں جو رات کے وقت مخلوق پر طاری ہوتے ہیں اور نہار سے مراد وہ حواس ہیں جو ہمیں ٹائم اور اسپیس میں قید کر دیتے ہیں۔ تقاضے دونوں میں ایک ہیں، فرق رفتار کا ہے۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات سائنس اور مذہب کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرتی ہیں۔ اشیا کے میکانزم کو جاننے کا عمل سائنس کہلاتا ہے۔ ظاہری اور باطنی تجربات حواس کے تابع ہیں، حواس کی فہم فرد کا شعور ہے اور شعور ـــ روشنی ہے۔

''یہاں لفظ روشنی سے مراد وہ روشنی نہیں ہے جس کو عوام روشنی کا نام دیتے ہیں بلکہ وہ روشنی مراد ہے جو آنکھ کے لئے دیکھنے کا ذریعہ بنتی ہے خواہ وہ اندھیرا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی جان دار اندھیرے میں دیکھنے کا عادی ہے تو اس کے لئے اندھیرا ہی روشنی کا مترادف سمجھا جائے گا۔ کتنے ہی حشرات الارض اور درندے رات کے وقت اندھیرے میں دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔

فرض کیجئے کہ ہم کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں۔ اگر وہ روشنی جو اس چیز اور ہمارے درمیان موجود ہے نکال دی جائے تو وہ چیز ہمارے شعور کی حدوں سے نکل جائے گی۔ اس مثال سے ہم فقط ایک ہی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ یعنی روشنی شعور ہے یا شعور روشنی ہے۔ اگر کسی وجہ سے روشنی کے خدوخال میں تبدیلی واقع ہو جائے تو شعور کے خدوخال میں بھی تبدیلی ہو جائے گی۔

عام حالات میں اس چیز کو جانچنے کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ اگر پانی بھرے ٹب میں ایک پیالہ ڈبو دیا جائے تو اس کی گہرائی، قطر اور وزن میں تغیر ہو جائے گا۔ یہ تغیر یا تو شعور کا تغیر ہے یا روشنی کا۔ دونوں صورتوں میں ہم ایک کلیہ قائم کر سکتے ہیں کہ جو چیز خارج میں روشنی ہے، وہی چیز داخل میں شعور ہے۔ گویا شعور اور روشنی ایک ہی چیز ہے۔ جب وہ انسان کے محسوسات میں واقع ہوئی تو اس کو شعور کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور جب وہ خارج میں آنکھ کے سامنے ہوتی ہے تو اسے روشنی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔'' (کتاب: لوح وقلم)

روشنی کی لاتعداد اقسام ہیں جن کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک مرئی اور دوسری غیر مرئی۔ عموماً روشنی کا موجود ہونا دن اور عدم موجودگی رات کہلاتی ہے لیکن

اس امر پر بھی غور کریں کہ رات میں روشنی کی مقداریں نہ ہوں تو ہم رات میں نہیں دیکھ سکتے۔

رات اور دن (لیل ونہار) کیا ہیں ــــ؟

ان کی تخلیق کا میکانزم کیا ہے ــــ؟

سورج سے روشنی (دھوپ) کا سورس کیا ہے ــــ؟

قدیم زمانے میں لوگ سورج کی پرستش کرتے تھے۔ سورج اور زمین کے متعلق عجیب وغریب نظریات ملتے ہیں۔ شعوری ارتقا سے پرانے نظریات بدلے تو نئے نظریات نے جگہ لے لی۔ جدید تحقیق کی روشنی میں کائنات کو آج ہم جس طرح دیکھتے ہیں، وہ پرانے زمانے یا قرون وسطیٰ کی تحقیق سے بہت مختلف ہے۔ چوں کہ تحقیق وتلاش اور تفکر کا عمل جاری ہے اس لئے آئندہ کائنات کی تصویر اس سے بالکل مختلف ہوگی جس طرح آج ہم اسے دیکھ رہے ہیں۔

اہم نکتہ یہ ہے کہ کائنات تبدیل نہیں ہوتی، جس طرح پہلے دن تھی، آج بھی ہے۔ شعور اپنی فہم کے مطابق کائنات میں خلا کو پُر کر رہا ہے۔ یہ شعور کا دیکھنا ہے۔

سائنس کے مطابق Stars بشمول سورج سے نکلنے والی روشنی کا منبع نیوکلیر فیوژن (Nuclear Fusion) ہے جس کا سبب کشش ثقل ہے۔ یہ سائنسی نظریہ لوگوں کے ذہنوں میں اس حد تک جگہ بنا چکا ہے کہ کوئی اس نظریئے سے باہر دیکھنے کے لئے تیار نہیں۔ اس ضمن میں معقول جواب کے لئے محقق بیرونی سورس آف انرجی کی تلاش میں ہیں۔ وہ تیز رفتاری کے حامل الیکٹران یا کاسمک ریز (cosmic rays) کو الیکٹری سٹی کا سورس ماننے پر مجبور ہیں۔

علمائے باطن فرماتے ہیں کہ سورج میں اپنی روشنی نہیں، زمین کی روشنی سے سورج روشن ہے۔ روشنی سورج پر منعکس ہوتی ہے اور یہ انعکاس پلٹ کر زمین کے لئے دھوپ بن جاتا ہے۔

''قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی۔ اور قسم ہے چاند کی جب سورج کے پیچھے آئے۔ اور قسم ہے دن کی جب ظاہر کرے اس کو۔ اور رات کی جب ڈھانک لے اس کو۔'' (الشّمس: ۱-۴)

آیت پر غور وفکر سے میں اب تک یہ سمجھا ہوں کہ یہاں سورج (شمس) کے ساتھ اس کی دھوپ ''ضحا'' کا ذکر ہے۔ ضحا وہ چمک دار روشنی ہے جس میں حرارت کی مقداریں ٹھنڈک کی نسبت زیادہ ہیں۔ یہ روشنی خارج میں ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہی روشنی باطن میں جب محسوسات میں واقع ہوتی ہے تو شعوری حواس بناتی ہے جس کو دن (النہار) کہتے ہیں۔ انہی حواس کے ذریعے سورج اور اس کی دھوپ (ضحا) ظاہر ہوتی ہے۔ حقیقت میں حواس ایک ہی ہیں، زمین کی محوری گردش سے دن اور رات کا فرق زیر بحث آتا ہے۔

زمین کی محوری حرکت سے دن اور رات بنتے ہیں۔ دن کیا ہے ــــ؟ قرآن میں سورج سے منعکس ہونے

والی روشنی (دھوپ) کو ضحا کہا گیا ہے۔ یہ روشنی مادی حواس تخلیق کرتی ہے تو ''النہار'' کہلاتی ہے۔

زمینی زندگی کا دارو مدار دھوپ اور چاندنی پر ہے۔ سورج کا یہ کردار ہے کہ وہ باطنی توانائی کو آخری اسٹیج یعنی مادی حواس تک لاتا ہے نتیجے میں مخلوقات تقاضوں میں مخفی مفہوم کو سمجھتی ہیں۔اس کے برعکس لاشعوری روشنی لطیف ہے کہ ظاہری آنکھ نہیں دیکھتی۔ جب آنکھوں کے سامنے خلا نظر آتا ہے تو اس خلا کو ہم کبھی خالی جگہ اور کبھی اندھیرا کہتے ہیں۔ اندھیرے سے مراد روشنی کا نہ ہونا ہے جب کہ خلا خالی جگہ نہیں، اور رات اندھیرا نہیں ہے!

سورج کی روشنی (دھوپ) سات رنگوں کا مجموعہ ہے۔محوری وطولانی حرکت سے رنگ تخلیق ہوتے ہیں اور رنگوں سے مادی حواس بنتے ہیں۔غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ لیل ونہار ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ زمین کی محوری گردش کی وجہ سے ہم پر کبھی نہار کے حواس (دن) کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی لیل کے حواس (رات) غالب آجاتے ہیں۔اللہ کریم نے لیل ونہار میں غور وفکر کی دعوت دی ہے اور فرمایا ہے کہ اس میں صاحب عقل وفہم کے لئے نشانیاں ہیں۔

''دن اور رات کے ادل بدل میں نشانیاں ہیں اولی الالباب کے لئے۔'' (ال عمران: ۱۹۰)

اگر ہم لیل کو غروب آفتاب کے بعد چھانے والی روشنی اور نہار کو طلوع آفتاب کے بعد کی روشنی سمجھیں تو پھر ان کا انسان کے لئے مسخر ہونا کیا ہے؟ کیوں کہ لیل ونہار سے تو ساری مخلوق استفادہ کرتی ہے۔

''اور مسخر ہیں تمہارے لئے لیل ونہار۔'' (النحل:۱۲)

دشواری اس وقت دور ہوتی ہے جب ہم یہ تسلیم کرلیں کہ رات اور دن حواس ہیں۔قرآن کریم میں لیل سے مراد وہ حواس ہیں جو رات کے وقت مخلوق پر طاری ہوتے ہیں اور نہار سے مراد وہ حواس ہیں جو ہمیں ٹائم اور اسپیس میں قید کردیتے ہیں۔تقاضے دونوں میں ایک ہیں، فرق رفتار کا ہے۔رفتار میں تغیر کی وجہ لیل ونہار کی روشنی ہے جس کی مقداریں دن کے وقت الگ اور رات میں الگ ہیں۔رات کے حواس کی ایک مثال خواب اور دوسری خیال ہے۔خواب کی طرح خیال میں رفتار تیز ہے مگر شعور ان حواس میں تیز رفتاری کے سبب ملنے والی اطلاعات سے استفادہ کرنے میں کم زور ہے۔شعوری کم زوری دور کرلی جائے تو بندے کے لئے دن رات بن جاتی ہے۔اگر فرد واقف نہ ہو تو اس کے لئے رات بھی دن کے برابر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات انسان کے لئے مسخر کی ہے۔ لفظ ''مسخر'' اشارہ ہے کہ انسان کو حواس کی رفتار کم یا زیادہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔کائنات کی تسخیر اور عرفان الٰہی کا حصول لیل کے حواس سے ممکن ہے اس لئے جب انسان رفتار میں تصرف کرنا سیکھتا ہے تو وہ جب چاہے مکانی فاصلوں کی نفی کرسکتا ہے۔

سورج سے انعکاس کے سات رنگ منشور کے ذریعے دیکھے جا سکتے ہیں، ان رنگوں کے اثرات سب پر مرتب ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان اثرات پر تحقیق کے لئے فرانس کا ایک باشندہ کئی دنوں تک کوئلے کی کان میں مقیم رہا تا کہ دیکھ سکے کہ دھوپ کی عدم موجودگی میں جسم میں کیا تبدیلیاں ہوتی ہیں۔

تجربے نے اسے مشکلات میں مبتلا کر دیا کیوں کہ جب وہ کان سے باہر آیا تو کئی دن تک دھوپ سے دور ہونے کے باعث اس کے بال جھڑ گئے تھے، یادداشت کم زور ہوئی، بے چینی اور گھبراہٹ نے آگھیرا اور وہ ڈپریشن میں مبتلا ہو گیا۔ کان میں جانے سے قبل اسے موسیقی میں دلچسپی تھی۔ باہر آنے کے بعد موسیقی میں دلچسپی ختم ہوگئی۔ محسوس کیا کہ جذبات ماند پڑ گئے ہیں اور جینے کی امنگ پہلے جیسی نہیں۔

وجہ کیا ہے ــــ؟ اس دوران وہ صرف سورج سے نہیں، چاند سے بھی دور رہا ــــ یعنی حرارت سے دور ہو گیا۔ حرارت حدت اور ٹھنڈک دونوں پر مشتمل ہے۔

تجربہ ثابت کرتا ہے کہ حواس کی کارکردگی میں ٹھنڈک اور حدت کا عمل دخل ہے اور یہ دونوں روشنی کے سبب ہیں۔ جسم کو ملنے والی روشنی میں توازن رہے تو ہمارے احساسات میں اعتدال ہوتا ہے۔ روشنی کی مقدار میں کمی بیشی کر دی جائے تو جسمانی افعال متاثر ہوتے ہیں۔

سورج کو روشنی زمین سے ملتی ہے، زمین کی روشنی کا سورس کیا ہے ــــ؟ زمین ایک سیارہ ہے اور یہ سیارہ

> ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں:
>
> اک آتشِ سوزاں ہے جہاں دیکھو گے
> جلتے ہوئے دن رات وہاں دیکھو گے
> آتش نے جلے داغ، جو چھوڑے ہیں کہیں
> ان داغوں میں تم کون و مکاں دیکھو گے

اس مقام پر سے روشن ہے جہاں اس کا ریکارڈ ہے۔

خالق کائنات فرماتے ہیں،

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔'' (النور:۳۵)

ابدالِ حق کی تعلیمات نے اس قانون کی تشریح فرمائی ہے کہ نور ''امرالٰہی'' ہے۔

امرالٰہی ــــ اللہ کا ارادہ!

ارادہ جب تقاضا بنتا ہے تو فرد کے اندر مختلف درجات سے گزر کر ذہن کی اسکرین پر روشن ہوتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ہونٹ خشک ہو رہے ہیں، پیاس لگی ہے، معدہ خالی ہے، بھوک لگی ہے، اس وقت روشنی اور اس وقت روشن اندھیرا ہے۔ رحمٰن و رحیم اللہ کے نظام کائنات میں حرارت و برودت (ٹھنڈک) کا بنیادی کردار ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ چاند اور سورج روشنی کا سورس نہیں، اسکرینیں ہیں۔ ان پر روشنی منعکس ہوتی ہے اور پھر مخلوقات تک پہنچتی ہے۔ سورج اور چاند کی پلیٹ میں ایسی مقداریں رکھی گئی ہیں جس کا تعلق اجسام کی بناوٹ کو قائم رکھنے سے ہے۔ یہی نظام دن اور رات کا ہے۔

خواب تعبیر اور مشورہ

آسمان پر اللہ لکھا ہوا ہے

ـــــ سندھ۔ خواب میں دیکھا کہ سیاہ آسمان پر سفید روشنی سے اللہ لکھا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ عربی میں کچھ اور بھی لکھا تھا مگر وہ تحریر واضح نہیں تھی۔ پھر آسمان کے دوسری طرف نظر گئی تو وہاں بھی اللہ لکھا ہوا دیکھا۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ خواب میں ذہنی یکسوئی کی نشان دہی ہے۔ تصوف میں مراقبہ ـــــ مراقبہ کے معنی ذہنی یکسوئی ہے۔ قرآن کریم کی آیات کا ترجمہ پڑھئے اور تفکر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کیا فرما رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''ہم نے اس قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا، ہے کوئی سمجھنے والا؟'' (القمر: ۱۷)

دائرے میں دائرے

فرزانہ جاوید، کراچی۔ آسمان کا رنگ ہلکا ہے اور شیشے کی طرح چمک رہا ہے۔ ایک بڑا دائرہ نظر آیا، اس دائرے میں مزید دائرے ہیں اور ایک طرف ''علی'' لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ دائرے میں ہے وہ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے ایک سہیلی کو دکھایا اور کہا کہ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ پھر میں کسی کام میں مصروف ہوگئی۔ کچھ دیر بعد خیال آیا کہ دوبارہ دیکھوں تو دائرہ اس وقت بھی موجود تھا۔ مجھے خوشی کے ساتھ حیرت ہوئی کہ اللہ کی نشانیاں آج بھی نظر آ رہی ہیں۔

تعبیر: خواب مبارک ہے۔ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ ''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔'' آپ نے جو کچھ دیکھا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو روحانی علوم کی سمجھ اور کام یابی عطا فرمائے۔ کوشش جاری رکھئے، انشاء اللہ کام یابی روشن ہے۔

منتر لکھا ہے

حنا پرویز، سیالکوٹ۔ کسی کے داخلے کے لئے مختلف جگہوں پر کوشش کر رہی ہوں لیکن کام یابی نہیں ہوتی۔ پھر عجیب سی یونی ورسٹی میں جاتی ہوں، میرے ساتھ دو افراد ہیں، وہاں ایک لڑکی سے بات کرتی ہوں کہ داخلہ کروانا ہے۔ وہ کہتی ہے آپ کو دیر ہوگئی لیکن پھر بھی سوچا جا سکتا ہے۔ میں سوچتی ہوں انہیں کہوں کہ پیسے لے کر داخلہ دے دیں پھر پتہ چلتا ہے کہ یہ جادوگروں کی جگہ ہے۔ کون سا کورس لیا جائے، اس بارے میں وہ کہتی ہے سب کورس اسی طرح ہیں آپ ان کی تصویر

کھینچ لیں۔ وہ کورس اس کی کمر پر لکھے ہوئے ہیں۔ تصویر کھینچنے لگتی ہوں تو اس کی کمر پر چار قسم کی دالیں نظر آتی ہیں جو پیکٹ میں بند ہیں، ایک باریک، دوسری مونگ کی دال اور بقیہ دو یاد نہیں۔ ہر پیکٹ کے ساتھ منتر لکھا ہوا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ یہ جگہ صحیح نہیں اور سوچ رہی ہوں کہ کیسے باہر نکلا جائے۔

منظر تبدیل ہوا اور آلودہ پانی کا تالاب نظر آیا جس میں سانپ اور مختلف رینگنے والے بہت بڑے بڑے کیڑے ہیں۔ جب ہم باہر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو متعدد لوگ رکاوٹ ڈالتے ہیں اور ہمیں جانے نہیں دیتے مگر ہم کسی نہ کسی طرح گھر پہنچ گئے۔ یہ گاؤں والا گھر تھا۔ صحن میں تیز بارش ہو رہی تھی، سوچتی ہوں کہ بارش تیز ہے مگر میرے اوپر نہیں ہو رہی۔ اوپر دیکھا تو میں درخت کے نیچے کھڑی تھی جس کی وجہ سے بھیگنے سے محفوظ رہی۔ کوئی لڑکی صحن میں چارپائی پر سو رہی ہے اور بارش میں بھیگ چکی ہے۔ چاچو اسے اٹھاتے ہیں مگر وہ نہیں اٹھتی پھر وہ اس پر چادر پھینکتے ہیں کہ یہ جاگ جائے۔ وہ جاگتی ہے جیسے نیم مدہوش ہو۔

تعبیر: منفی خیالات کی ہر وقت گردش رہتی ہے۔ جادو ٹونا کوئی کھیل نہیں ہے۔ یہ ایک علم ہے جس کو استدراج کہتے ہیں۔ اس علم کو سمجھنے کے قواعد وضوابط میں بندے کو غلاظت اور دوسروں کو نقصان پہنچانے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ رسالوں میں آپ نے جادوئی کہانیاں پڑھی ہیں ان کے نقوش ذہن پر نقش ہو گئے ہیں۔ وہ نقوش اس وقت حرکت کرتے ہیں جب سوچ میں منفی رجحانات کا اضافہ ہوتا ہے، وسوسوں کی یلغار ہوتی ہے، شک پھیل جاتا ہے اور یقین بے یقینی میں تبدیل ہونے لگتا ہے۔ اثرات یہ مرتب ہوتے ہیں کہ دماغ میں وسوسوں، شکوک وشبہات اور غیر یقینی باتوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ جن صاحبہ نے یہ خواب دیکھا ہے، وہ ان کیفیات سے گزری ہیں یا کبھی گزرتی ہیں۔

اس کا علاج کتاب ''روحانی علاج'' میں لکھا ہوا ہے۔ صاف ستھرا رہنا ضروری ہے۔ روزانہ غسل کیجئے۔ پانچ وقت نماز کی پابندی کیجئے اور گھر کے کھانوں کے علاوہ باہر کے کھانے نہ کھائیے۔ نمک تین چوتھائی کم کر دیں اگر لو بلڈ پریشر نہ ہو۔

دربدر کی ٹھوکریں

نام و پتہ شائع نہ کریں۔ خواب میں دیکھا کہ (خدانخواستہ) والدہ انتقال کر گئی ہیں اور میں بے سہارا ہونے پر روتے ہوئے ادھر ادھر آ جا رہا ہوں۔ پھر انہیں زندہ ہوتے اور دنیا سے دوبارہ روانہ ہوتے دیکھا جس کے بعد میں دربدر کی ٹھوکریں کھانے لگا۔

یہ خواب تقریباً تہجد کے وقت دیکھا تھا۔

تعبیر: امید کی روشنی مستقبل قریب میں کچھ عرصہ مدہم رہنے کے بعد انشاءاللہ کامیابی ہو جائے گی۔

تجزیہ: بیان کئے گئے حالات اور وہ واقعات جو

خواب میں دیکھے گئے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ عرصہ دراز سے آپ پریشان ہیں۔ کئی کام آپ نے شروع کئے جن کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا کیوں کہ وہ سب ادھورے رہ گئے۔ آپ کی پریشانیوں کا راحت میں بدلنا اب دور نہیں، والدہ کا انتقال اور دوبارہ زندہ ہونا یہی ظاہر کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

طبیعت میں استقلال نہ ہونا بھی خواب سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کام شروع کرتے ہیں اور ایسے وقت میں چھوڑ دیتے ہیں جب نتیجہ چند قدم رہ جاتا ہے۔ دلجمعی کے ساتھ محنت کرتے رہیں اور گھبرانے کی وجہ سے کاموں کو ترک نہ کریں۔ انشاء اللہ حالات بہتر ہوں گے۔

سانپ کا حملہ

تبسم۔ اکثر پرواز کے خواب آتے ہیں کہ خلا میں اڑ رہا ہوں اور مختلف مقامات کی سیر سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ تمام خوابوں میں پرواز مشینوں کی مدد کے بغیر ہوتی ہے۔ ایک دفعہ اپنے اوپر حملہ ہوتے دیکھا۔ گلی میں سے گزر رہا تھا کہ بائیں جانب سے گہرے رنگ کا سانپ مکان کی دیوار سے غصے میں بپھرا ہوا مجھ پر حملہ آور ہوا۔ میں اس سے بچ کر خلا میں اڑ گیا لیکن اس نے پیچھا نہیں چھوڑا اور مختلف طریقوں سے حملے کئے جو اللہ کے کرم سے خالی گئے۔

اڑتے ہوئے میری نظر زمین پر ایک عمارت کی طرف گئی۔ وہ کسی اللہ والے بندے کا مزار تھا۔ سانپ سے بچنے کے لئے جلدی سے نیچے اتر کر مزار کے عقب میں چھپ گیا لیکن سانپ کو پتہ چل گیا۔ قریب پتھر موجود تھا جس سے میں نے اس کا سر کچل دیا اور میری آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: صاحبِ خواب کی کوشش ہوتی ہے کہ محنت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے جلد سے جلد کام پورا کرلوں۔ وجہ طبیعت میں جلد بازی کا ہونا ہے۔ کسی بھی عمل کے لئے ایک وقفہ ہوتا ہے۔ اس وقفے کو پوری کاوش سے کام میں لگانا ضروری ہے۔ اس وجہ سے آپ کا طریقِ کار غلط ہے۔ آدمی جہد مسلسل کرکے آہستہ آہستہ اطمینان سے منزل پالیتا ہے۔ اس کے برعکس عمل کیا جائے تو کام ادھورا رہنے سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوتے۔ رویئے میں تبدیلی کے بعد ایسے خواب نظر نہیں آئیں گے اور الجھن سے نجات مل جائے گی۔

تجزیہ: لاشعور خواب میں بار بار تنبیہ کر رہا ہے کہ آپ جلد بازی کے عادی ہوگئے ہیں اور یہ آپ کے لئے بہتر نہیں ہے۔ جلد بازی سانپ کی صورت میں آپ کو نظر آئی۔ سانپ کے حملوں کا مطلب ہے کہ جلد بازی آپ کو کئی بار نقصان پہنچا چکی ہے۔

اڑتے ہوئے خوش ہونا اور مزار دیکھنا ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا خاندان اولیاء اللہ کا عقیدت مند ہے۔ کسی بزرگ کا تصرف آپ کے شامل حال ہے اس لئے آپ

نے سانپ کو مار دیا۔

درود شریف کی فضیلت

محمد عاشق، کاکوٹ۔ فضا میں روشنیوں کا ہجوم ہے اور روشنیاں میرے اندر جذب ہو رہی ہیں۔

تعبیر: آپ کو بہت مبارک ہو۔ درود شریف کی فضیلت و برکت سے نوازا گیا ہے۔ درود شریف کا ورد جاری رکھئے۔

لفافہ رہ گیا

خان بہادر، اسلام آباد۔ دوست کے گھر گیا تو اس کی بہن نے بتایا کہ بھائی موجود نہیں ہے۔ وہ مجھے بھائی سے ملوانے کا کہہ کر ایک نئے مکان میں لے گئی جہاں پر میرے ایک افسر موجود تھے۔ ان صاحب نے مجھ سے مہمانوں جیسا برتاؤ کیا۔ ہماری باتوں کے دوران افسر کی بیگم آئیں مگر شوہر کے اشارے پر چلی گئیں۔

ضروری کاغذات کا لفافہ وہیں بھول کر میں واپس آ گیا۔ یاد آنے پر دوبارہ افسر صاحب کے گھر گیا تو وہ کہنے لگے، کسی اور وقت آ کر لے جانا۔ ان کو تفصیل بتاتے ہوئے میں نے کہا کہ جس طرح خواب میں جسم بستر پر ہوتا ہے اور بندہ کسی اور جگہ چلا جاتا ہے اسی طرح میں اس وقت اپنے گھر میں سویا ہوا ہوں اور خواب میں متحرک رہنے والا میرا جسم یہاں پر ہے۔

خیال آیا کہ یہ مکان افسر صاحب کا نہیں ہے ان کی رہائش کہیں اور تھی۔ یہ سوچ کر میں نے ان سے مکان کی تبدیلی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ مکان تبدیل کر چکے ہیں۔

گزارش ہے کہ خواب کی تعبیر کے ساتھ اس امر پر بھی روشنی ڈالئے کہ مجھے یہ کیسے علم ہوا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ جب ہم سو کر اٹھتے ہیں تو یاد رہنے والے خواب میں یہ یاد ہوتا ہے کہ ہم کہیں گئے، کچھ کیا وغیرہ لیکن خواب کے دوران اس بات کا ادراک ہونا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں انوکھی بات ہے جو پہلے پڑھی اور نہ سنی۔

جواب: میرے محترم! جواب اختصار کے ساتھ موجود ہے کیوں کہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

ہمیں پہلے یہ غور کرنا ہے کہ انسان فطرت سے کس طرح وابستہ ہے۔ وہ جن چیزوں کو دیکھتا، سنتا، چھوتا اور چکھتا ہے ان کے طور طریقے انسان کے نہیں فطرت کے ہاتھ میں ہیں۔ فطرت کی تعریف میں مختصراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ اندرون کائنات ایک عمل جاری و ساری ہے جس کا نام فطرت ہے۔ اس عمل کی حدود میں وصول گاہیں پائی جاتی ہیں۔ یہ وصول گاہیں فطرت کی نشریات کو، جو ہمہ وقت موصول ہوتی ہیں نوٹ کرتی رہتی ہیں۔ وصول کرنے کی قدریں، وصول گاہوں کی شعوری حدود سے ایک تناسب رکھتی ہیں۔

لوح محفوظ کا قانون یہ ہے کہ وصول گاہوں کا زون جتنا اپنی ذات کے لئے ہوتا ہے، اتنا ہی اپنی ذات کو ترجیح دیتا ہے اور ذات کی حدود میں دور کرتا رہتا ہے۔

اگر یہ زون وقتی طور پر بیرون ذات کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے تو ایسی نشریات بھی وصول کر لیتا ہے جو ذات کے شعور کے دائرے سے باہر ہوتی ہیں اور ان نشریات کو نوٹ کرنے کے بعد خواب میں بیان کر دیتا ہے۔ شعور ان نشریات کا زمان و مکان معین نہیں کر سکتا۔ وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ یہ واقعہ ماضی کا ہے یا مستقبل کا، اور کیا پیش آیا ہے یا آئندہ کیا پیش آئے گا۔

شعور چوں کہ زمان و مکان معین نہیں کر سکتا اس لئے بیداری کے واقعات سے ان کا ربط ملانے سے قاصر رہتا ہے اور جیسے ہی قاصر ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے، شعور کہنے لگتا ہے کہ یہ خواب تھا۔ بالکل اسی طرح خواب کی حالت میں جب یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے تو فوراً ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ میں خواب کی حالت میں ہوں اور خواب در خواب دیکھ رہا ہوں۔ خواب در خواب کی صورت حال صرف آپ ہی کے ساتھ پیش نہیں آئی، مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

تعبیر: آپ کے خواب کی تعبیر یہ ہے۔

یہ خواب ترقی سے متعلق تمثلات پر مشتمل ہے یعنی جن صاحب نے خواب دیکھا ہے وہ اس بات سے پُر امید ہیں کہ کوئی سفارش موجود ہے جب کہ طبیعت کو اطمینان حاصل نہیں کیوں کہ مستحق کوئی اور شخص ہے جو سینئر ہونے کی بنا پر رکاوٹ ہے۔ جن صاحب کے

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:..... والدہ صاحبہ کا نام: .....

پورا پتہ:.....

ازدواجی حیثیت:.....وزن (تقریباً): .....آنکھوں کا رنگ.....

نیند کیسی آتی ہے:.....بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):..... تاریخ پیدائش:.....

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.....فون نمبر.....

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : .....

.....

ہاتھ میں ترقی دینا ہے وہ ان باتوں سے فی الحال بے خبر ہیں کیوں کہ ترقی دینا یا نہ دینا، سنیارٹی، سفارش، ترقی، اور اس جیسی دوسری باتیں ابھی ان کے سامنے موجود نہیں۔ ان صاحب کو صرف اس بات کا احساس ہے کہ محکمہ جاتی حساب سے ایک آدمی کو ترقی دی جانی ہے جس کی تفصیلات پر ابھی کام نہیں ہوا۔

خواب میں اس بات کا احساس ہونا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں یہ تمثل ہے کہ ارادے میں ابھی یہ معاملات زیر بحث نہیں آئے ہیں کہ ترقی کب دی جائے۔

امید لگائی ہوئی شخصیت کا اس معاملے سے رابطہ نہ ہونے کو ان کے ذہن نے محسوس کرلیا جس کی وجہ سے خواب درخواب ہوگیا۔ دوست کو ڈھونڈنا، اس کی بہن کا راہ نمائی کرنا اور نیا مکان یہ سب شبیہیں ہیں اس امید کی جو ترقی سے متعلق ہیں۔ افسر کا یہ کہنا کہ لفافہ کسی اور وقت لے جانا نشان دہی ہے کہ ترقی کے معاملے میں ابھی تک صرف امیدیں ہی ہیں۔

نئی آنکھیں

ج۔و، کراچی۔ دیکھا کہ کسی نے میری آنکھیں نکال لی ہیں اور ان کی جگہ نئی آنکھیں لگائی ہیں۔

تعبیر: آنکھوں کی تبدیلی طرز فکر میں تبدیلی کی جانب اشارہ ہے۔ خواب مبارک ہے۔

رنگین خواب کیوں نظر آتے ہیں

آدمی کی تمام خواہشات نہ کبھی پوری ہوئی ہیں نہ ہوسکتی ہیں۔ خواہشات کا تسلسل ہی زندگی ہے۔ آدمی کو زندگی میں قدم قدم آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ جس قدم پر خواہش پیدا ہوتی ہے اگر وہ پوری نہ ہو تو بھی اس کو اگلا قدم اٹھانا پڑتا ہے کیوں کہ زندگی ٹھہر کر انتظار نہیں کرسکتی۔ کسی محرومی یا ناکامی کا افسوس لاحاصل اور خلاف عقل ہے۔ محروم تمناؤں، ناکام خواہشات اور اس قسم کے تصورات سے گزر جانا چاہئے اس طرح کہ طبیعت ان کا اثر قبول نہ کرے۔ جب تحت الشعور میں کوئی غیر معمولی امید مستحکم ہو جاتی ہے مثلاً ایسی امید جو کوشش یا جدوجہد کے بغیر غیب سے بطور عطیہ کے پوری ہو جائے یا اس قسم کے حالات میں ذہن مرکوز ہو جائے کہ کوشش اور کام سے طبیعت اچاٹ ہو چکی ہو لیکن دل میں امیدیں زیادہ قائم ہو چکی ہوں، سستی اور کاہلی کے باوجود امیدوں سے دستبردار ہونا طبیعت قبول نہ کرے تو خواب میں ہر چیز یا تو نیلی نظر آتی ہے یا اس کی گہرائی میں نیلا پن ہوتا ہے۔

تین مسافر

دو مسافر سڑک پر چل رہے تھے۔ ایک چھوٹا اور دوسرا بڑے قد کا تھا۔ بظاہر دونوں کی رفتار ایک تھی لیکن چھوٹے قد کے آدمی کا قدم چھوٹا جب کہ بڑے قد کے آدمی کے قدم سے زیادہ فاصلہ طے ہوتا تھا۔ راستہ باتوں میں گزر گیا۔ سڑک پر تیسرا آدمی نظر آیا— وہ اکیلا تھا۔ ان کے ساتھ شریک ہو گیا۔ اب دو سے تین مسافر ہو گئے۔

تیسرا مسافر بھی طویل القامت تھا۔ چلتے چلتے سڑک پیچھے رہ گئی اور آنکھوں کے سامنے کی سڑک پھیلتی گئی۔ جیسے جیسے اسپیس (سڑک) پیروں کے نیچے سے نکل رہی تھی، اسی مناسبت سے گھڑی کی سوئی بھی گردش کر رہی تھی۔

ایک نے گھڑی دیکھ کر کہا، ہمیں بیس منٹ ہو گئے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ قدموں کے نیچے سے سرکنے والی سڑک جب گزوں یا فرلانگ میں پیروں کے نیچے سے نکل گئی تو بیس منٹ کا وقت گزر گیا۔

دوسرے مسافر نے سوال کیا، ہم آگے بڑھ رہے ہیں، سڑک پیچھے جا رہی ہے۔ کیا سڑک ہمیں آگے دھکیل رہی ہے؟

پہلا مسافر بولا، اگر ایسا ہے تو ہمیں چلتے ہوئے 20 منٹ گزر گئے ہیں۔ 20 منٹ کا وقت کیا ہے؟

تیسرے آدمی نے رائے دی، میں یہ سمجھا ہوں کہ ہمارا ایک قدم اٹھتا ہے تو دوسرا سڑک پر ہوتا ہے۔ قدم اٹھنے کے درمیان جو کچھ ہے وہ اسپیس ہے— اور قدموں کے درمیان سیکنڈ کا fraction بھی گزرا ہو تو وہ وقت ہے۔

مسافر چلتے چلتے رک گئے اور کنارے پر گھنے سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ کچھ توقف کے بعد ایک نے کہا، ہماری نشست قدرتی طور پر مثلث جیسی ہے۔ کیا مثلث بننا اتفاق ہے یا اس کے پیچھے حکمت ہے؟

کوتاہ قد آدمی حیرت سے بولا، اوپر دیکھو! درخت گول ہے۔ لگتا ہے کہ مثلث، گول دائرہ یا چھتری کے نیچے ہے۔ عجیب بات ہے کہ چھتری بھی زمین کے اوپر قائم ہے اور ہم تینوں بھی زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب ہم چل رہے تھے تو زمین پیچھے ہٹ رہی تھی۔ اب ہم بیٹھے ہیں زمین اپنی جگہ پر ٹھہری ہوئی نظر آتی ہے۔ درخت کی گولائی (چھتری) اور ہمارا مثلث میں بیٹھنا کوئی ہم معنی بات ہے؟

تیسرے آدمی نے کہا، دوستو! درخت کی گولائی تنے پر اور درخت کا تنا زمین پر قائم ہے۔ کیا زمین، درخت کے تنے، پتّوں اور شاخوں سے بنی ہوئی گول چھتری میں کوئی پیغام ہے؟

مسافر گتھی سلجھانے میں منہمک ہو گئے اور وقت کا احساس نہیں رہا ــــ ایک گھنٹے سے زیادہ گزر چکا تھا۔

تین میں سے ایک بولا کہ جب ہم چل رہے تھے، 20 منٹ کا وقت گزرا۔ اب بیٹھے ہوئے ہیں تو ایک گھنٹے سے زیادہ وقت گزر گیا؟ کیا وقت ہمارے چلنے کے بغیر بھی گزرتا ہے؟ تیسرا بولا، سوچنے کی بات یہ ہے کہ وقت چلنے اور بیٹھنے دونوں حالت میں گزرا۔ یعنی وقت کی حیثیت ثانوی ہے اور space کو اولیت ہے۔

گمبھیر اور مشکل تجزیہ سن کر مسافر حیران رہ گئے کہ space جب ہو گی تو حرکت ہو نہ ہو، وقت گزرے گا۔ space نہیں ہو گی تو وقت ــــ؟

ایک نے کہا، ہر مخلوق ایک اسپیس ہے۔ سب کی پیدائش اسپیس میں ہوئی۔ کیا رحم مادر اسپیس نہیں ہے؟ زمین کی اسپیس کے بغیر بچہ جوان اور جوان بوڑھا نہیں ہوتا۔ اب ٹائم اور اسپیس کا سراغ کیسے ملے ــــ؟

پہلے مسافر نے کہا، آدم وحوا سے نافرمانی سرزد ہوئی تو ان کے سراپے کی space تبدیل ہو گئی۔ وہ اعلیٰ سے ادنیٰ اسپیس میں آ گئے۔ آسمانی کتابوں نے آدم وحوا کا تعارف کرایا ہے اس لئے سراغ آسمانی کتابوں سے ملے گا۔

آسمان کی وسعتوں میں گم تیسرا مسافر بولا، دن، روشنی اور یوم ــــ space ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا ایک دن پچاس ہزار برس کا ہے۔ میرا ایک دن دس ہزار سال کا ہے۔ اور میرا ایک دن ایک ہزار سال کا ہے۔ یعنی دن کے چھوٹے بڑے ہونے کا تعلق پھیلنے یا سمٹنے سے ہے۔ اسپیس کا پھیلاؤ یا سمٹنا وقت کی نشان دہی ہے۔

ایک صاحب بولے، میرے ذہن میں مثال ہے۔ اخبار پڑھتے وقت ہم آنکھوں کی اسپیس استعمال کرتے ہیں اور اخبار کو آواز (اسپیس) سے پڑھتے ہیں۔ پڑھنے کے لئے مناسب فاصلہ درکار ہے ورنہ حروف نظر نہیں آتے۔ ثابت ہوا کہ ہر شے کا وجود، وجود میں ڈائی مینشن اور ڈائی مینشن کا قیام اسپیس پر ہے۔ کیا ہم تین مسافر اسپیس نہیں ہیں ــــ؟ مسافروں نے اتفاق کیا اور پوچھا، آخر اس سارے تفکر کا نتیجہ کیا ہے ــــ؟

تیسرے مسافر نے کہا، زندگی ٹائم اور اسپیس پر قائم ہے۔ اسپیس کا تعارف وقت سے اور وقت کا تعارف اسپیس سے ہے۔ اسپیس ہر مخلوق کی پہچان ہے۔ پہچان کے مراحل سے پہلے اسپیس موجود لیکن مغلوب تھی۔ اگر ہم ذہن کو اللہ کے تابع کر کے اپنی اسپیس کو مغلوب کر لیں تو اس مقام سے واقف ہو سکتے ہیں جہاں ہم یہاں آنے سے پہلے تھے۔

یہ سن کر مسافر گہری سوچ میں گم ہو گئے.....

Arabic

ثلاثة مسافرين

كان هنالك مسافران إثنان يمشيان على طريق، كان الأول قصير القامة والآخر طويل.

في الظاهر كانت سرعتهما متساوية، لكن خطوات القصير متقاربة وخطوات الطويل متباعدة. وقضى الاثنان الطريق في التحاور.

وعلى الطريق شاهدا شخصًا ثالثا، والذي بدوره انضم لهما، فأصبح المسافرون الإثنان حينها ثلاثة. وكان المسافر الثالث طويل القامة أيضًا.

وهم يسيرون مضى الطريق خلفهم وراح يتسع من أمام أعينهم. وكلما مرّ المكان(الطريق) من تحت أقدامهم دار عقرب الساعة بنفس التناسب.

نظر أحدهم للساعة وقال: مضت علينا عشرون دقيقة. ويعني ذلك أن الطريق الذي مرّ من تحت الأقدام والمسافة التي ازحيت بالأمتار أو بالفراسخ من تحت الأرجل هي العشرون دقيقة التي انقضت.

سأل المسافر الثاني: عندما نمضي قدمًا هل يدفعنا الطريق للأمام؟

فردّ الأول: إذا كان الحال كذلك فقد مرت علينا عشرون دقيقة، ما هو وقت العشرين دقيقة؟

فعبّر الشخص الثالث عن رأيه قائلًا: بحسب فهمي اعتقد أننا حين نخطو خطوة واحدة فإننا نرفع قدم في حين تكون الأخرى على الأرض، والمسافة التي بين الأقدام أيًا كانت هي المكان. وأجزاء الثواني التي انقضت بين الأقدام هي الزمان.

توقف المسافرون ليستظلوا تحت شجرة وارفة الظلال، وبعد حين من التوقف قال أحدهم: إننا نجلس وفقًا للقدرة على شكل مثلث، فهل المثلث الذي تشكل صدفة أم أن هنالك حكمة وراء ذلك؟

فنطق القصير في حيرة: انظروا للأعلى، الشجرة دائرية، يبدو المثلث تحت مظلة دائرية. والغريب أن المظلة قائمة على الأرض ونحن الثلاثة نجلس على الأرض، وعندما كنا نسير كانت الأرض تنزاح للوراء وتبدو الآن ونحن جالسون جامدة مكانها. فهل هنالك معنى خلف كون الشجرة دائرية كالمظلة وجلستنا كالمثلث؟

فقال الثالث: يا رفاق. إن دائرية الشجرة قائمة على الجذع والذي بدوره قائم على الأرض. فهل هنالك رسالة في الأرض وجذع الشجرة والأوراق والفروع التي تشكل مظلة دائرية؟

انهمك المسافرون في حل هذا اللغز وما عادوا يشعرون بالوقت حتى انقضت عليهم أكثر من ساعة وقال أحد الثلاثة: حينما كنا نسير مرّت عشرون دقيقة ومرّت أكثر من ساعة ونحن جالسين ، فهل يمر الوقت بدون أن نسير؟

فردّ الثالث:إن مما يستعدي التفكير أن الوقت يمرّ في حالة السير أو الجلوس كليهما، أي أن الوقت وضعيتة ثانوية في حين أن الأولوية هي للمكان.

فاحتار المسافرون بعد سماعهم التحليل الصعب والتفسير المحيّر فطالما وجد المكان مرّ الوقت بغض النظر عن وجود الحركة أم غيابها. فماذا عن الوقت حين يغيب المكان؟

قال أحدهم: كل مخلوق هو مكان، ويولد الجميع في المكان. أوليس رحم الأم بمكان؟ وبدون مكان الأرض لا يغدو الطفل شابًا ولا يصبح الشاب كهلًا. فكيف لنا أن نعثر على سر المكان والزمان؟

فقال المسافر الأول: حين عصى آدم وحواء تغير مكانهم من الرأس حتى أخمص القدمين، وهبطوا من مكان الأعلى إلى الأدنى. ولكون الكتب السماوية عرّفت آدم وحواء لذا فإننا سنعثر على السر في الكتب السماوية.

قال المسافر التائه في اتساع السماء: إن الضوء واليوم هما المكان فيوم عند الله عز وجل وفق قوله ألف سنة أو خمسين ألف سنة مما تعدون. أي أن قصر اليوم أو طوله يتعلق بالانتشار والانكماش، وسواء انكمش المكان أو انتشر دلّ ذلك على الوقت.

ثم قال أحدهم: لديّ مثال، عندما نقرأ الصحيفة فإننا نستخدم المكان ونقرأ الأخبار بالصوت (المكان)، ولنقرأ هنالك مسافة معينة وإلا لن نتمكن من رؤية الحروف.

ولقد ثبت أن وجود كل شيء ووجود الأبعاد قائم على المكان. أولسنا نحن المسافرون الثلاثة مكان؟

فاتفق المسافرون وتساءلوا عن نتيجة هذا التفكر كله؟

فقال المسافر الثالث: إن الحياة قائمة على الزمان والمكان، ويعرف المكان بالوقت ويعرف الوقت بالمكان، والمكان هو هوية كل مخلوق، وقبل مراحل التعارف كان المكان موجودًا لكن كان مغلوب. وإذا جعلنا ذهننا تابع لله سبحانه وتعالى وغلبنا مكاننا فسنعرف المقام الذي كنا فيه قبل أن نأتي هنا.

وبسماع هذا تاه المسافرون الثلاثة في تفكير عميق.....

Persian

سه مسافر

دو مسافر بر یک جاده میرفتند یکی قد کوتاه و دیگر قد بلند داشت.بظاهر رفتار هردو همان بود لیکن قدم های مسافرقد کوتاه خورد بود در حالی که ازگام آدم قد بلند زیاد ترفاصله شده بود.راه در گفتگو گذشت.در جاده نفر سومی بنظر آمد او تنها بود.با آنها یکجا شدو سه نفر شدند.

نفر سومی هم دارای قامت بلند بود.رفته رفته جاده ره پشت سر گذاشتند و جاده از چشم کناره شد و قسمی که فضا(اسپیس) یا جز جاده از زیرپا هایشان بیرون میشد به همین مناسبت سوزن ساعت هم گردش میکرد.

یکی از آنها به ساعت دیده گفت 20 دقیقه میشود که ما راه میرویم و زمین مارا هل میدهد. مطلب اینست که قدم های رفته بالای جاده زیرقدم ها وقتی به گزها و فرلانگ ها گذشت.20 دقیقه وقت را در بر گرفت.

مسافر دوم سوال کرد ما به پیش میرویم،جاده به پشت میرود.آیا جاده ما را به پیش تیله میدهد؟ مسافر اول گفت اگر این قسم باشد پس ما به پیاده روی 20 دقیقه را گذاشتاندیم این 20 دقیقه وقت چه است؟

مسافر سوم گفت من این قسم فکر میکنیم که با بلند کردن یک قدم ما قدم دوم به جاده میباشد در میان قدم برداشتن چیزی که باقی میماند.آن فضا(space) است و درمیان قدم ها اگر ثانیه هم گذشته است آن وقت (time)است .به تدریج پیاده روی متوقف شدند....و کنار جاده زیر درخت ضخیم، و سایه دار نشستند بعد از چند دقیقه توقف یک مسافر گفت.نشست ما بطور قدرتی مثل یک مثلث است.آیا ساختن مثلث اتفاقی است یا در ساخت آن کدام حکمتی است؟

مسافر قد کوتاه با حیرت گفت به بالا ببین!درخت گرد است.معلوم میشودکه مثلث زیر دائره گرد یا چتری است-و حرف عجیب اینست که چتری هم بالای زمین محکم است وما سه نفر هم بالای زمین نشسته ایم.وقتی ما راه میرفتیم زمین به پشت سرمیماند و حال که نشته ایم زمین درفضا خود متوقف شده به نظر می آیید. گرد بودن درخت (چتری) و نشستن ما به قسم مثلث کدام حرف باهم مشابه است؟

مسافر سوم در گفتگو شریک شده گفت ، دوستان من! بالای گرد بودن درخت و تنه درخت بر زمین قائم است.آیا هر پیام درزمین،از تنه درخت وگرد بودن چتری ساخته شده با برگ ها و شاخ ها وجود دارد؟ ضرور در آن هر حکمت دیده می شود. مسافر درباز کردن این گره دخیل بودند وبه

گذشتن وقت متوجه نشدند وقتی که احساس وقت شدند که بیشتر از یک ساعت گذشته بود.

از این سه نفر یکی گفت وقتی ما راه می رفتیم 20 دقیقه وقت گذشت حال که نشسته ایم راه نمیرویم یک ساعت گذشت آیا وقت بدون راه رفتن هم می گذرد؟مسافر سوم گفت حرف قابل ذکر اینست که وقت در نشستن و راه رفتن در هر دو میگذرد یعنی حیثیت وقت ثانوی است.جای را اولیت است۔

تجزیه عمیق ومشکل را شنیده مسافر حیران ماند که وقتی فضاباشد حرکت باشد فضا نباشد یا وقت..نمی گذرد؟

ہر مخلوق یک فضا space است.و پیدائش همه در یک سپیس (فضا) شده – آیا رحم مادر یک فضا (سپیس) نیست.غیر از فضا ی(سپیس) زمین طفل جوان و جوان پیر نمیشود.حال معلومات در باره فضای چه طور پیدا شود.

مسافر اول گفت از آدم و حوا نافرمانی سرزد و سرتا پا تبدیل شد۔مطلب آن اینست که آن از فضای اعلی در فضای ادنی آمدند.کتاب های آسمانی تعارف آدم وحوا را کرده است به این خاطر سراغ از کتاب های آسمانی خواهد گرفته شود.

در وسعت های آسمان گمشده مسافر سوم گفت....روز...روشنی...و یوم فضا(سپیس) است. خداوند ج میفرماید: یک روز من پنجاه هزار سال خواهد بود۔ یک روز من ده هزار سال خواهد بود۔ یک روز من هزار سال خواهد بود یعنی تعلق خورد و بزرگ بودن روز از پخش شدن و جم شدن است.جم شدن و پخش شدن فضا نشان دهنده وقت است.

یک صاحب گفت.در ذهن من مثال است.در وقت خواندن اخبار فضای چشمان را استعمال میکنیم.و اخبار را با آواز میخوانیم.برای خواندن فاصله مناسب پکار است ورنه حروف بنظر نمی آیید.پس ثابت شد که هر شئ وجود و هر وجود دائمینشن یعنی ابعاد و قیام هر دائمینشن بالای فضا(سپیس) است.آیا ما سه مسافر فضا(سپیس) نیستیم؟مسافر اتفاق کردند و پرسیدند آخر نتیجه این همه تفکر چیست؟

مسافر سوم گفت زندگی بر وقت و فضا قائم است.تعارف فضا از وقت وتعارف وقت از فضا است بر فضا شناخت هر مخلوق است قبل ازمرحله شناخت فضا موجود بود،لیکن مغلوب بود، ما اگر ذهن را تابع خداوند ج بسازیم از این مقام واقف شده میتوانیم ، جای که ما قبل از اینجا آمدن بودیم این را شنیده مسافر در فکر عمیق غرق شد---

ٽي مسافر

ٻه مسافر رستي تي وڃي رهيا هئا.هڪ ننڍي ۽ ٻيو ڊگهي قد جو هو.بظاهر ٻنهي جي رفتار ساڳي هئي پر بندري ماڻهو جوقدم ننڍو ۽ ڊگهي ماڻهو جي وڪ کٽڻ سان وڌيڪ مفاصلو طئي ٿيندو هو.رستو ڳالهين ۾ گذري ويو.روڊ تي ٽيون ماڻهو نظر آيو.هو اڪيلو هو، انهن سان گڏ شريڪ ٿي ويو.هاڻي ٻن مان ٽي مسافر ٿي ويا.

ٽيون مسافر ٻه ڊگهي قد جو هو. هلندي هلندي روڊ پويان رهجي ويو ۽ اڪين جي سامهون رستو ڦهلجندو ويو. جيئن جيئن اسپيس پيرن هيٺان نڪري رهي هئي انهئَ مناسبت سان گهڙيءَ جي سئي به گردش ڪري رهي هئي. هڪڙي گهڙي ڏسي چيو، اسانکي ويهه منٽ هلندي ٿي ويا آهن. مطلب اهو ٿيوته پيرن هيٺان سرڪڻ وارو رستوجڏهن گزن يا فرلانگن ۾ پيرن هيٺان گذري ويوته ويهن منٽن جو وقت گذري ويو

ٻي مسافر سوال ڪيو، اسان اڳيان وڌي رهيا آهيون، رستو پويان وڃي رهيو آهي،ڇا رستو اسانکي اڳيان ڌڪي رهيو آهي؟ پهرئين مسافر چيو. جي ائين آهي ته اسانکي هلندي ويهه منٽ گذريا آهن، ويهن منٽن جووقت ڇا آهي؟

ٽئين ماڻهو راءِ ڏني ته آئون اهو سمجهيو آهيان ته اسانجي هڪ وک کڄي ٿي ته ٻي رستي تي هجي ٿي، وک کڄڻ جي وچ ۾جيڪي ڪجھ آهي اها اسپيس آهي---۽ وکن جي وچ ۾ سيڪنڊجو fraction به گذريو ته اهو وقت آهي.

مسافرهلندي هلندي بيهي رهيا ۽ ڪناري تي گهاٽن ڇان وارن وڻن هيٺان ويهي رهيا. ٿوريءَ دير ڪانپوءِ هڪ چيو ته اسانجي ويهڪ قدرتي طرح مثلث جهڙي آهي. ڇا مثلث نهڻ اتفاق آهي يا انجي پويان حڪمت آهي؟

بندري ماڻهو حيرت وچان چيو، مٿي ڏسو!وڻ گول آهي. لڳي ٿو مثلث گول دائري يا ڇٽيءَ هيٺان آهي.

عجيب ڳالھ آهي ته ڇٽي زمين مٿان قائم آهي ۽ اسان ٽيئي پڻ زمين تي ويٺل آهيون.جڏهن اسان هلي رهيا هئاسين ته زمين پويان هٽي رهي هئي. هاڻي اسان ويٺا آهيون ،زمين پنهنجي جاءِ تي بيٺل نظر اچي ٿي . وڻ جي گولائي ٿڙ تي ۽ وڻ جو ٿڙ زمين تي قائم آهي- ڇا زمين، وڻ جي ٿڙ ، پنن ۽ شاخن مان ٺهيل گول ڇٽيءَ ۾ ڪو پيغام آهي؟

مسافر ڳجهارت پڇڻ ۾ مگن ٿي ويا ۽ وقت جو احساس نه رهيو. هڪ ڪلاڪ کان وڌيڪ وقت گذري چڪو هو .ٽنهي مان هڪ چوڻ لڳو ته جڏهن اسين

هلي رهيا هئاسين ته ويهن منٽن جو وقت گذريو ،هاڻي ويٺا آهيون ته هڪ ڪلاڪ کان وڌيڪ وقت گذري ويو ؛ ڇا وقت اسانجي هلڻ ڪانسواءِ به گذري ٿو؟ ٽئين چيو سوچڻ جي ڳالهه اها آهي ته وقت هلڻ ۽ ويهڻ ٻنهي حالتن ۾ گذريو ،يعني وقت جي حيثيت ثانوي آهي ۽ اسپيس کي اوليت آهي.

ڳنڀير ۽ مشڪل تجزيو ٻڌي مسافر حيران ٿي ويا ته اسپيس جڏهن هوندي ته حرڪت هجي يا نه هجي،وقت گذرندو. اسپيس نه هوندي ته وقت ----؟

هڪ چيو ،هر مخلوق هڪ اسپيس آهي. سڀني جي پيدائش اسپيس ۾ ٿي ،ڇا ماءُ جو رحم اسپيس نه آهي. زمين جي اسپيس ڪانسواءِ ٻار جوان ۽ جوان پوڙهو نه ٿيندو. هاڻي ٽائيم ۽ اسپيس جو پتو ڪيئن پوي؟

پهرئين مسافر چيو، آدم ۽ حوا ڪان نافرماني سرزد ٿي ته انهن جي سراپي جي اسپيس بدلجي ويئي. هو اعلي ڪان ادني اسپيس ۾ اچي ويا. آسماني ڪتابن آدم ۽ حوا جو تعارف ڪرايو آهي انهئ ڪري انهن جو علم آسماني ڪتابن مان ملندو.

آسماني وسعتن ۾ گم ٽئين مسافر چيو، ڏينهن ،روشني ۽ يوم اسپيس آهي. الله تعالي فرمائي ٿو، منهنجو هڪ ڏينهن پنجاه هزار سالن جو آهي.منهنجو هڪ ڏينهن ڏه هزار سالن جو آهي ۽ منهنجو هڪ ڏينهن هزار سالن جو آهي .يعني ڏينهن جي وڏي ،ننڍي هجڻ جو تعلق ڦهلجڻ يا سڪڙجڻ سان آهي. اسپيس جو ڦهلجڻ يا سڪڙجڻ وقت جي نشاندهي آهي .

هڪ صاحب چيو ،منهنجي ذهن ۾ مثال آهي، اخبار پڙهندي اسين اکين جي اسپيس استعمال ڪندا آهيون ۽ اخبار کي آواز(اسپيس) سان پڙهندا آهيون. پڙهڻ لاءِ مناسب فاصلو گهرجي نه ته حرف نظر نه ايندا .ثابت ٿيوته هر شئ جو وجود، وجود ۾ ڊائيمينشن ۽ ڊائيمينشن جو قيام اسپيس تي آهي. ڇا اسين ٽيئي مسافر اسپيس نه آهيون ؟ مسافرن اتفاق ڪيو ۽ پڇيو ،آخر هن سڄي تفڪر جو نتيجو ڇا آهي ؟

ٽئين مسافر چيو ته زندگي،ٽائيم ۽ اسپيس تي قائم آهي .اسپيس جو تعارف وقت آهي ۽ وقت جو تعارف اسپيس سان آهي .اسپيس هر مخلوق جي سڃاڻپ آهي. سڃاڻپ جي مرحلن کان پهرئين اسپيس موجود پر مغلوب هئي . جيڪر اسان ذهن کي الله جي تابع ڪري پنهنجي اسپيس کي مغلوب ڪري ڇڏيون ته ان مقام کان واقف ٿي سگهون ٿا جتي اسان هتي اچڻ کان پهرئين هئاسين .
اهو ٻڌي مسافر گهري سوچ ۾ ٻڏي ويا.....

Punjabi

تِن مسافر

دو بندے سڑک تے چلدے پئے سی۔ اک نکا تے دوسرا لما سی اینج تے دونویں اکو جیہا ای چلدے پئے سی پر نکے بندے دا قدم نکا تے وڈے بندے دا قدم وڈا تے قدم نال فاصلہ زیادہ ہوندا سی۔ راہ گلاں وچ لنگھ گیا۔ سڑک تے تیجا بندہ کھلوتا نظر آیا—اوکلا سی اونہاں دے نال رل گیا۔ ہن دو توں تِن بندے مسافر رل گئے۔

تیجا بندہ وی لما سی۔ چلدے چلدے سڑک پیچھے رہ گئی تے اکھاں دے اگے دی سڑک کھلر دی گئی۔ جوں جوں اسپیس (سڑک) پیراں تھلوں نکلدی پئی سی۔ اوسے طراں گھڑی دی سوئی وی گھومدی پئی سی۔

اک نے گھڑی ویکھ کے آکھیا، سانوں وی 20 منٹ ہو گئے نیں۔ مطلب اے کہ پیراں تھلوں نکلن والی سڑک جدوں گزاں یا فرلانگاں وچ نکل گئی تے وی منٹ دا ویلا لنگھ گیا۔

دوجے مسافر نے سوال کیتا، اسی اگے ودھدے پئے آں سڑک پچھاں نوں جاندی پئی اے؟ کیہہ سانوں سڑک اگے نوں دھکدی پئی اے؟

پہلا مسافر بولیا، جے اینج اے تے سانوں وی منٹ لنگھ گئے۔ وی منٹ دا ویلا کیہہ اے۔ تیجے بندے نے اپنی گل دسی۔ میں اے سمجھیا کہ ساڈا اک قدم اٹھدا اے تے دوجا سڑک تے ہوندا اے، پیر اٹھن دے درمیان جو اے او اسپیس یعنی (تھاں) اے—تے قدماں دے وچ سیکنڈ دا fraction (کسر) وی لنگھیا ہوئے تے او ویلا اے۔

مسافر چلدے چلدے رک گئے تے کنڈے تے اک ڈاہڈی چھتر چھاں والے درخت دے تھلے بیھ گئے۔ کچھ دیر بعد اک نے آکھیا۔ ساڈی بیٹھن دی تھاں قدرتی طور تے تکون وانگوں اے۔ کیہہ اے تکون بنا اللہ ولوں اے یا ایہدے پیچھے کوئی سوچ سمجھ اے؟

نکے قد دا بندہ حیران ہو کے بولیا، اتے ویکھو! درخت گول اے لگدا اے کہ تکون، گول دائرے یا چھتری تھلے اے۔

نویکلی گل اے کہ چھتری وی زمین دے اُتے کھلوتی اے تے اسی تِن وی زمین تے بیٹھے آں۔ جدوں اسی چلدے پئے سی تے زمین پیچھاں نوں ہٹدی پئی سی۔ ہن اسی بیٹھے آں زمین اپنی جگہ ٹھہری نظر آندی اے۔ درخت دی گولائی تے ساڈا تکون وچ بیھنا کوئی اکو جئی گل اے؟

تیجے بندے نے کہا، یارو! درخت دی گولائی تنے تے درخت دا تنا زمین تے قائم اے۔ کیہہ زمین درخت دے تنے، پتے تے شاخاں نال بنی گول چھتری وچ کوئی سنیا اے؟

مسافر اس گتھی نوں سوچن وچ لگ گئے تے ویلے دا چیتا نہ رہا—اک گھنٹے توں ودھ ویلا لنگھ گیا سی۔

تِن وچوں اک بولیا، جدوں اسی چلدے پئے سی، وی منّاں دا ویلا لنگھیا۔ ہن بیٹھے ہوئے آں تے اک گھنٹے توں ودھ ویلا لنگھ گیا؟ کیہہ ویلا ساڈے چلن توں بغیر وی لنگھدا اے؟

تیجا بولا، سوچن دی گل اے کہ ویلا چلن تے بیٹھن دونواں حالتاں وچ لنگھیا۔ یعنی ویلے نوں دوج اے تھاں نوں پہل اے۔

گنجلاتے اوکھا تجزیہ سن کے مسافر حران رہ گئے کہ جدوں اسپیس ہوئے گی تے ہِل جُل ہوئے نہ ہوئے ویلا لنگھے گا۔ اسپیس نہ ہوئے تے ویلا—؟

اک نے آکھیا پر لوکائی اک اسپیس اے۔ سب دی جم اسپیس وچ ہوئی۔ ماں دا پیٹ اسپیس نئیں اے؟ زمین دی اسپیس دے بغیر بال جوان تے جوان بڈھا نئیں ہوندا۔ ہن ویلے تے اسپیس دا پتہ کنجھ ملے—؟

پہلے مسافر آکھیا۔ بابے آدم تے حوا توں نافرمانی ہوئی تے اونہاں دے بدن دی اسپیس بدل گئی۔ اوچے توں نیویں اسپیس وچ آ گئے۔ آسمانی کتاباں نے آدم حوا دی پچھان کرائی ایس لئی پتہ آسمانی کتاباں توں ملے گا۔

آسمان دی وادھیاں وچ گو اچے تیسرے بندے نے بولیا، دن چانن تے دیہاڑا—space اے۔ اللہ تعالیٰ آکھدے نیں۔ میرا اک دیہاڑا پنجاہ ہزار سال دا اے۔ میرا دیہاڑا دس ہزار سال دا اے تے میرا اک دیہاڑا اک ہزار سال دا اے۔ یعنی دیہاڑے دے چھوٹے وڈے ہون دا تعلق کھلرن یا سُنگھڑن نال اے۔ اسپیس دا کھلاریا سُنگھڑتے ویلے دی پچھان اے۔

اک بندے نے آکھیا، میرے ذہن وچ مثال اے۔ اخبار پڑھدے ہوئے اسی اکھاں دی اسپیس ورتدے آں تے اخبار نوں آواز یعنی (اسپیس) نال پڑھدے آں۔ پڑھن لئی چنگا فاصلہ چاہیدا اے نئیں تے اکھر نظر نئیں آندے۔

ثابت ہویا ہر شے دا وجود، وجود وچ لمبائی چوڑائی تے لمبائی چوڑائی اسپیس تے بنی اے۔ کیہہ اسی تِن مسافر اسپیس نئیں—؟ مسافراں نے ہاں آکھی تے پوچھیا آخر ایس ساری سوچ دا نتیجہ کیہہ اے؟

تیجے بندے نے آکھیا، جنڈری ویلے تے (اسپیس) تے قائم اے اسپیس دی پچھان ویلے نال تے ویلے دی اسپیس نال اے اسپیس (تھاں) ہر لوکائی دی پچھان اے۔ پچھان توں پہلے اسپیس موجود سی پر دبی پئی سی۔ جے اسی ذہن نوں اللہ دے منن والے کر لئے تے اپنی اسپیس نوں دبا لئے تے ایس تھاں توں واقف ہو سکدے آں جتھے اسی۔ ایتھے آن توں پہلاں سی اے سن کے سارے مسافر سوچی پے گئے .....

Pashto

درې مسافران

دوه سړي پۀ بوسړک روا ن وو- يو په اونه مندرې اوبل سړي په اونه دنگ وه-پۀ ښکاره خو د دواړو سرعت يو وو -ولې د مندري سړي گام لنډې وه اود لوړې اونې سړي گام نه به زيات واټن تاکل کېدو-د دوي لاره په خبرو کښې تېره شوه -يو سړې ورته په سړک روان ښکاره شو– هغه يوازې وو- اوس د دوه نه درې شول-

دريم سړې هم پۀ اونه لوړ وو-په تلو تلو سړک شاتۀ پاتے شو او د سترگو مخامخ سړک په خوريدو شو-ځنگه ځنگه اسپېس(سړک) برخه چې د پښو لاندې نه را اووتي ،هم دغسي د ساعت ستنه هم تاوېده-

يو سړي ساعت ته په کتو او وېل،په مونږه شل ثانيې تېرې شوې دي-مطلب ئې دا شو چې زمونږ د گامونو لاندې کوم سلگېدونکي سړک دے دا چې کله پۀ گزونو لا فرلانگونو کښې د پښو لاندې نه اووتو نو شل ثانيې وخت هم تير شو-

دوېم سړي پوښتنه اوکړلۀ ،مونږه مخکښې روان يو،سړک شا تۀ روان دې-سړک مونږه مخکي تيله کئې؟

اولني مسافر اووېل،که داسي دۀ نو زمونږه گرځيدو کښې شل ثانيې تيرې شوې-دا د شلو ثانيو وخت څۀ دے؟

دريم سړي وراندېز وکړو،زه پۀ دې پوهې شوم چه زمونږه يو گام چې پورته شي نو بل گام په سړک وي –گام پورته کولو تر مينځه چې هر څه دي هغه اسپېس دے..و د گامونه ترمينځه که د ثانيې يو کسر(fraction) هم تير شو نو هغه وخت دے-

مسافران په تلو تلوکښې ودرېدل-او د سړک پۀ غاړه ولاړې يوے ونې لاندې کيناستل چه ښه گڼره او سيوري ونه وو- لږ ساعت پس يو کس اووېل، زمونږه ناسته د مثلث شاندې ده- دا مثلث څه اتفاق دے او که ددې په شا څه حکمت دے؟

د لنډې اونې سړي په حيرانتيا او ويل ،بره اوگورئ! ونه غونډۍ ده- داسي ښکاري چې د دايرے غونډې والې لا چترۍ لاندې مثلث دے-عجيبه خبره ده چې چترۍ هم د ځمکې د پاسه ولاړه ده-او مونږه درې واړه هم په ځمکه باندے ناست يو- مونږه چه کله گرځيدو نو ځمکه په شا لرے کيده - اوس مونږه ناست يو ځمکه په خپل ځاۓ ولاړه ښکاري- د ونې غونډے والې (چترۍ)او زمونږه په مثلث کښې ناسته څه هم معنې خبره لري؟

دريم کس اوويل يارانو! د ونې غونډې والې په ډډ قائم دے او د ونې ډډ په ځمکه قائم دے-ځمکې ،د ونې ډډ او د پاڼرو و ښاښونو نه جوړه شوے غونډه چترۍ کښې څه استوزه ده؟

مسافران پہ دےغوټه سپردو کښې اخته شو او وخت نه يې پام لاړو–يو ساعت نه سپوا وخت تېرشوے وو-

یه دریو کښې یو اووړل چې کوم وخت مونږه ګرځېدو ،شل ثانیو وخت تېر شو -اوس مونږه ناست یو د یو ساعت نه سړوا وخت تېر شو؟ بې د زمونږ ګرځېدو نه هم وخت تېرېږي؟دویم اووېل، فکر خبره دا ده چې وخت د ګرځېدواو د ناستې دواړه حالتونو کښې تېر شو-لکه چې اول اسپېس دے اود وخت حېثیت ثانوې دے-

دونه ژوره او ګرانه شننې اوریدو نه پس مسافران حیرانه پاتې شولو، چې کله اسپېس وي نو خوځښتوي وي او که نه وي، وخت به تېرېږي- او چې اسپېس نه وي نو وخت به تېرېږي او که نه؟

یو اووړل، هر مخلوق یو اسپېس دے- ټولو پېدائښت اسپېس کښې شوے دے- د مور رحم ېو اسپېس دے او که نه؟ بې د ځمکې اسپېس نه ماشوم ځوانېدې نشي او ځوان بډا کېدې نه شي- نو بیا د ټائم او اسپېس نښه به ځنګه بیا موندې شي-؟

اولنې مسافر اووړل،آدم و حوا نه نافرماني اوشوه نوهغوی د بدن څرګنده شکل(اسپېس)بدل شو-هغوې د لوړې نه ټیټ اسپېس ته راغلل-آسماني کتابونو کښې د آدم و حوا پېژند ګلوی راغلې ده، ځکه ددې نښه به په آسماني کتابونو کښې بیا موندلې شي-

د آسمانونو پلن والې کښې غرق شوي درېم مسافراووړل، روځ، رنا او یوم- اسپېس دې الله تعالې وائې: زما یوه روځ د پنځوس زرو کالو به وي - زما یوه روځ د لسو زرو کالو به وي- زما یوه روځ د زرو کالو به وي- یعنی د روځې لنډېدل او اوګدېدل ددې ښورېدو او را غونډېدو سره دے- د اسپېس خورېدل او راغونډېدل د وخت نښه ورکوي-

یو صېب اووړل، زما په مزغو کښې مثال دې-مونږه ورځ پانړې لوستو وخت کښې د سترګو اسپېس نه کار اخلو-او آواز(اسپېس) سره لولو-لوستلو د پاره مناسب واټن پکار دے- ګني ټکي به نه ښکاري- ثابته شوه چې د هر ځیز وجود ، په وجود کښې ډائ مینشن او ډائ مینشن په اسپېس باندې دې- مونږه درې مسافران اسپېس یو که نه -؟ ټولو مسافرانو موافقه اوکړله اوترې پوښتنه اوکړله، آخر ددې ټول تفکر پائله څه ده -؟

درېم مسافر اووېل، ژوند په وخت او اسپېس باندې تنظیم کوي- د اسپېس پېژندګلو د وخت نه کېږي او د وخت پېژند ګلو د اسپېس نه دے -اسپېس د هر مخلوق پېژندګلو دے او د پېژند ګلو مرحلې نه وړاندې اسپېس موجود وو،خو ور تر لاندې وو- که مونږه خپل مازغه لا ذهن الله تعالی ته اوسپارو او خپل اسپېس تر لاندې کو نو به هغه مقام نه واقف کېدې شو چې چرته مونږه دلته راتلو نه مخکې وو-

ددې اورېدو نه پس مسافران په فکر کښې ډوب شو.....

Lelaki ketiga berkata, "Kawan, kebulatan pokok itu hinggap pada mereka batang yang kukuh di dalam tanah. Adakah bumi, daun, batang dan payung yang dibentuk oleh cawangan mempunyai mesej yang mendasari? "Walaupun untangling rahsia itu, musafir tidak sedar bahawa satu jam telah berlalu.

Salah seorang daripada mereka perasan akhirnya dan berkongsi pemerhatian ini, "Kami dapati ketika berjalan kami yang dua puluh minit telah berlalu. Dan sekarang seperti yang kita duduk, sejam telah berlalu. Adakah masa berlalu tanpa mengambil kira sama ada kita berjalan atau duduk? "The Lelaki ketiga berkata, "Ia adalah bernilai renungan masa itu diluluskan dalam kedua-dua kes. ini mencerminkan masa itu adalah idea menengah, dan ia adalah ruang yang memegang paling utama. "

Musafir kagum dengan kerumitan dan kesukaran di mana mereka pemerhatian telah membawa mereka. Hakikatnya adalah bahawa tidak kira pergerakan, apabila terdapat ruang, masa berlalu. Oleh itu, tanpa ruang, apakah kedudukan masa?

Apabila mendengar ini, salah seorang daripada mereka berkata, "Setiap makhluk adalah manifestasi daripada ruang. Walaupun lahir di ruang yang terlalu. Apakah rahim seorang ibu juga tidak ruang? Tanpa ruang bumi, kanak-kanak tidak akan berkembang dari belia untuk berusia. Jadi, bagaimana kita akan mencungkil misteri ini masa dan ruang? "

Musafir pertama berkata, "Ketika Adam dan Hawa berbuat maksiat, iamengubah ruang tubuh mereka, dan mereka tidak diturunkan dari yang lebih tinggi ruang kepada yang lebih rendah. Kerana ia adalah kitab Ilahi yang membuat kita sedar Adam dan Hawa, mereka juga akan membimbing kita untuk jawapannya. "

Orang ketiga yang matanya telah dilekatkan pada keluasan langit berkata, "Hari, cahaya dan Yaum adalah ruang. Tuhan berkata, 'satu hari saya terdiri daripada 50,000 tahun lamanya. 'Satu hari saya ialah 10,000 tahun.' Dan, 'satu hari saya merupakan 1000 tahun lamanya. Ini menghuraikan bahawa sesak dan panjang hari adalah relatif kepada penguncupan dan pengembangan ruang, dan akta ini penguncupan dan pengembangan menunjukkan kehadiran masa. "

Salah seorang daripada mereka menjelaskan lagi, "Saya mempunyai satu contoh. Kami menggunakan ruang kami mata untuk membaca akhbar, dan membacanya dengan suara, yang juga ruang. jika tidak ada jarak antara akhbar dan pembaca, maka kata-kata tidak akan boleh dibaca. Ini membuktikan bahawa setiap objek, dimensi di dalamnya dan rezeki dimensi ini berakar umbi dalam ruang. Bagaimana pula dengan kita? Adakah kami bertiga tidak ruang juga? "Mereka semua menjawab dalam afirmatif dan ditanya dalam serentak, "Jadi apakah kesimpulan wacana renungan ini?"

Musafir ketiga berkata, "Hidup dikekalkan suatu masa dan ruang, dan masa dan ruang yang dikenali melalui satu sama lain. Segala makhluk dikenalpasti melalui ruang. Sebelum peringkat pengenalan, ruang dalam makhluk adalah tunduk. Jika kita menyerahkan diri (ruang) kepada Allah, kita boleh kembali ke alam di mana kita hadir sebelum datang ke dalam dunia ini. " Apabila mendengar ini, musafir telah tenggelam dalam pemikiran yang mendalam ...

Malay

Tiga Pengembara

Dua terlantar dalam perjalanan, satu pendek dan tinggi yang lain, berjalan di sepanjang jalan. walaupun mereka kadar yang kelihatan seperti yang sama, lelaki itu lebih tinggi mempunyai langkah lagi, dan dengan itu meliputi lebih banyak ruang daripada lelaki yang lebih pendek. Walaupun tenggelam dalam perbualan sepanjang jalan, mereka tidak menghiraukannya dengan jarak mereka telah diliputi. semasa perjalanan mereka, mereka terserempak dengan seorang lelaki yang telah menyeberangi jalan sahaja, jadi dia menyertai syarikat mereka. Musafir ketiga adalah agak tinggi.

Sebagai tiga berjalan di atas, jalan mereka tinggalkan hilang dari mereka penglihatan, dan jalan di hadapan menghulurkan depan mata mereka. Sama seperti ruang (Jalan) di bawah mereka merosot melalui kaki mereka, begitu juga tidak masa yang semak oleh.

Salah seorang daripada mereka melihat jam tangannya dan berkata, "Ia telah dua puluh minit sejak kami mula berjalan bersama-sama. Ini bermakna bahawa dua puluh minit telah diluluskan sebagai tanah di bawah merosot melalui kaki kami dalam kilometer dan furlong. "

Satu lagi musafir mengemukakan satu soalan, "Kami bergerak ke hadapan, tetapi yang jalan bergerak ke belakang. Adakah jalan yang menolak kita ke hadapan? "Yang pertama musafir menjawab, "Jika begitu, dan kami telah berjalan selama dua puluh minit, apa yang adalah berdirinya dua puluh minit kemudian? "Yang ketiga memberikan pendapatnya, "Apa yang saya faham dari ini adalah bahawa apabila kita mengambil langkah ke hadapan, satu kaki tetap di atas tanah, manakala yang lain digantung di udara. apa pembohongan antara kedua-dua kaki seperti yang kita mengambil satu langkah ke hadapan yang dipanggil sebagai ruang. yang Tempoh yang berlalu sebagai tindakan ini dijalankan, walaupun ia adalah sebahagian kecil daripada kedua, disebut masa. "

Musafir memutuskan untuk berehat di bawah pokok yang padat dan rendang. Selepas berhenti sejenak, salah seorang daripada mereka berkata, "Adakah anda perasan yang kita sedang duduk dalam segi tiga yang pembentukan, tanpa bertujuan untuk berbuat demikian? Bolehkah ini menjadi satu kebetulan, atau ada beberapa hikmah di sebalik ini? "

Yang singkat tiga berteriak dengan heran, "Cari! Bentuk pokok itu adalah bulat seperti payung - kita boleh merujuk kepada bulat ini sebagai satu bulatan. Sekarang kedudukan kita memberi gambaran sebuah segitiga dibentuk dalam masa satu bulatan. Apa yang menarik perhatian saya yang paling adalah bahawa 'payung' berakar umbi dengan kukuh ke dalam tanah kita duduk di atas. Sebelum ini, seperti yang kita berjalan, bumi tidak memenuhi janji itu melalui tapak kaki kami, dan sekarang kita duduk, bumi tidak bergerak. Adakah bentuk bulat pokok dan pembentukan segi tiga kami mengandungi makna yang sama? "

下来的时候，已经过了一个小时。无论我们走路还是坐着，时间过去了吗？第三个人说，“在这两种情况下，时间的流逝都值得思考。这反映出时间是次要的概念，而空间是最重要的。他们的观察带来复杂性和困难使他们感到惊讶。事实是，无论运动如何，只要有空间，时间都会流逝。因此，没有空间，时间的立场是什么？听到这个，其中一个旅行者说：“每个生物都是空间的表现。甚至出生也是发生在一个空间当中。母亲的子宫也不是空间吗？如果没有地球的空间，孩子就不会从青年成长到老年。那么，我们将如何揭开这个时空之谜呢？第一个旅行者说，“当亚当和夏娃犯下大错的时候，他们的身体被改变了， 他们被从相对高的空间送到了相对低的空间。”正如神圣的书籍让我们意识到亚当和夏娃一样，它们也会引导我们找到答案。“第三个旅行者眼睛盯着浩渺天空说：“日，光和雨是空间。”上帝说，“我的一天是五万年。"我的一天是一万年。”以及“我的一天是一千年。” 这说明一天的短暂和长短是相对于空间的收缩和扩张的，这种收缩和扩张的行为表明时间的存在。其中一个旅行者进一步解释，“我有一个例子可以来证明。我们用眼睛的空间来阅读报纸，并用声音阅读它，这也是一个空间。如果报纸与读者之间没有距离，则文字就不会被阅读。这证明了每个物体，其中的维度以及这些维度的维持都植根于空间内。那我们呢？我们三个人也不是空间吗？他们都异口同声地回答道“那么这个沉思的谈话的结论是什么？”第三位旅行者说：”生命是建立在时间和空间上的，并在时间和空间上彼此了解。每个生物都通过它的空间来识别其他生物。在识别阶段之前，生物内部的空间是从属的。如果我们将自己的意志（空间）交给上帝，我们就可以回到我们出现在这个世界之前的境界。”

听到这一番话，旅行者陷入了深深的沉 思.....

三名旅行者

两名旅行者，一高一矮，他们沿着一条路走。尽管他们的步伐似乎是相同的，但是更高的男人有更大的步伐，因此比矮个子的人走更多的路。一路上他们都沉浸在谈话中，没有注意到他们走了多远。在他们的旅程中，他们遇到了一个独自走这条道路的人，所以他加入了他们的队伍。第三名徒步旅行者相当高。当三人走过时，他们留下的道路从他们的视线中消失，前方的路径在他们眼前伸展开来。就像他们脚下的空间（道路）从他们的脚上走过一样，时间也是如此。其中一个人看了看表，说：“我们已经有二十分钟没一起走了。这意味着20分钟已经过去了，因为道路从脚下过去，只有几码长。另一个徒步旅行者提出了一个问题，“我们正在向前移动，但是道路正在向后移动。这是因为道路在推动我们前进吗？”

第一个 旅行者回答说：“如果是这样的话，我们已经走了二十分钟，那么这二十分钟又算得了什么呢？“第三个旅行者发表了他的意见，“我理解的是，当我们向前迈出一步时，一只脚留在地上，另一只脚悬浮在空中。”当我们向前迈出一步时，两脚之间的东西被称为空间。执行此操作时经过的持续时间，即使只是几分之一秒，也就被称为时间。旅行者决定在一棵茂密的树下休息。休息了一会儿后其中一人说：“你有没有注意到我们坐成了一个三角形的队形了吗？这可能是个巧合还是其背后有一些智慧？“三个旅行者中最矮的一名惊讶地惊呼，“抬头看！树的形状像伞一样圆-

我们可以将这种圆度称为圆形。现在我们所坐的位置给人的印象是在一个圆圈内形成一个三角形。最让我印象深刻的是，“伞”牢牢扎根于我们所坐的地面上。早些时候，当我们走路时，道路从我们脚下走过，现在我们坐下，地球静止不动。树的圆形和我们形成的三角形是否含有相同的含义？”第三个人补充道，“朋友们，树的圆度是建立在它坚实的树干上的。大地，树叶，树干和由树枝形成的伞有潜在的信息吗？”在解开这个谜团的时候，旅行者们并没有意识到一小时过去了。其中一人最终注意到并分享了这一观察结果，

“我们在行走过程中注意到，二十分钟过去了。现在，当我们坐

habían pasado veinte minutos mientras caminábamos. También se dieron cuenta de que había pasado una hora. Empiezan a preguntarse si es posible que el tiempo haya pasado sin siquiera su percepción.

Tercero, añadió, el tiempo seguía pasando si caminábamos por el camino o nos acostábamos bajo este árbol. Indica que la importancia del tiempo es secundaria al espacio.

No fueron capaces de entender cómo el espacio existe antes de que pase el tiempo. Es independiente de cualquier signo de movimiento. La complejidad de la conclusión era confusa, que si no hay espacio entonces ¿qué hay del tiempo? Entonces, ¿cuál es el significado del tiempo?

Uno de ellos dijo, todo se crea en un espacio. El vientre de la madre es un espacio. La infancia maduró hasta la cuna más joven seguida por la cuna vieja, dentro del espacio de la Tierra. Bueno, narrando el rol del espacio se abrió una pregunta sobre 'la fuente del tiempo y el espacio' Otro viajero dijo, el espacio abrumador de la existencia inicial de Adán y Eva fue cambiado debido a su desobediencia. Se mudaron de un espacio superior a un espacio inferior. Mencionó que, como la fuente de esta incidencia se relata en libros adivinos; por lo tanto, riddle debería tener una llave en los libros adivinados.

Mientras miraba más profundo en el cosmos, buscando algunas respuestas en el cielo por encima del cielo, un viajero decía, día, luz, todo el espacio.

Alá dijo que mi día es un lapso de cincuenta mil años. En algunos lugares mencionó que es equivalente a diez mil años. Mientras que en otros lugares se menciona, ese día es igual a mil años. Significa que el concepto de día está asociado con la expansión o contracción. El tiempo es el indicador de expansión o contracción en el espacio.

Uno de ellos se ejemplificó con leer un periódico. Dijo que usamos un espacio visionario para leer el periódico en un espacio audiblemente más alto. Se puede leer el periódico sólo desde una distancia apropiada, de lo contrario los caracteres de las palabras no serían visibles. Ahora podemos entender que todos los objetos existen en una dimensión colocada sobre el espacio. ¿No somos un espacio? Estuvieron de acuerdo. Dijeron: "¿Qué conclusión puede extraerse de esta discusión?"

El tercer hombre dijo: "La vida se pone en el tiempo y el espacio". El espacio se deriva de Time y viceversa. Cada persona que se identifica en su espacio. Antes de que los seres individuales empezaran a conocerse, el Espacio se ocultaba. Si subyugamos nuestras facultades mentales ante Alá entonces podemos identificar nuestro Espacio. Llevará a la conciencia a nuestro verdadero hogar, donde solíamos vivir antes de este espacio.

¡La conclusión fue fascinante, todos se metieron en una profunda contemplación!

Spanish

Tres Viajeros

Había dos viajeros caminando por la carretera. Uno de ellos tenía menos altura que el otro, pero ambos caminaban a la misma velocidad. Cualquiera puede adivinar que los más altos deberían ser capaces de caminar por delante del más bajo, pero ambos se siguieron caminando uno al lado del otro. Después de un rato, otra persona alta los acompañó. Mientras viajaban, dejaron un largo camino de vuelta para ellos. Pero hay más caminos delante de ellos, mientras caminan. A pesar de la larga distancia, continuaron su paseo. Mientras caminaban por su camino (o el espacio), las agujas en el reloj de pulsera seguían girando.

Después de caminar un largo rato por el camino, se dieron cuenta de que había pasado sólo veinte minutos. Uno de ellos mencionó que estamos avanzando porque el camino está empujando hacia atrás. La primera persona mostró su preocupación por la naturaleza del tiempo, ¿cómo podemos definir estos veinte minutos? La tercera persona comentó, mientras levantamos el pie para avanzar, nuestro segundo pie sigue en el suelo. Los momentos entre los dos pasos son fracciones de segundos. Esa es la fracción de segundos que se recorre en un espacio entre pasos consecutivos.

Después de un rato se detuvieron para contener la respiración bajo un denso árbol verde. Mientras miraba a su alrededor, uno de ellos sorprendentemente dijo, '¿Qué coincidencia? ¡Estamos sentados en una formación triangular!"

El hombre más corto también expresó su sorpresa mientras observaba la formación y comentó, mira árbol está alrededor delante de nosotros. Parece que un triángulo está bajo el paraguas de un círculo. Dijo que el árbol es estático y que están sentados debajo. Dijo, mientras caminábamos, podemos observar que la Tierra está retrocediendo. Aquí la situación es que la Tierra parece estática, y nosotros también. Sacudió la cabeza con sorpresa, '¿Podemos encontrar alguna coincidencia entre la rotonda de los árboles y la formación triangular de nuestra sentada?'

La tercera persona también mencionó que mientras el árbol redondo está retenido en el tronco, mientras que el tronco está incrustado en la superficie de la Tierra.

Una tercera persona dijo: "¿Podemos evaluar la formación del escenario? Árbol redondo sujete el tronco y tronco incrustado en la Tierra. ¿Así que la Tierra, el tronco, las hojas y el paraguas redondo de las ramas de los árboles tiene alguna correlación para deducir?

El tiempo seguía pasando, un acertijo entrelazado, difícil de resolver. Pasó una hora mientras pensaban revelar el mito. Uno de ellos se dio cuenta y dijo que

Один из них, в конце концов, обратил на это внимание и поделился своим наблюдением: «Мы заметили, что пока мы шли, прошло двадцать минут. А теперь, пока мы сидели, прошел час. Проходит ли время не зависимо от того, сидим мы или идем?» Третий человек сказал: «Имеет смысл отметить, что время проходит в обоих случаях. Это означает, что время вторично, а пространство имеет первостепенное значение».

Попутчики были удивлены сложностью и запутанностью суждений, к которым привели их наблюдения. Оказалось, что независимо от движения, когда есть пространство, проходит время. Значит, без пространства, что является основанием времени?

Услышав это, один из них сказал: «Каждое творение является проявлением пространства. Даже рождение тоже происходит в пространстве. Разве утроба матери не является пространством? Без пространства земли ребенок не вырастет и не станет взрослым. Так как же нам разгадать эту загадку времени и пространства?»

Первый мужчина сказал: «Когда Адам и Ева совершили непослушание, это изменило пространство их тел, и они были отправлены из пространства более высокого порядка в более низкое. Так как именно Священные Писания познакомили нас с Адамом и Евой, они же приведут нас к ответу на вопрос».

Третий путешественник, чей взгляд был устремлен в бескрайнюю высь неба, сказал: «День, свет и Йом являются пространством. Бог говорит: «Один Мой день составляет 50 000 лет». «Один Мой день составляет 10 000 лет». И «Мой день составляет 1000 лет». Это означает, что краткость или длина дня соотносится с сокращением и расширением пространства, и это сокращение или расширение указывает на присутствие времени».

Один из них продолжил объяснение: «У меня есть пример. Мы используем пространство наших глаз, когда читаем газету, и читаем ее с помощью голоса, который тоже является пространством. Если бы между газетой и читателем не было расстояния, слова было бы невозможно прочесть. Это доказывает, что каждый объект, измерения внутри него и поддержание этих измерений укоренены в пространстве. А мы? Разве мы трое не являемся пространством?» Все ответили утвердительно и спросили, как один: «Итак, каков вывод нашей беседы?»

Третий путник сказал: «Жизнь поддерживается временем и пространством, и время и пространство познаются с помощью друг друга. Каждое творение распознается через свое пространство. До этапа распознавания пространств внутри творений было подчиненным. Если мы подчиним нашу волю (пространство) Богу, мы сможем вернуться в мир, в котором мы были до прихода в этот мир».

Услышав все это, путники погрузились в глубокие размышления…

Russian

Три путника

Два человека, высокий и низкий, шли по дороге. Хотя скорость их ходьбы казалась одинаковой, шаги высокого человека были длиннее и, следовательно, покрывали большее пространство, чем шаги низкого человека. Погруженные в беседу, они не обращали внимания на расстояние, которое проходили. По пути им встретился человек, который путешествовал один, и он присоединился к ним. Он был довольно высокого роста.

По мере того, как они продвигались вперед, дорога, оставшаяся позади, исчезла из поля зрения, а путь впереди простирался перед их взором. Наравне с пространством, проходившим у них под ногами, проходило и время. Один из путников посмотрел на часы и сказал: «Прошло двадцать минут с того момента, когда мы начали идти вместе. Это значит, что прошло двадцать минут, пока земля скользила у нас под ногами в километрах и метрах».

Другой путешественник спросил: «Мы движемся вперед, а дорога движется назад. Неужели нас подталкивает вперед дорога?» Первый ответил: «Если это так, и мы идем уже двадцать минут, тогда чем является основание этих двадцати минут?» Третий человек тоже высказал свое мнение: «Как я понял, когда мы делаем шаг вперед, одна нога стоит на земле, тогда как вторая находится в воздухе. То, что находится между двумя стопами, когда мы делаем шаг, называется пространством. А период, который проходит, пока выполняется это действие, даже если это доля секунды, называется временем».

Путешественники решили отдохнуть в тени густого дерева. Спустя какое-то время один из них сказал: «Вы заметили, что ненамеренно мы сели треугольником? Это простое совпадение или за этим стоит какая-то мудрость?»

Самый низкий из них воскликнул с удивлением: «Посмотрите наверх! Крона дерева круглая, как зонт – мы можем называть ее кругом. Теперь получается, что мы образуем треугольник внутри круга. Что удивляет меня больше всего, так это то, что «зонт» крепко укоренен в землю, на которой мы сидим. Недавно, когда мы шли, земля ускользала из-под ног, а теперь, когда мы сидим, земля неподвижна. Содержится ли в круглой форме дерева и в нашем треугольном расположении на земле такое же значение?» Третий путешественник добавил: «Друзья, округлость дерева посажена на его ствол, который твердо стоит на земле. Содержит ли земля, листья, ствол и крона ветвей скрытое послание?» Пытаясь разгадать загадку, путники не заметили, как прошел час.

trunk which is firmly established in the ground. Do the earth, leaves, trunk and the umbrella formed by branches have an underlying message?"

While untangling the mystery, the wayfarers did not realise that an hour had passed. One of them noticed eventually and shared this observation, "We noticed during our walk that twenty minutes had passed. And now as we sit, an hour has gone by. Does time elapse irrespective of whether we walk or sit?" The third man said, "It is worth musing that time passed in both cases. This reflects that the significance of time is secondary to the space."

The wayfarers were amazed by complexities and difficulties of where their observations had led them. The fact is that regardless of movement, when there is space, time passes by. Therefore, without space, what is the standing of time? Upon hearing this, one of them said, "Every creature is a manifestation of a space. Even birth takes place in a space too. Is the womb of a mother also not a a space? Without the space of earth, a child will not grow from youth to old age. So, how will we unearth this mystery of time and space?"

The first wayfarer said, "When Adam and Eve committed disobedience, it changed the space of their bodies, and they were sent down from a higher space to a lower one. As it were the Divine Books that made us aware of Adam and Eve, they too will guide us to the answer."

The third man whose eyes were affixed on the vastness of the sky said, "Day, light and *Yaum* are spaces. God says, 'My one-day comprises 50,000 years.' 'My one-day is of 10,000 years.' And, 'My one-day constitutes 1,000 years.' This elucidates that the shortness and length of the day is relative to the contraction and expansion of space, and this act of contraction and expansion indicates the presence of time."

One of them explained further, "I have an example. We use the space of our eyes to read the newspaper, and read it with a voice, which is also a space. If there is no distance between the newspaper and its reader, the words will not be readable. This proves that every object, the dimensions within it and the sustenance of these dimensions are rooted within space. What about us? Are the three of us not spaces too?"

They all replied in affirmative and asked in unison, "So what is the conclusion of this contemplative discourse?" The third wayfarer said, "Life is sustained upon time and space, and time and space are known through each other. Every creature is identified through its space. Before the stage of identification, the spaces within the creatures were subservient. If we surrender our will (space) to God, we can go back to the realm where we were present before coming into this world."

Upon hearing this, the wayfarers were immersed in deep thoughts…

The Three Wayfarers

Two wayfarers, one short and the other tall, walked along a road. Though their pace appeared to be the same, the taller man had longer strides, and hence covered more space than the shorter man. Whilst immersed in conversation along the way, they paid no attention to the distance they had covered. During their journey, they came across a man who was traversing the path alone, so he joined their company. The third wayfarer was fairly tall.

As the three walked on, the road they left behind disappeared from their sight, and the path ahead stretched out before their eyes. Just as the space (road) beneath them slid through their feet, so too did the time tick by.

One of them looked at his watch and said, "It has been twenty minutes since we began walking together. This means that twenty minutes have passed as the ground beneath slid through our feet in yards and furlong."

Another wayfarer posed a question, "We are moving forwards, and yet the road is moving backwards. Is it the road that pushes us ahead?" The first wayfarer replied, "If it is so, and we have walked for twenty minutes, what is the standing of these twenty minutes then?" The third gave his opinion, "What I have understood from this is that when we take a step forward, one foot remains on the ground whilst the other is suspended in the air. What lies between the two feet as we take a step forward is termed as space. The duration that passes as this action is carried out, even if it is a fraction of a second, is referred to as time."

The wayfarers decided to rest under a dense and shady tree. After a pause, one of them said, "Have you noticed that we are sitting in a triangular formation, without having intended to do so? Could this be a coincidence, or is there some wisdom behind this?"

The shortest of the three exclaimed in astonishment, "Look up! The shape of the tree is round like an umbrella – we can refer to this roundness as a circle. Now our positions give the impression of a triangle formed within a circle. What strikes me most is that the umbrella is rooted firmly into the ground we sit upon. Earlier, as we walked, the earth slid back through our feet, and now that we sit, the earth is stationary. Does the round shape of the tree and our triangular formation contain the same meaning?"

The third man added, "Friends, the roundness of the tree is rested upon its

able to see a link across all natural manifestations. The natural system and human beings have a strong contact. Whether or not it is accepted, every creation of our Earth, celestial bodies and other creatures of universe are connected with human intention.

As per scientists, whatever name we give to this ownership of this system of Universe - whether nature or God – every species benefits from it without distinction. And all the species and bodies including humans, sun, moon, ocean etc. are attached with this system. Ants, trees and mountains are also tied in this relationship.

What is this relationship?

Qalandar Baba Auliya (RA) says, "All the elements of *Kulliyat* (*Loh-e-Mahfooz*) are mutually conscious. Whether an individual is aware of it or not, an individual retains a position in *kulliyat*. Had it not been so, humans could not have sought an introduction with moon, stars or Earth. He sees all the celestial bodies which means that human senses recognise the environment outside Earth.

Mental stress today has separated man from man. It appears that every man is a different species. Stricken with pain and tension, the end of modern man appears to be horrendous. According to Qalandar Baba (RA), human restiveness is causing disturbance in evolutionary balance of other elements of *Kulliyat*.

In the backdrop of the consequences of these imbalances, Mr. Azeemi discloses a law. As soon as man develops interests in materialism, he goes farther from lights. Going away from lights means restiveness and depression. Today, mental disturbances and stress is very high.

The only way to avoid this and spend a peaceful life is to seek an introduction with man's reality. If we do that, waves of satisfaction and lights will enclose us. It is sad to note that history doesn't give us but restiveness, fear, pain and worries. Man has always been restive, poverty stricken, pained, scared and worried. Sometimes this scare, insecurity and worry go very high and sometimes low. But it is there.

"Lo, verily the friends of God are those on whom fear (cometh) not, nor do they grieve."

(Quran 10:62)

To be continued…

"Remove all the walls, so you can get closer to pure love. Have principles, but do not use them to exclude or to judge others. Stay far from idols, specially from those you made from your own prinicples. Have a powerful faith, but do not play the powerful."

— Hazrat Shams Tabrezi (RA)

ii

Figure 3

Figure 4

streets and roads. Question arises as to how all these met their end like that. Experts have even discovered landing area of aircrafts.

In the Gulf of Naples, the divers have seen huge statues underwater.

More interesting are 3500 years old ruins of Egypt. The wonders of Egypt are still underwater along Alexandria.

How all this went under water? The disaster was so sudden that highly modern technologies cannot explain its coming about or correctly inform about contemporary culture, society and religious beliefs. They do mention certain possibilities but geologist and other experts do not provide exact information about Moenjodaro, Crete Island or Maya civilizations. Science points to certain possibilities and leaves us there.

We have only one witness to whatever has been happening on land, that is, ocean.

While interpreting disasters, Mr. Azeemi says, "Wherever there is a disaster in the world, whether it is big or small it is due to imbalances in frequencies. This universe is functioning under a system. In this system, each element is connected with the other. Transformations in the quantities of frequencies disturb the whole system. The scientists call it Ecosystem.

For the survival of the system, there is a need to maintain balance in all the elements of Ecosystem. Every individual is duty bound to run this system in a balanced way. Sun, moon, wind and oceans have their duties."

In the modern world, everything is marked by scientific development which depends on material equipment.

Science today knows galaxies, solar system and their relation with our Earth, humans, animals and plants. But it is not fully aware of the impact they have inside animals and plants and how do they change their condition.

If the background of accidents is studied and interpreted as per neutral thinking, we would be

Reality and Materialism

As soon as man develops interests in materialism, he goes farther from lights. Going away from lights means restiveness and depression. Today, mental disturbances and stress is very high.

While interpreting the evolutionary processes in this Universe, Qalandar Baba Auliya (RA) says:

What is this "to be and not to be?" who knows!

What does the fate ordain? who knows!

All the secrets of galactic movements are great, but

Who knows what Sun conceals!

While standing on the shores, viewing vast blue ocean on whose horizon it meets skies; one enjoys the scene of waves hitting shores and then retreating, puffs of pleasant smell around, humming breeze – all this is captivating our senses. Whether swimming near shores or sun bath or healthful massage—ocean has always given humanity and other species good tidings of life.

Under natural laws, the beaches of Indian, Atlantic, Pacific Oceans and Caspian Sea, on one hand, offer best recreational facilities to people in summers and on the other hand, they give life to the men and women of all ages. Two decades ago, these beaches were perfectly secure. But things are different now.

Before the Boxing Day on 26 December 2004, the beaches of Thailand on the Indian Ocean were quite attractive for thousands of people. But on that day, international media exploded with the news of disaster on these beaches caused by a disastrous 100 feet high tsunami.

It was a wave that brought natural disasters in its wake. This wave uncovered a two thousand years old civilisation hidden under water near Tamil Nadu, India. The story of Seven Pagodas emerged out of the Ocean like the pagoda shown in Figure 3 near Mahabalipuram. The local people and priests saw the glimpse of the temple complex at 500 meters in the Ocean.

Marine scientists and geologists have discovered under water ruins of several civilizations through scanning technology. The carbon dating technique informs that these civilizations existed 2 to 8 thousand years ago. These include underwater civilizations of Caspian which are telling the story of their past greatness.

As per Figure 4, the civilization that drowned 5000 years ago still have European paintings, sculptors and architecture. But their denizens are only marine life. The impact of time has left mostly stone structures and underwater

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

ample of 64-yard house which is an example of extreme poverty, or a three thousand yard stretch of land! Without paying for it, no one can claim their ownership.

"Similarly, water is an integral source in the lives of humans. Whether you have a water storage system well placed in your homes, or you get water from tankers, pay tax to the water board or do other things to avail water, you will not get water unless you make effort to get water."

"To overcome darkness, you need light. The known name of that light is electricity. One has to pay, even for the consumption of just one unit."

"God forbid, if anyone needed oxygen in the case of an emergency, we would have to pay a certain amount for it. In cases of a heart by-pass, we pay about 300,000 to 700,000 rupees for the surgery."

"On the contrary, how much do we have to pay for the sunlight, summer, rain, spring, fall, and moonlight? How much do we pay for the billions of watts of sunlight we use?"

"Billions of people across the earth would reply the same that all of these resources are provided to us for free by God."

Dear readers of *Monthly Qalandar Shaoor,* please notice the time on the watch and for three minutes thirty seconds ponder over these questions.

Wake up early in the morning and pray. After that, sit in a comfortable posture, close your eyes and contemplate, focusing on this one thought: What is life and what is it not? Compile the outcome of your contemplative thought process and send it to us.

A martial artist was watching his students practice. He noted that one of his students was having trouble perfecting his technique, as he was nervous about the presence of other students around him. The master called the student and asked, "What is the problem?" He replied, "Sir, I have no idea. I am trying really hard to perfect the moves, but nothing is working. This is frustrating."

"Before attaining proficiency in what you are doing, you must first know what harmony is," said the master. "I will explain it to you, come with me."

The master took the student to a nearby stream, and said in a gentle tone, "Observe the stream. There are so many rocks around it and on its way, but do you see it smashing into them out of frustration? Rather, it is making its way around them. You will know what harmony is, if you be like water."

The student followed the master's advice, and soon, he was unnoticing of what the others were doing. In this way, in a short time, he became proficient in executing the moves and techniques.

for all our shortcomings, and vow to renunciate from all sins and not to commit such mistakes again. God is Merciful, Compassionate, Forgiving and Loving. He loves us more than the combined love of seventy mothers. God says that if someone even commits a thousand mistakes in a day and seeks His forgiveness honestly, He will forgive all of them.

The great Sufi Master, Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) once said, "A man is unhappy because he does not even know what happiness is. People are not acquainted with happiness at all. We should explore happiness in our lives and analyse what it is. Happiness is the blessings from our Lord Almighty that we utilise and attain benefits from on a daily basis, but never ponder upon them."

Once a man and a woman expressed their fears:

- Grief has overcome us.
- Fear frightens us.
- We see dreadful nightmares.
- We are sleep deprived.
- Troubles haunt us.
- Diseases are after us.
- We are alive! But life is draining us.
- We do laugh, but our laughter and smiles are fake.
- We cry, but it is a tragedy itself, as it does not wash away the burden over our hearts.
- What should we do? How should we stay happy?
- Dying every moment in this existence does not tantamount to living.
- It appears that our hearts are filled with grudge and malice.
- Our thoughts have become toxic… We aren't even happy over pleasant things.
- What is peace? We don't know.
- What is harmony? It has become a big question for us.

A *Faqir* (a friend of God) listened to them and asked,

"Do you know where you were, before arriving in this world?"

They said that they did not know.

"Are you aware of the fact that God gave you brains to think, eyes to see, and how a vibration of your lips supports your speech? Also, did you just feel a sensation on the tips of your fingers." They replied, "Yes, we do, and it happens quite often with everyone."

The *Faqir* asked, "But if the sensation stops from where it is originating, then what would happen?"

"This is a sign of paralysis."

The *Faqir* said, "This means that you do not know anything about yourself, and even if you do, what is it that you know? Your answer itself will suggest that you do not know anything. We all know that there is a law of ownership in effect in every country and nation. This law states that ownership cannot be claimed unless one pays for it. Be it an ex-

and that if he does not steal, his hands ache. He said that his mind contrives several ways to carry out theft and that he follows them."

Shah Abul Muali (RA) continued, "I gave him permission to steal, but also told him that his habit should not hurt anyone."

The disciple was loyal, so he promised to follow orders.

Shah Abul Muali (RA) told his disciples, "Therefore, do not look for the one who steals your shoes. He is your brother. Look for your shoes here and there, and you will find them, but this way, he will be able to weed out his bad habit. The promise of your brother is true, you will not get hurt."

Dear readers, please read out this account to your elders, and ask them if the method Shah Abul Muali (RA) chose to rectify the stealing habit of his disciple was correct or not?

The question arises: how does one stay happy? May God bless us all with obedient children, but let's assume, if they become insolent, how can a parent remain happy? If someone can own a palace, and someone else has a wooden hut to live in with the roof leaking in rain, then how can the person living in the hut be happy? If somebody has a car worth four million, whereas someone else does not even have a bike, then how would the poor individual feel? These were the questions a revered disciple of Qalandar Baba Auliya (RA) had once asked him. The Great Sufi Master, Qalandar Baba Auliya (RA) advised him three things for a happy life:

1) "Firstly, be thankful for what you have and do not complain about what you do not have.
2) Secondly, make effort. God Almighty has promised that He will not let anyone's endeavor go in vain."

If you take both factors into consideration we come up with a new equation; for instance, while we are grateful to have a transistor radio, we should struggle for a TV. What he wanted to say was that one should be happy for whatever they have and not complain about what they do not, and instead, work hard and endeavor to achieve it.

3) "Never set expectations with anyone but God Almighty."

The next question that arises is; what is unhappiness? Unhappiness is the unawareness of happiness. All around us, there is only happiness in the world… up and down, left, right and centre and in all directions there is nothing but happiness. If we bump into unhappiness, it is a result of our own failings and shortcomings.

We should always adhere to patience in our lives, because no situation stays the same. God says, "God loveth the steadfast." (Quran, 3:146) If we commit any wrongdoing, the best way is to repent with trueheartedness

the same.

"If you are not thankful to people, you will not be thankful to God either." Those who are not content with the little they have, will not express their thankfulness even if they receive in abundance.

Prophet Solomon (PBUH) was blessed with the kingship of an expansive kingdom. He understood the language of animals and birds, had control over the wind, and Jinn obeyed his commands. He was a thankful bondsman of God Almighty, and he once prayed, "My Lord, arouse me to be thankful for Thy favour wherewith Thou hast favoured me and my parents, and to do good that shall be pleasing unto Thee, and include me in Thy righteous slaves." (Quran, 27:19)

God has favoured us with His blessings and if we express our thankfulness to Him, we will never feel worried, and will stay happy forever.

Seeking advice from our elders is another thing to thank God for. It means that God has provided us with an opportunity to eradicate shortcomings, deficiencies, and mistakes and incorporate righteousness in our lives. God has given us the authority over what we choose in our lives.

A person gambles, but if he is questioned why they do so despite knowing its negative impacts and results, the gambler accedes it as a bad habit and a sin, and advises others not to copy them.

It is to be pondered upon why a gambler advises others to abstain from gambling? Only because they are fully aware of the consequences of the meaningless act. Once they may attain profit, but they may lose five times. Despite facing losses, winning for the first time creates greed within them. That greed becomes binoculars for their eyes, as it only shows things at a distance and not nearby.

A thief steals; irrespective of possible risks, dangers and fears, they will not desist from stealing. To describe this situation, there is a proverb, "*A wolf may lose its teeth, but not its habit.*"

There is a shrine of Shah Abul Muali (RA) in District Saharanpur (U.P), India. In his era, people from far and wide visited his *Khanqah* (School for spiritual education) to acquire education, as well as to correct and reform their conditions. There was a proper system in place; arrangements for food and lodging, and an educational system was offered to the guests and participants. Once a devout man arrived there and registered himself as a student in the academy. A few days later, the shoes of the attendees in the *Khanqah* started disappearing. When it continued to happen, the followers reported the matter to Shah Abul Muali (RA).

He uttered, "One of your brothers used to be a thief. When he arrived here, he confessed to me that he is unable to quit his habit,

The Path to Happiness

God has favoured us with His blessings and if we express our thankfulness to Him, we will never feel worried, and will stay happy forever.

Once, the Angel Gabriel (PBUH) visited Prophet Muhammad (PBUH) and said, "If you wish, I can turn these mountains into gold." Prophet Muhammad (PBUH) answered, "I feel proud for the life that is bestowed to me by God Almighty."

God said to Prophet David (PBUH), "Be thankful, as those who express gratitude are not many."

Thankfulness is a great endeavour. Being grateful increases spiritual abilities and the mind remains focused towards God. It is a great reward and a Grace of God upon us.

The literal meaning of thankfulness is to be grateful. Being grateful means:

- To happily use everything God has blessed us with.
- To help others with what has been given to us.
- To strictly bear in mind that all the blessings and abilities are bestowed to us by God.

The wisdom behind thankfulness, as defined by Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA), is that we should utilise all God-sends with happiness. For instance, if God gives us great clothes to wear, we decorate them in closets and never wear them, it is in contrast to expressing gratitude. If we wear them, we should not only feel great and comfortable in them, but we should also express our thankfulness to the Provider of the outfit. As a result, we will be counted among the grateful people of God.

"And verily We gave Luqman wisdom, saying: Give thanks unto God." (Quran, 31:12)

It means that Hazrat Luqman (PBUH) was given wisdom, so that he may use it, attain its blessings, then cure and benefit others with it.

Narrated by *Ummul Momineen* Hazrat Aisha Siddiqa (RA), "Prophet Muhammad (PBUH) used to practice *tahajjud* prayer at nights for a very long time, such that, his blessed feet would swell." I asked, "O' Prophet of God! Why make so much effort when God Almighty has already declared boon and absolution for you?" He answered, "O' Aisha! Shouldn't I become a grateful fellow of my Lord?"

Prophet Muhammad (PBUH) has said,

"Praising God is the foundation of gratefulness, and if someone does not praise God, they did not express their gratitude to Him."

Prophet Muhammad (PBUH) used to express thankfulness to God and advised others to do

the old saying, "Tell me who your friends are and I will tell you who you are."

A study elaborates on the effects of using positive words. A large group of adults were asked to write down three things that went well for them throughout the day, and were told to include an explanation as to why. This was a gratitude exercise. Over the next quarter, their levels of happiness began to continually increase, and their feelings of depression began to decrease. This still rose even after they discontinued the experiment after a few months. This proves that by focusing and reflecting on positive language, thoughts, feelings, and emotions, we can improve our overall well-being and increase the functionality of our brain.

To have positive communication, we must try to limit ourselves to speaking for 20-30 seconds. Every sentence has about 4 parts of information; when we speak slowly, the brain quickly adapts and filters out irrelevant information. Also, when we speak less, we interrupt our ability to express negativity.

Let us explore some seeds of positive words that you can plant in every one you meet on a daily basis, as part of the 20-30 second conversation rule:

- *As-salamu alaykum*, I hope you are well.
- You are most welcome. I am happy to be of use anytime.
- I am so happy to see you today.
- You look amazing.
- What a beautiful day it is.
- Thank you for all that you do. Your kindness overwhelms me.
- If you need anything, just reach out.
- I am very grateful for everything in my life, especially friends like you.
- I really admire the way you conduct yourself.
- You have a large, giving heart.
- God is so kind to us.

Kindness and positivity are precious yet inexpensive gifts you can shower upon everyone. You never know what a person is going through when you shower them with appreciation. All it takes is kindness to reinstate faith in humanity. Let us build the most powerful and positive universe by being mindful of what we speak.

The first step towards being a positive person is to embrace only positive thoughts. When the mind is constantly engaged in positive thoughts, they flow out as positive words. Constant speech of positive words becomes the foundation of positive behaviour. Continuous demonstration of positive behaviour, forms a positive value system. By upholding a positive value system, one adopts a positive personality. A positive personality brings positive impact on the society which then ripples into a positive tribe, positive society, positive nation, and finally, a positive universe.

meet a person with a positive aura, or even when someone stands silently around them, they feel positively transformed. When a person with a strong positive aura delivers guidance, the listeners feel instantaneously aligned to peace and feel healed from the grip of negativity and stress. This is because when the listener enters the auric field of the person who speaks positive words, they absorb the energy within them and become one with their energy.

Now that we understand the power of positive words, we must also understand our responsibility in how people are shaped when we hurl negative words at them. Words are sharper than a sword and slice hearts, sometimes breaking them beyond repair. They are more dangerous than most life-threatening diseases in the world. The question to ask one's self is, what do people say about being around us? What do they say about the conversations we strike? Do people try to slip away from our company?

The art of positive conversation is being able to express one's opinion without hurting the listener. One need not sacrifice honesty in order to be kind in a conversation. When one resorts to positive worded conversation, it means that one has assumed the responsibility of the wellbeing of the conversationalists around them. Positive conversations are very contagious. When one is kind, compassionate, understanding and loving, the tone in the room immediately changes and positivity begins to weave its magical matrix: beautiful relationships blossom and grow.

Whereas, when one starts a conversation in a rude tone and bursts out in anger, it will cause a ripple in the environment and many a good-hearts will be hurt under the backlash of egos. The atmosphere will be filled with vengeance, frustration and distress. We can therefore be the cause of positive or negative ripples wherever we go. When you make positive words and conversations part of your personality, the eyes of people in gatherings light up when you make a grand entry. On the other hand, if you are known to impact people with negative words, you will find people trying to avoid eye contact with you.

People may forget what you have said, but they never forget how you made them feel. Words are like seeds that birth into an experience of life. When you plant a seed of a positive phrase in someone, it grows them into a positive person, and the same holds true for a negative seed. If you wish to be a part of a positive universe, you must focus on planting positive seeds of affirmation and compliments in everyone you meet. Positive people are the mantle of hope for a society that suffers from insensitivity, selfishness and ruthlessness. The other benefit of using positive words is that you become a magnet for more positive people. As they say, "Like attracts like." There is also

The Power of Positive Words

All it takes is kindness to reinstate faith in humanity. Let us build the most powerful and positive universe by being mindful of what we speak.

Have you entered a room full of people and suddenly felt a sense of wanting to run away? Or have you at times felt happy for no reason as you entered a gathering? It is the matrix of energy created by the people in that room that attracts or repels one from being in their company. How does this matrix of energy form? It is the power of words that are being uttered silently in the minds of people, or the words that are being spoken aloud that affects the energy in the space. The power of words creates a positive or negative environment around us.

The authors of the book 'Words Can Change Your Brain' write, "A single word has the power to influence the expression of genes that regulate physical and emotional stress." Research proves that when one uses words like love, kindness, peace, etc. we can modify the functions of our brain, increasing cognitive reasoning and strengthening the areas of the frontal lobes. However, when one uses negative words, it prevents the production of certain neurochemicals, which then lead to stress. This is because when we are influenced by negative words, our brain's fear center begins to release stress-producing hormones into our system. These hormones interrupt the process of reasoning and logic and we enter a state of mind where we say, "I cannot think straight." When you use positive words on yourself and others, you see good in others and let them see the good in you; while negative words move both speaker/ thinker and others, to self -doubt and suspicion.

Let us attempt to understand the immense power of words. A child knows if their mother is angry or in a playful mood by the words she uses and the tone of her voice. When a mother is angry, a child may immediately crouch and hide in a corner, afraid to be found. While the soothing voice and sweet words from a mother makes a child run to her at top speed so that they may embrace her with all their might. With the above examples, we understand that words and the tone in which they are spoken have an impact upon the listeners. Why does this happen?

The power within words is in the form of energy. When one is constantly engaged in positive conversations, one continuously transmits positive energy to others. This constant positive transmission of energy weaves a strong field around the person. This field of energy is referred to as the auric field of that individual. The auric field of a person transmits the positivity within it to all without discrimination as they enter it. Therefore, when a person stops to

Profit and Loss

A man who had gone out of his town returned, and on arrival, somebody came running towards him and broke this bad news to him that his house was on fire.

The news shocked him, and drained him so much so that he felt his legs going limp. The images of his young children and wife flashed in his mind who he assumed to be in the house at that hour of the day.

It was one of the most beautiful houses in the town, and the man loved the house so much that he was not ready to sell it even at double the price, and now it was just burning before his eyes. His family fortunately, were rescued in time, and they were unscathed.

Hundreds of people had gathered, but nothing could be done. The fire had spread so far that it was now out of control.

Then, one of his sons came running and whispered in his ear, "Do not be worried. I sold it yesterday at a very good price. The offer was so good, I could not wait for your return."

The father heaved a sigh of relief and said, "Thank God! It is not ours now!"

Then he also stood, watching the house crumbling down, just like everyone else.

After a while, the second son came running, and said in bewilderment, "What are you doing? The house is on fire and you are simply watching it burn?"

The father said, "Don't you know? Your brother sold it."

The second son said, "We have only received the first installment. It has not been settled fully. I doubt that the man will now purchase it."

The father's face was now drenched with tears, and his body was sweating profusely. After a short while, his third son came said, "That man is a man of his word. I have just spoken to him. He said that no matter what, this property belongs to him, as none of us knew that it would catch on fire. He has promised that he will pay the price that we have agreed on."

Then all of them stood and watched the house burn without a worry...

Greatest Creator, God – Who has no equals.

Humans, any other specie or a member of any specie is dependent upon two aspects. One of the aspects is called wakefulness, and the other is called dream. Wakefulness and dreams are mentioned in the Holy Quran as day and night. Contemplating the verses of the Holy Quran related to day and night makes it clear that there is only one set of senses. Senses only alternate, such that, when these senses enter the pattern of night, they become a dream, and when they enter the day, they become wakefulness.

God says, "He maketh the night to pass into the day and He maketh the day to pass into the night." (Quran, 35:13)

"A token unto them is night. We strip it of the day, and lo! they are in darkness." (Quran, 36:37)

This means that human senses change into day and night alternately. During the day, the senses are restricted but when they enter the night, there is no restriction upon them. When we discuss *Ilm-e-Ghaib* (the knowledge of the Unseen) we in actuality are referring to senses of the night.

"And when We did appoint for Moses thirty nights, and added to them ten, and he completed the whole time appointed by his Lord of forty nights." (Quran, 7:142)

It is important to reflect that Prophet Moses (PBUH) spent 40 days and nights at the mount Sinai. This does not mean that he went to the mountain during the night and returned during the day. However, it does mean that Prophet Moses (PBUH) spent 40 days and 40 nights under the influence of night senses.

"Glorified be He Who carried His servant by night from the inviolable place of worship to the far distant place of Worship."

(Quran, 17:1)

The Revelation of the Unseen

This means that unseen realm was revealed to Prophet Muhammad (PBUH), and he was blessed with the nearness of God under the senses of the night.

Any knowledge, whether learnt or transferred is based on contemplation. New varying philosophies come into existence as the circle of the research spreads far and wide. This is the principle that works behind the development of science. Every intellectual contemplates and reaches a conclusion. The intellects who come after them take their lead and work on that knowledge to spread it further.

As minds begin to accept the explanations, or the consciousness becomes familiarised with inspirations and metaphors, the consciousness tends to travel deeper. The Holy Quran, through examples has invited people to seek knowledge.

(Episode 6)

causeth water to fall from the sky, and We produce therewith fruit of divers hues; and among the hills are streaks white and red, of divers hues, and (others) raven black." (Quran, 35:27)

"Hast thou not seen how God hath sent down water from the sky and hath caused it to penetrate the earth as water springs, and afterward thereby produceth crops of divers hues; and afterward they wither and thou seest them turn yellow; then He maketh them chaff. Lo! herein verily is a reminder for men of understanding." (Quran, 39:21)

Veil in the Sea

"He hath loosed the two seas. They meet. There is a barrier between them. They encroach not.

(Quran, 55:19-20)

"He will let loose the sky for you in plenteous rain."

(Quran, 71:11)

"And will help you with wealth and sons, and will assign unto you Gardens and will assign unto you rivers." (Quran, 71:12)

"And placed therein high mountains and given you to drink sweet water therein?" (Quran,77:27)

"And have sent down from the rainy clouds abundant water. Thereby to produce grain and plant, and gardens of thick foliage." (Quran,78:14-16)

"And produced therefrom the water thereof and the pasture thereof." (Quran, 79:31)

"Let man consider his food. How We pour water in showers. Then split the earth in clefts. And cause the grain to grow therein. And grapes and green fodder. And olive trees and palm trees. And garden closes of thick foliage. And fruits and grasses: Provision for you and your cattle."

(Quran, 80:24-32)

Stream of Divine Light

Prophet Jesus (PBUH) said, "I am filled with the love and closeness of God so much that I have become a stream of Divine light."

Tens of Millions of Solar Systems in the Universe

"God is the Light of the heavens and the earth. The similitude of His light is as a niche wherein is a lamp. The lamp is in a glass. The glass is as it were a shining star, kindled from a blessed tree, an olive, neither of the East nor of the West, whose oil would almost glow forth, though no fire touched it. Light upon light, God guideth unto His light whom He will. And God speaketh to mankind in allegories, for God is knower of all things." (Quran, 24:35)

Three Spiritual Knowledges

Spiritual knowledge is divided into three chapters. The first chapter consists of activities on an individual level, looking at proportions of life and creative formulas. The second chapter consists of the formulae of the creation of species, and the third chapter is about the introduction to the

Prophet Jesus (PBUH)

Wakefulness and dreams are mentioned in the Holy Quran as day and night. Contemplating the verses of the Holy Quran related to day and night makes it clear that there is only one set of senses...

The Signs of God

"And of the fruits of the date palm, and grapes, whence ye derive strong drink and (also) good nourishment. Lo! therein, is indeed a portent for people who have sense." (Quran, 16:67)

"And We send down from the sky water in measure, and We give it lodging in the earth, and lo! We are able to withdraw It. Then We produce for you therewith gardens of date palms and grapes, wherein is much fruit for you and whereof ye eat."

(Quran, 23:18-19)

"And a tree that springeth forth from Mount Sinai that groweth oil and relish for the eaters."

(Quran, 23:20)

"Hast thou not seen how God wafteth the clouds, then gathereth them, then maketh them layers, and thou seest the rain come forth from between them; He sendeth down from the heaven mountains wherein is hail, and smiteth therewith whom He will, and aversteth it from whom He will. The flashing of His lightning all but snatcheth away the sight."

(Quran, 24:43)

"Is not He who created the heavens and the earth, and sendeth down for you water from the sky wherewith We cause to spring forth joyous orchards, whose trees it never hath been yours to cause to grow. Is there any God beside God? Nay, but they are folk who ascribe equals (unto Him)!" (Quran, 27:60)

"God is He who sendeth the winds so that they raise clouds, and spreadeth them along the sky as pleaseth Him, and causeth them to break and thou seest the rain downpouring from within them. And when He maketh it to fall on whom He will of His bondmen, lo! they rejoice. Though before that, even before it was sent down upon them, they were in despair". (Quran, 30:48-49)

Colourful Mountains

"He hath created the heavens without supports that ye can see, and hath cast into the earth firm hills, so that it quake not with you; and He hath dispersed therein all kinds of beasts. And We send down water from the sky and We cause (plants) of every goodly kind to grow therein."

(Quran, 31:10)

"Have they not seen how We lead the water to the barren land and therewith bring forth crops whereof their cattle eat, and they themselves? Will they not then see?" (Quran, 32:27)

"Hast thou not seen that God

refuge of the One God, who is the only True Saviour. When the bond of the *mureed* and *murshid* grows to a state that the *murshid* becomes the *mureed's* only focus, the closeness with God that the *murshid* beholds within themselves begins to transfer into the *mureed*.

The mind followed up with yet another question, "How do I make this bond with my *murshid* strong and make him my only focus?"

The heart smiled as before and fondly said, "A declaration of love is only a mesh of words with no spiritual connotation. It is not enough to merely announce surrender. It is not enough to submit one's achievements, family ties, career success, or the love for their children at the feet of their *murshid*. These proclamations are an illusion of submission up until the point that the *mureed* experientially feels that they have no one in their focus but their *beloved*."

"And is this why the *murshid* takes the *mureed* through life experiences that helps them achieve the state of *Istighna*?" asked the mind.

"Indeed, yes! It is only when the *mureed* repeatedly goes through cycles of experiences of life, that they are brought to a state of detachment and total surrender, which is *Istighna*. They will realise how vast the difference is between the words they utter when speaking of love and faith, and the true state of love and faith within their heart."

Eventually, the *mureed* is ashamed of their own infidelity, and come to the realisation of what they lack, finally submitting themselves to the Will of God, plunging deep into the ocean of love and faith."

The heart and mind sobbed in ecstasy, as they reminisced on the following verse from the Holy Quran:

"And verily, if thou shouldst ask them: Who created the heavens and the earth? they will say: God. Say: Bethink you then of those ye worship beside God, if God willed some hurt for me, could they remove from me His hurt; or if He willed some mercy for me, could they restrain His mercy? Say: God is my all. In Him do (all) the trusting put their trust." (Quran, 39:38)

❁ ❁ ❁

The True Origin

"You think of yourself as a citizen of the universe. You think you belong to this world of dust and matter. Out of this dust you have created a personal image, and have forgotten about the essence of your true origin" – Maulana Jalal al-Din Rumi (RA)

is the antidote to disobedience?"

The heart's smile widened as it said, "The Spiritual Master, Khwaja Shams al-Din Azeemi, has time and again emphasised on the state of *Istighna* (complete surrender to the Will of God Almighty). He has shared how a spiritual master works to bring each of their students to this intense state of existence. *Istighna* is the prophetic way of living and is the only antidote to all problem mankind are facing. This pattern of thinking accepts that there is no 'I', as it is in complete surrender to the Will of God. One acts with the pure intention to do everything for God, understanding that whatever they receive is from Him and whatever is taken away is also due to Him. The only right of choice that has been given to every soul, is the choice to either reject or accept the Will of God. God says, 'Those firmly rooted in knowledge say: We believe in it; it is all from our Lord alone.'"

"If everyone surrendered to the Almighty God as the only Provider, greed would not exist. Mankind would stop hurting the planet in its desire to hoard material possessions for themselves, remaining in the absolute faith that they will be given their share of resources by the Beloved Creator."

The mind smiled. It was finding a lot of peace in the company of the heart and it asked another question, "Do you think we can replay the teachings of our spiritual master, and listen to it until it embeds itself into our every cell?" The willing heart excitedly replied, "Yes! Let's do this!"

The spiritual master's voice played within me,

"*Istighna* is keeping one's focus on God such that no matter what occurs in life, their minds involuntarily move towards Him and no other entity. This intense state of being is brought forth through infusing the thoughts of the *mureed* (spiritual student) with worry, news of disease, and taking them through an ocean of doubts or lack of faith to raise a furor in their minds. This trial has a gestation period and can range anywhere from a day to ten years. During this period, the *mureed*'s mind will be laden with heavy deposits of thoughts that are filled with lack of faith, doubts and hopelessness. As this infused film is displayed in the mind of the *mureed*, they are greatly disturbed by them. When their frustration reaches its peak and final test, the *murshid* delivers the *mureed* from their current problems and forces them through another problematic situation. When the *mureed* is out of the second trial, they are put through a third challenge and so on. After the *mureed* goes through repeated cycles of challenges, they enter into the state of *Istighna*."

Thinking on this, wisdom descended upon the heart. It realised that if there are no trials, there can be no submission. It is only when one is walking through the path of fire and thorns, that one seeks the

ii

at every moment of his life? How then will we followers wish for the hearts of our brothers and sisters to be sealed forever by God, with no chance for them to reform whatsoever?

If at all, we must try to light the lamp of the love for God in their hearts and bring them to a state of total surrender. This attempt and strive is constant. The darkness within them is merely the absence of light. We are the light workers who must bring awareness first into our own hearts, and then let the light shine through us onto them."

The mind spoke again, "I have seen moss grow upon the roots and bark of trees. The tree has never been insecure of the moss that covers it. Neither does the moss fret that it is always at the base of the tree, never rising high to see the sky. I see no ego tussle between them – they both coexist peacefully. There is no assertion of who is superior or inferior. They are not constantly unhappy with where and how they are ordained to live. I have seen the birds fly high in the sky. I have seen them walk on soil and perch on trees. Never has the sky, earth or trees compared their proximity with the birds, nor have we seen them claim possession of them. In the same vein, there is no expectation that the birds serve these entities back. I have observed the sun and the moon take turns to rise and set, never changing course or fighting over who is greater. I have seen the mountains standing erect for years in perfect stillness, never once complaining about any boredom they may feel, or the pain they endure when trampled over."

"Why is there such a tussle amongst humans? Why is there a constant need to prove the superiority of 'I'? Why is there a rush to hoard material things? What is this insecurity that makes them destroy one another? Why is there a fear for survival? Where is this root of discontentment stemming from?"

The heart smiled wide and replied, "The roots of discontentment stems from the seed of disobedience."

The mind grew silent for a while and then asked, "Could you elaborate on this more?"

The heart spoke, "When we do not accept the Will of God, we are in disobedience. This very non-acceptance of God's Will turned Azazil into Satan. This non-acceptance of God's Will is the reason Prophet Adam (PBUH) and Mother Eve (PBUH) were ousted from paradise. It is the non-acceptance of God's Will that brought about the first murder by man on this planet (Cain and Abel). Non-acceptance is nothing but disobedience. And when one is disobedient to God's Will, their achievements and progress are bound to result in only misery, distress, pain and discontentment."

The mind whispered, "So what

Surrender

Istighna is the prophetic way of living and is the only antidote to all problems mankind are facing. This pattern of thinking accepts that there is no 'I', as it is in complete surrender to the Will of God.

The ever-increasing negativity and inhumanity in the world make me wonder, "Why does God not bring the culprits to task immediately?"

One such day, having been thrust upon with upsetting news, I found myself in a state of distraught. Unable to handle the surge of emotions rising within me, I took a deep breath and sat myself down with closed eyes. Staring into the darkness behind my eyelids, I felt a huge stir in my heart.

The planet is dying at the hands of the greed and selfishness of mankind. Nations are either too rich or too poor. Some cities go dry without water while others waste theirs, splashing it about in luxury pools. While excess food rots away and becomes garbage in some countries, the shortage of food in others is reducing people to a state where they eat rats and grass to survive.

Murder is rampant and everything seems to begin and end in bloodshed. Disturbed minds seem to be working on dismantling peace in the world. The oceans are dumps for our garbage, breaking the ecosystem as we pile it up. The sun seems to scorch our skin now due to global warming. Diseases are becoming more and more aggressive. A peaceful death from old age is rare news whilst death by pain, ailment, accident, and crime is common.

Millions of bees are dying and with them, the natural method for pollination is coming to a disastrous end. Some species of animals are going extinct. Deforestation is uncontrolled and with it, landslides have increased. High-rise buildings have blocked the beauty of the sunrise and sunset. The air is polluted and cities are being marked as unsafe to live in.

There is an epidemic of lies, deceit, scams, and fraudulent behaviour. Societies are more connected to their gadgets than to the people around them. And due to all of this, the planet is retaliating with natural calamities, unable to take the atrocities we inflict upon her.

My mind was a whirlpool of questions and one question resonated above all, "Why are they not being punished?"

I heard a murmur deep in my heart that gained momentum until I heard it as a voice, "Do you not know how high the bar of forgiveness has been raised by the beloved Prophet Muhammad (PBUH)? He is an epitome of forgiveness. Did He not pray for the mercy of God upon the sinners

Apart from writing prose, Qalandar Baba Auliya (RA) has discussed many complex points of *tasawwuf* (spirituality) through his poetry, and chose *Rubaye* (Qua-train) which is a difficult form of poetry, as a means to express them. Just as his writings, his *Rubaiyat* (plural of *Rubaye*) too are like an enormous sea of God's secrets.

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) says in one of his quatrains:

Translation: By the grace of the beloved I am drunk on the wine of love. A thousand like me who stand quiet. From the heavens announces a Divine voice, the seeker of divine love, Azeem Barkhia, is present here.

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) informed of his passing ahead of time. Before his transition to the next realm, he said to his beloved student, "Khwaja Sahib! People who spread the mission are bound to be zealous. Do you understand?"

He replied, "Huzoor! I will bear your guidance in mind and work fervently to promote the Sufi order." Abdal-e-Haq placed his affectionate hand on Mr. Azeemi's head. He then drew circles with his fingers on his forehead and blowing upon it said, "May God be with you."

In the very early hours of 27th January, at around 1 AM, Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) was veiled from this immoral world. In one of his *ghazal* (a form of poetry), he says:

Translation: *Love is my journey, love is my dwelling.*

I am the very boat that is the sailor's craze.

I remember the day my head rested upon the beloved's feet,

That very head is now a tale for the deserts and mountains.

The candle took with it an entire era of life,

Nothing remains in the concert now, except for the ashes of a moth.

My heart survived until that face remained visible,

Now I am alienated from my heart as it is estranged from me.

It is the travern of love and it is I, Azeem.

My life is but a courageous attempt of a drunkard.

The children of Adam, in today's time are moving towards a life of conflict and destruction. Abdal-e-Haq says that,"The protection lies in adhering to the message of oneness found in the divine books. It is therefore pertinent that intellectuals understand the pattern of *wahi* (revelation) and refrain from offering wrong guidance."

"The present generations are far more hopeless than their predecessors, and the coming generations are bound to be even more hopeless. As a result, if the children of Adam were to return to one focal point, it should be none other than *Nuqta-e-Tauheed*, that is the oneness of God."

V

To write the book '*Loh-o-Qalam'*, the master and student would sit in an isolated room at 3:30 AM.

Mr. Azeemi says, "Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) while dictating, would explain the points in discussion with examples and graphs. This included the status of archangels, and the whereabouts of *tajjalliat and anwar* (stages of divine light) and their impacts. After about two hours of dictating, explaining and writing, the following day, we would sit again at the same time to complete the remaining parts. Sometimes, due to a busy day I would feel sleepy and would not be able to wake up on time, or at other times I would fall asleep while writing. Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) would always gently alert me to wake up. However, the program was never delayed no matter what the circumstances. For about a period of two years, these sittings continued no matter how the seasons blew, hot or cold. And in this way, the worthy book containing the secrets of the universe materialised."

For the pledge of allegiance, Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) ensured that Mr. Azeemi agreed to the following terms and conditions:

"You will not look into the inner of anyone, nor will you keep a weapon in your possession. Neither will you become a landlord, nor take any interest, and you will not cause harm to anyone." He then said, "You have to complete your spiritual education, memorise the laws, learn the language of the angels, remember even the lesser important things, and regardless of how unimportant something is for you, you have to muse over it."

The focal point of his training was that every action should be for God. However, centuries old traditions and consciousness that are passed on to every individual began to resist. And then the resistance exceeded to the point where the student no longer felt pain. Then one day, Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) said,

"Remember! The structure of man, and the law of God is that the nature upon which man is created, is not independent. The structure is designed in such a way that man lives a life of dependency. Therefore, it is important that you give up your independent life, and hand yourself over to God. You do not have the ability to make someone yours, but you do have this innate ability in you to surrender to someone else."

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) has demonstrated innumerable wonderworkings, some of which are stated in the book 'Tazkara Qalandar Baba Auliya (RA)'. Mr. Azeemi has provided the spiritual interpretations of the wonderworkings and has elaborated on the formulae that work behind it.

The trustee of the knowledge of the unseen, Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA), founded the Azeemia order with the permission of Prophet Muhammad (PBUH) in the month of July, 1960. As per the thinking pattern and level of knowledge of Abdal-e-Haq, the colour of Azeemia order is Qalandari.

The one who is cognisant is in search of a person to who they can transfer their knowledge. When Qalandar Baba Auliya (RA) was working at the 'Monthly Naqad', Mr. Azeemi met him for the second time. As soon as their eyes met, Qalandar Baba Auliya (RA) embraced him and kissed his forehead and eyes. From then on, they began to meet regularly. The student turned up each day at the door of the spiritual master for the blessings of rare pearls of wisdom. After Qalandar Baba Auliya (RA) was commanded by Prophet Mohammed (PBUH) to train Mr. Azeemi, who spent days and nights for sixteen years under the able guidance of Qalandar Baba Auliya (RA).

One day, the student requested for a written certificate as proof of pledge of allegiance. Abdal-e-Haq said, "My words are the certificate, and are authentic."

Mr. Azeemi felt regret for his insolence and this state of his did not stay hidden from his great master. The following day, Qalandar Baba Auliya (RA) wrote out a certificate with his pen, sealed it with wax and said, "Tie this to your arm."

Abdal-e-Haq presented the spiritual understanding of the universal formulae and brought them to the attention of ordinary people. He has explained the universe, the structure of its inhabitants, and its laws and formulas in his phenomenal book *'Loh-o-Qalam'*. Apart from revealing the details of the various realms, he also gave an insight into *Ilm-e-Ladunni* (formulae of the universe), and unveiled the secrets of the universe.

Qalandar Baba Auliya (RA) says, "The proportions of *Nasma* work in all anatomies. The multiplication and division of these proportions form *mavaleed-e-salasa* (The three kingdoms: Zoological, Botanical, Geological)."

What is *Nasma*?

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) says, "*Nasma* is an unseen light, that can be seen through *Noor* (a stage of divine light) and *Noor* is a light that not only makes itself visible, but unveils other forms of lights too."

While on this subject, he has discussed a few formulae in his book *'Loh-o-Qalam'*. Such as,

Water = Sense of white colour + Hydro + Thin + Scattered + Reflective + Tasteless + Sense of Smell + All types of Sound + Transparent + Subtle + Cold + Hot + Mobile + Flow + Melt + Cohesion

Iron (Steel) = Sense of black colour + Hard + Heavy + Rough + Cohesion + Sour + Melt + Thick

tions were like an inactive dummy. The law of *A lastubirabbikum* (Am I not your Lord?) conveys that one hears through the power of hearing blessed by God, sees through the sight granted by God, understands through the understanding provided by God, feels through the senses given by God and speaks through the ability also granted by God. The stages of 'La' begin when a person realises that their body is like a garment and the attributes of God have surrounded it. Abdal-e-Haq has explained this concept with the example of *thoughts* with the following:

"To attain in-depth knowledge about anything, first and foremost we must forget what is already stored in our minds. One must begin exploring from the point of origin, what a human being is. A human being is a mere collection of waves of thoughts gathered in a certain sequence and nothing more. A river is flowing. As long as the water in the river remains in the ambit of the two shores, the human senses are unable to perceive things flowing along the waves. However, during a storm, the water in the river begins to overflow. As a result, the human senses are informed about the disturbance, scattered and meaningless thoughts rushing into them from somewhere. Due to one's inability to organise these thoughts, the individual does not try to understand the meanings in them and moves on. There is another form of thought, wherein the human senses pick things floating in the water, arrange them in a certain sequence, extract meanings out of them and call it their own creation. This act is referred to as innovation or a new set of knowledge by eminent intellects."

The study of the lives of pious people reveals that out of all their distinctive traits, one is most prominent i.e. being neutral minded or '*Rasikh Fil Ilm*'. The spiritual journey for the disciple does not begin without being neutral minded.

To acquaint people with peace, Abdal-e-Haq Qalandar Baba Auliya (RA) imparted knowledge of the paradigm of neutral thinking. He said, "Every person has two ways or patterns of thinking. One is of a plaintiff whereas the other is neutral. However, reality reveals itself only to those who look into things with an unbiased approach. This attribute of inquisitiveness has been given to every individual so that nobody in the world is deprived of the understanding and right judgement of situations."

A neutral person does not assume or add their own interpretation to circumstances; rather they accept the guidance of the conscience. The conscience is the *Noor* (a stage of divine light) of the inner, and it is spread everywhere. When a mind is fixated on the point that everything is from God, a sight is activated that sees the *Loh-e-Mahfooz* (preserved tablet).

Azeem (RA). Thus, through this relation, Baba Taj al-Din (RA) is a maternal grandfather of Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA).

For nine years, Nana Taj al-Din (RA) conducted the spiritual training of Syed Muhammad Azeem (RA). The stages of spirituality where both grandson and grandfather are stationed at, can be understood through the poetry written by Muhammad Azeem Qalandar Baba Auliya (RA):

Translation: This is your grandson who remains unquenched of his thirst, despite drinking an entire river. Grant him the sea of Divine light, O' nectar of Truth, O' stream of wisdom of Ali.

After the passing of his mother, the honourable Saeeda Khatoon (RA), Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) remained busy in raising his siblings. During this time, as per the orders of Nana Taj al-Din (RA) he got married in the city of Delhi.

Once Pakistan was incepted, he moved to Karachi. Before moving to Karachi, he was associated with journalism and also edited the works of poets. However, after the migration, during the initial stages, he earned his living by fixing electric fuses. But when his knowledge spread amongst the literary circles, he joined the Dawn newspaper. It is here in the Dawn newspaper office that he met his prized student, Mr. Azeemi.

Through the highs and lows of life, his progress on the path of spirituality continued.

In the year 1956, Qutub Irshad (a post in the administrative system of God) Hazrat Abul Faiz Qalandar Ali Suhrawardi (RA) visited Karachi. He taught Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) the complete lessons of Qutub Irshad and blessed him as his successor. Later on, he was blessed by the soul of Sheikh Najam al-Din Kubra (RA). There came a time when Prophet Muhammad (PBUH) blessed him directly with *Ilm-e-Ladunni* (knowledge of the formulae of universe), and with his love and *Nisbat,* presented him before God.

Hasan Ukhra Syed Muhammad Azeem Barkhia (RA), known as Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) says, "The door to cognising God opens up with the cognition of one's self. The first stage through which the wayfarer on the path of spirituality has to tread on, is the stage of 'La'. That is, the first thing one has to do is negate what they know."

The path to God's cognition illumines after self-negation. Negation is that inner-spiritual-stage where space is immeasurable. This can be understood through pondering upon the mechanism of life; because attributes of God are prevalent as life in all creations.

For example, when God asked, "Am I not your Lord?" It transferred and activated senses in the creations. Before this, the crea-

Love is my Abode

"...The first stage through which the wayfarer on the path of spirituality has to tread on, is the stage of 'La'. That is, the first thing one has to do is negate what they know."

"When a heart brims with the blessings of God, and one ponders upon those blessings, the impressions of *Noor* (a stage of divine light) are activated within an *Insan* (human). This is how the foundation of the *Nisbat-e-Ishq* (association with love) is laid. Slowly and gradually, the impact of this *nisbat* (association) in the inner tends to become visible on the exterior. As a result, the *lata'if* (subtleties), or the circles of light that encircle a human soul, begin to immerse themselves in divine light. This means that the divine light continues to permeate into those spheres. This is how the roots of *Nisbat-e-Ishq* become strong." (Loh-o-Qalam by Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA)).

These golden words are of a revered personality who was blessed by Prophet Muhammad (PBUH) with the title of 'Hasan Ukhra' through the method of *Uwaisia* (spiritual transmission without the need of physical interaction). He is on a high rank of *Qalandariyat* (one of the highest stages of spirituality), and is known among the angels of the heavens and earth, and common men as Qalandar Baba Auliya (RA).

In the year 1898, at Khurja, within the district Bulandshahr of UP (India), an illumined child was born to the pious Hussain Mehdi Badi al-Din Sher Dil (RA), and virtuous Bibi Saeeda Khatoon (RA). Seemingly, it was the birth of an ordinary child, however, people with wisdom knew that this boy was to be a trustee of the secrets of the universe, and would help those with troubled lives with the wealth of belief.

He was named Muhammad Azeem. Both his parents were *Najeeb ul Tarfain Sadaat* (both parents were *Syed,* descendants of Prophet Muhammad (PBUH)) and their family tree links to Hazrat Imam Hasan Askari (RA). He acquired basic education in Khurja and then in Bulandshahr. For higher education, he took admission at Aligarh Muslim University. He was inclined towards Sufism, and his interest in it grew further during his stay at Aligarh. In the morning, he would visit the tomb of Maulana Kabli (RA), and return late at night. When his restlessness intensified, the strong desire to know God took him to Nagpur where Shahenshah Haft Aqleem (Emperor of seven realms) was awaiting his arrival.

Baba Taj al-Din (RA) is the cousin of Huzoor Qalandar Baba Auliya's (RA) maternal grandfather, Hasan Mehdi Siraj al-Din (RA). Baba Taj al-Din (RA) raised Saeeda Khatoon (RA) – the mother of Syed Muhammad

Law: When a shell diffuses, it embraces infinity, where no division lies.

• • ——————————— • •

A master asked a student to bring an apple to him and cut it open. The student complied.

He then asked his student, "What do you see in it?"

The student humbly said, "There are some tiny seeds inside."

The teacher directed him to cut the seeds apart. When the student did so, the teacher told him to further divide them into even smaller bits. Once the student had completed the task, the master asked him, "What do you see now?"

The student replied, "Nothing at all."

The master said, "Son, you have defied the existence of the seed so casually. This very 'Nothingness' you speak of, unfolds everything within the universe. This 'Nothingness', is in fact the true universe."

• • ——————————— • •

Light, electrical impulse, and the circulation of blood are motions subservient to *Noor* (a stage of divine light). So then what is *Noor*?

God, the Almighty says,

"God is the light of the heavens and earth. The example of His light is that of niche, in which there is a lamp; the lamp is in a glass – the glass looks like a brilliant star – it is lit by (the oil of) a blessed tree, the olive, which is neither eastern nor western. Its oil is about to emit light even though the fire has not touched it – Light upon light. God guides to His light whomsoever He wills; God describes examples for the people and God knows everything well." (Quran, 24:35)

The *batin* (hidden facet) of the earth and the sky rests on *Noor* and it is dimensionless. Self-insight is vital for the cognition of *Noor* and other creations. You cannot call it awareness if you can only describe apparent features such as, "that is a pigeon" or, "this is a man." True awareness is to know what lies beneath the shell. The Creator of the universe says, "God is the light of the heavens and earth." Spirituality or *Tasawwuf* can be summarised with the following: God is the Creator; and the *Zahir* (Apparent or Unhidden), *Batin* (Hidden), *Awwal* (the First) and *Aakhir* (the Last) are His attributes.

The beloved of God, Prophet Muhammad (PBUH) says, "The one who knows himself, knows the Lord."

May God Protect you.

iii

in cameras control the amount of light exposed on an image. A camera lens zooms in and out depending on the distance from an object of focus. Likewise, the cornea in an eye adjusts its focal length to view objects. One must note that an image is not formed unless light enters an eye or camera – so then what is light?

• • ——————————— • •

Researchers say that the body is controlled by a central nervous system with the brain and spinal cord as its two integral units. The spinal cord is a tail like entity, close to the neck and linked to the brain. The brain's nerves control the workings of the head, face, ears and neck, while the rest of the body is controlled by the nerves of the spinal cord. Nerves are part of an electrical wiring system that accepts and disseminates messages through impulse. An organ will shrivel if the nerves concerned are disconnected from it, regardless of whether the organ still receives a supply of blood and other necessities for it to function. This determines that the mind does not work unless it receives electrical impulses – so then what is an electrical impulse?

• • ——————————— • •

The heart is like a pump that expands and contracts until death. Expansion and contraction are phases of life. Blood passes to the heart through veins containing large amounts of carbon dioxide and waste matter. It carries fresh oxygen from the lungs to the tissues, and takes the body waste and carbon dioxide away. After the blood is purified, it travels back to the heart and distributes the oxygenated blood to the rest of the body through the arteries. The body's system is dependent on a functioning heart, and that heart is controlled by the circulation of blood. So then once again, a question arises – what is this circulation of blood?

• • ——————————— • •

A study indicates that the human body contains approximately 37 trillion cells, out of which five and two billion are reserved for the heart and brain respectively. If the cells scatter, one cannot differentiate between the cells of the brain or the heart.

An adult heart weighs about 300 grams, a brain 1400 grams, and an eye is estimated to weigh around 7.5 grams. The mass of matter vanishes when an object decomposes. What is 'mass' and where does it disappear to? Sperm holds the record of an individual; a granule containing the record of 37 trillion cells. Nothing remains after the dispersion of cells, so then where does the individual disappear to?

• • ——————————— • •

A granule is a unit of clothing and the change in its proportions affects its anatomy. A disease does not differentiate; it afflicts a king and a commoner alike. Both will writhe in pain and experience other emotions in a similar way. None are exempt from death. Though their anatomy is similar, one is a king and the other is his subject.

ii

bination of various organs, then what exactly is the body itself?

• • ——————————— • •

A teacher once asked a new student what his name was.

He replied, "My parents call me Sufi, and others call me Zaid, but there is no difference between them." The teacher asked, "If Zaid is not a different being, then who is it that acquires piety and attains cognition? Who is it that leads to destruction? What is the reality of rightful and wrongful doing, and of retribution and reward?" The teacher then named different parts of the body and asked, "Can any of these parts be referred to as 'Zaid'?"

The student said, "No sir… none of them are Zaid. They all combine together to form Zaid."

The teacher said, "Then I should think that Zaid doesn't exist at all. It is merely a word with no meaning. Nothing but a deception and an illusion."

The student did not understand so the teacher continued, "How did you get here from your city?" The student replied, "In a vehicle." The teacher asked, "Can we call wheels, a 'vehicle'? Can an engine, seat, steering wheel or car roof on their own qualify to be called a car?" The student replied, "No."

"If all of these things are not a part of the overall car, then can it be deemed a vehicle?" The student responded in negative.

The teacher then questioned, "If those parts are then excluded from the mind, is there anything left that can be described as a vehicle?" The student replied, "I have travelled via a car – its roof, wheels and engine all combine to form it."

The master replied, "This is exactly the case with man. The senses and body parts join together to make a body, and this is why people call you Zaid. But if we had to answer the question as to who 'Zaid' really is, we would have no idea!"

• • ——————————— • •

Generally, objects are identified by their apparent features. However, features are only an outer layer or shell. We only consider the shell of man – the clay from which his body is formed – and do not see beyond it. Our attention is fixed on the taste and appearance of a fruit, but not on the seed that is its base. Although all things are created from water, this concept does not strike our imagination. The apparent lustre of a diamond does not insinuate the presence of carbon within it. This is because physical senses discern things in segments. Thus, the limited, initial view is regarded as the full picture.

• • ——————————— • •

Every part of a body has a distinct duty. The eye works as a camera does. In a camera, a film or sensor chip is used to record an image; in an eye, images are contained on the retina. The iris in eyes, and the aperture

Message of the Day

Life as we know it, is comprised of the soul and the body, and their awareness steers one to enlightenment. The body can be compared to an archetype of a building that contains many residential units within it. Each unit is inhabited by a different occupant, and hence though they live separately, they are still in unison overall. With a body, you will not find eyes where a nose should be, or similarly a brain where the heart should be. If one's hands and legs were to switch their positions, the anatomy of the body would change. Thus, everything in this 'house' is distinctly built.

Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) says:

"Graph paper is used to teach students how to draw in schools. The paper consists of small squares that serve as a base for a picture. The teacher guides the students on how coordinating a particular number of blocks will draw the shape of a head, nose or mouth of a man. The number of squares assist in determining the proportions of the object, making illustration relatively easy. Hence, the graph is the basis of the drawing. In other words, arranging the order of the graph results in the formation of images. In the same vein, the currents of *Nasma* work as the base of all anatomies. The addition and subtraction of these lines (currents of *Nasma*) form *mavaleed-e-salasa.*[1]"

• • ——————————— • •

Going back to the example of a building, construction takes place according to a plan. The walls and roof are a veil for a room, and the building structure covers and sustains the many lives that live within it, much like the skin of a physical body. The purpose of this 'skin' is to keep the building intact, and the movement of its shell unified. This unison refers to the centralisation of actions. Each organ is an entity or unit of a building and functions as clothing for the mechanism operating within. This integration of organs and body parts is deemed as the self. However, when this unity is suspended, the body will disintegrate.

Example: The circulation of blood is impeded through malfunctions of the heart. This impediment is for the heart, but the energy or operating mechanism that feeds the heart and its circulation, continues to exist. The heart disintegrates into dust but the movement remains. Similarly, if there is an obstruction in the system, such as the malfunctioning of a liver, it can lead to death. The liver, heart, and brain are all parts of clothing we call the body. Therefore, death is not the end of life, but the decomposition of the body or clothing. When the body is simply a com-

[1] The three kingdoms: Zoological, Botanical, Geological

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	204
Love is my Abode	Gul-e-Nasreen	200
Surrender	Bibi Anuradha (UAE)	194
Prophet Jesus (PBUH)	Extracted	190
The Power of Positive Words	Umar Tariq	186
The Path to Happiness	Khalida Zubair	183
Reality and Materialism	Dr. Naeem Zafar (Ph.D.)	177
Teachings of Qalandar Baba Auliya (RA) in 11 Languages	From Editor's Desk	174

****

"Love and doubt have never
been on speaking terms."
- Khalil Jibran

Vol 7 Issue 12 | January 2020 | Jumaada-al-awal — Jumaad-al-ukhra 1441AH

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in chief
Huzoor Qalandar Baba Auliya[RA]

Chief Editor
Khwaja Shams al-Din Azeemi

Editor
Hakeem Salam Arif

Circulation Manager
Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.80/- Per issue. Annual subscription Rs.1080/- with Reg. Post (Domestic), US$ 70/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020